7

۸۳۶۲۱

امنِ عالم اور اسلام

(سیّد قطب رحؒ)

مترجم

میاں منظور احمد۔ ایم۔ اے

گلستان پبلیکیشنز

۴۰۔ اُردو بازار۔ لاہور

Marfat.com

Marfat.com

امنِ عالم اور اسلام

(سیّد قطبؒ)

مترجم

میاں منظور احمد۔ ایم۔ اے

گلستان پبلیکیشنز

۴۰ — اردو بازار — لاہور

Marfat.com

۱۹۲۶۸

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

ناشر — محمد زمان راہی

طابع — گلستان پبلیکیشنز

۴۰- اردو بازار، لاہور

مطبع — نفیس پرنٹرز، لاہور

اشاعت

اوّل — فروری ۱۹۷۴ء — ۱۰۰۰

قیمت — ۱۸-۰۰ روپے

ڈیلکس ایڈیشن — ۲۴-۰۰ روپے

Marfat.com

فہرست مضامین

ابتدائیہ ۵

عقیدہ اور زندگی ۷

اسلام میں امن وسلامتی کا مزاج ۱۵

ضمیر کا امن ۴۵

زبان اور عقیدہ ۴۶

ذوق وشوق اور ضرورتیں ۵۱

گناہ اور توبہ ۵۵

تکلیف اور طاقت ۶۲

اللہ کے حضور میں اطمینان ۶۸

ضمانتیں اور ذمّہ داریاں ۷۳

گھریلو امن وسلامتی ۷۹

مقدس قلعہ ۷۹

اختلاطِ مرد وزن اور اظہارِ جمال ۸۳

حدود وتعزیرات ۸۸

طلاق ۹۴

Marfat.com

تعدّدِ ازدواج ۱۰۱
خاندانی کفالت ۱۱۰
معاشرے کا امن ۱۱۳
محبّت و رحمت کا وجدان ۱۱۵
انفرادی و اجتماعی آداب ۱۲۰
زندگی کے اعلیٰ مقاصد ۱۳۱
نظامِ حکومت ۱۳۶
قانونی عدل کی ضمانتیں ۱۴۰
امن و سلامتی کی ضمانتیں ۱۴۵
اقتصادی زندگی کی ضمانتیں ۱۵۴
اجتماعی توازن ۱۵۷
قانون پر اطمینان ۱۷۴
عالمی امن ۱۸۱
جہاد فی سبیل اللہ ۱۸۳
انسانی فیاضی کی روح ۱۹۳
معاملات میں اخلاقی عنصر ۲۰۱
اور اب ـــــ چارۂ کار ۲۱۹
جہنم کے کنارے پر ۲۲۱
چوراہے پر ۲۲۶
راہِ نجات ۲۳۴
کلمۂ اسلام ۲۳۸

Marfat.com

ابتدائیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۔ اَلَّذِيْنَ عَاهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ۔ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۔ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ۔ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ۭ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ۔ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۔ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۔

(سورۃ الانفال : ۵۵-۶۱)

Marfat.com

"یقیناً اللہ کے نزدیک سب جانداروں سے بدتر وہ لوگ ہیں جو کافر ہو چکے اور اب ماننے کو تیار ہی نہیں ہوتے۔ جن سے تم نے معاہدے کیے پھر وہ ہر بار عہد شکنی کرتے ہیں اور انجام سے بے خوف ہیں۔ پس ایسے لوگوں کو اگر تم لڑائی میں پاؤ تو ایسی سزا دو جسے دیکھ کر ان کے پچھلے بھی بھاگ جائیں تاکہ انہیں عبرت حاصل ہو۔ اور اگر تمہیں کسی قوم کی دغابازی کا ڈر ہو تو ان کا معاہدہ علی الاعلان ان کی طرف پھینک دو، بلاشبہ اللہ دغابازوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور کافر یہ نہ سمجھیں کہ وہ بھاگ نکلے ہیں، یقیناً وہ ہمیں عاجز نہ کر سکیں گے۔ اور ان کے لیے اپنی ہمّت کے مطابق ہر قسم کی قوّت اور پلے ہوئے گھوڑے تیار رکھو، اس سے اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں پر تم دھاک بٹھا دو گے، اور ان کے علاوہ اوروں پر دھاک بیٹھے گی جنہیں تم نہیں جانتے، اللہ انہیں جانتا ہے، اور اللہ کی راہ میں تم جو کچھ بھی خرچ کرو گے وہ تمہیں پورا پورا ملے گا اور تمہاری حق تلفی نہ ہو گی۔ اور اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی اس کی طرف جھکو اور اللہ پر بھروسہ رکھو، بلاشبہ وہی سننے والا جاننے والا ہے۔"

Marfat.com

عقیدہ اور زندگی

فانی انسان کی زندگی محدود ہے اور زمین پر اس کے دن گنے چُنے ہیں۔ یہ ہولناک کائنات جس کے اندر انسان رہتا ہے اِس کے مقابلے میں وہ ایک ذرۂ بے مقدار ہے جس کا نہ کوئی ٹھکانا ہے نہ قدر و قیمت۔ ازل سے ابد تک کا ہولناک زمانہ ایک طرف رکھو اور ایک فانی انسان کی زندگی کو دوسری طرف، تو یہ اُس کے مقابلے میں محض بجلی کی ایک چمک یا آنکھ کی جھپک نظر آئے گی۔

لیکن یہ فانی انسان، یہ ذرّۂ پریشاں، یہ گری پڑی بے مقدار چیز ایسی طاقت کا مالک بھی ہے جس سے وہ ایک ہی لحظے میں ازل و ابد کی قوّت سے جا ملے، طول و عرض میں پھیل کر اس عظیم کائنات کے برابر ہو جائے، زمانے کی گہرائیوں اور وقت کی سلوٹوں میں ناقابلِ شکست رشتوں کے ذریعے سے مربوط ہو جائے اور اپنے آپ کو وقت کی عظیم اور مہیب قوّتوں میں شمار کرنے لگے۔ یقیناً وہ بڑے بڑے کام کر سکتا ہے، عظیم حادثے برپا کرنے کی طاقت رکھتا ہے، ہر چیز پر اثر ڈالنے اور اس سے متاثر ہونے کی اہلیت کا مالک ہے۔ وہ زمانہ ماضی میں وجود کو محسوس کر سکتا ہے، حال میں ٹھہراؤ کو پا سکتا اور مستقبل میں بقا حاصل کر سکتا ہے۔ وہ وجود کی اُس سب سے بڑی قوت سے طاقت حاصل کر سکتا ہے جس کا سر چشمہ خشک نہیں ہو سکتا، نہ اسے ضعف و بے چارگی لاحق ہوتی ہے۔ یہ طاقت حاصل کر لینے کے بعد وہ زندگی، اس کے حوادث اور

Marfat.com

دیگر اشیاء کا مقابلہ مساوی قوت سے کرسکتا ہے بلکہ ان سے قوی تر انداز میں۔ سو جب وہ ازلی و ابدی قوت کا سہارا لے لے اور اپنے اور اس قوت کے مابین تعلقات کو درست کرلے تو نہ وہ گری پڑی چیز رہتا ہے نہ پہلے جیسا عاجز انسان!

یہ قوت فراہم کرنا دینی عقیدے کا کام ہے۔ انسانی ضمیر اور زندگی میں اس کا اثر وہی ہوتا ہے جو ہم نے بیان کیا۔ انسانی جان میں عقیدے کی قوت کا یہی راز ہے اور عقیدے کی وجہ سے جان کی قوت کا یہی بھید ہے۔ زمین پر عقیدے نے جو معجزات دکھائے ہیں اور برابر دکھاتے چلا جا رہا ہے، ان کی حقیقت کی تہہ میں خود عقیدہ ہی کارفرما ہے۔ عقیدے کے معجزات زندگی کا دھارا اور حالات کا رُخ بدل دیتے ہیں۔ وہ فرد اور جماعت کو محدود فانی زندگی کی قربانی پر آمادہ کرتے ہیں تاکہ ایک غیر فانی اور عظیم زندگی حاصل ہو۔ وہ ایک عاجز و کمزور انسان کو سلطنت، مال و دولت، لوہے اور آگ کی قوتوں کے سامنے کھڑا کر دیتے ہیں۔ ایک مردِ مومن کی روح میں عقیدے کی جو مضبوط اور بے پناہ قوت پوشیدہ ہوتی ہے اس کے سامنے ظلم و استبداد کی ہر قوت شکست کھا جاتی ہے۔ ان قوتوں کو شکست دینے والا محض ایک محدود، فانی انسان نہیں ہوتا، بلکہ یہ کام اس ہولناک عظیم قوت کا ہوتا ہے جس کی رُوح اس میں کارفرما ہوتی ہے۔ قوت کا یہ زندہ و پائندہ سرچشمہ سوکھنے اور عاجز و ضعیف ہونے والا نہیں۔

دینی عقیدے کے سوا کوئی اور عقیدہ فانی مخلوق کو ازلی و ابدی قوت کے ساتھ ملانے کی طاقت نہیں رکھتا، نہ وہ کمزور انسان کو یہ مدد اور سہارا بخش سکتا ہے کہ اس کی نگاہ میں شان و شوکت، مال و دولت، حکومت و سلطنت اور آگ اور لوہے کی قوتیں ہیچ ہو جائیں، وہ محرومی اور اذیت پر صبر کرلے، ڈٹ جانے اور مقابلہ کرنے کی قوت پا لے۔ یہ صرف دینی عقیدہ ہی ہے جو اسے موت پر آمادہ کر دیتا ہے ـــــ ایسی موت جس کے اندر سے حیات کا چشمہ پھوٹتا ہے ـــــ یہ عقیدہ اسے فنا پر آمادہ کرتا ہے ـــــ اس فنا کے بعد دائمی بقا حاصل ہوتی ہے ـــــ یہ اسے قربانی کے لیے تیار کرتا ہے ـــــ جس کے نتیجے میں اسے اللہ کی نصرت ملتی ہے! یہی وجہ ہے کہ افراد اور

Marfat.com

جماعتوں کی زندگی میں دینی عقیدے کی قوت ظاہرہ مسلّم ہے۔ اور یہی سبب ہے کہ ہم اپنی اجتماعی، قومی اور بین الاقوامی مشکلات کا حل صرف اپنے دینی عقیدے میں تلاش کرنے پر اصرار کرتے ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہی اس حل کا واحد سرچشمہ ہے۔

ہمیں کامل یقین حاصل ہے کہ ہمارے پاس یہ عقیدہ ایک عظیم قوت ہے۔ ہمارے ملی وجود میں اس کی گہری کارفرمائی ہے۔ زندگی کی جدوجہد اور میدانی مقابلہ کی کشمکش میں اگر ہم اس عظیم قوت سے دست کش ہوجائیں تو اس سے بڑی حماقت وسفاہت اور کوئی نہ ہوگی۔ ہمیں اندرونی اور بیرونی طور پر ایک عظیم کشمکش کا سامنا ہے۔ ہمیں ایسی تو بر تو ہولناک قوتوں کا مقابلہ درپیش ہے جو ہماری مادی قوت سے بدرجہا زیادہ طاقت ور ہیں۔ اس عظیم کشمکش میں جب ہمارا دینی عقیدہ ہمیں حقیقی اور واقعی قوتیں عطا کرتا ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ مشکلات کا عملی اور واقعاتی حل پیش کرتا ہے، تو وہ کون سا ضمیر ہے جو ان قوتوں کو اپنانے اور اس حل کو اختیار کرنے سے گریز کرے؟ اور پھر اس گریز کا سبب محض یہ ہو کہ یہ قوتیں اور یہ حل ہمارے اس عقیدے سے حاصل ہوتا ہے!

زندگی کے بعض دوسرے نظام بعض دفعہ کچھ مشکلات کے ادھورے حل پیش کرتے ہیں، مگر جس عقیدے کی ہم دعوت دیتے ہیں اس کی قدر و قیمت محض اتنی ہی نہیں کہ وہ کچھ ہنگامی مشکلات کا وقتی حل پیش کرتا ہے۔ اس کی اصلی قدر و قیمت یہ ہے کہ وہ حل بھی پیش کرتا ہے اور اس کو عملی حقیقت بنانے اور اس کی حمایت کرنے کی ضامن قوت بھی مہیا کرتا ہے۔ یہ قوت کون سی ہے؟ دینی عقیدے کے گہرے فطری داعیے کی قوت! یہ داعیہ وہ چیز ہے کہ اگر نفس انسانی اس سے خالی ہوجائے تو نہ کوئی فلسفی نظریہ اس کے خلا کو پُر کرسکتا ہے، نہ کوئی اجتماعی مسلک اور نہ کوئی اقتصادی نظریہ! اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانی ضمیر میں دینی عقیدے کا مقام دوسرے افکار و نظریات اور مذاہب کی نسبت زیادہ گہرا ہوتا ہے۔ یہ ایک فطری پیاس ہے جسے فقط ایمان کا پانی بجھا سکتا ہے۔ اس پیاس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے جسم کو کھانے پینے اور دیگر فطری حاجات کی پیاس ہوتی ہے۔

Marfat.com

یہ فطری داعیہ بعض دفعہ کسی عارضی سبب سے ٹھنڈا پڑ جاتا یا پوشیدہ ہو جاتا ہے تو کچھ لوگ اس صورتِ حال سے دھوکا کھا جاتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ داعیہ مر چکا ہے۔ اس وقت ان کا یہ خیال ہوتا ہے کہ انسانی افراد اور جماعتوں کے ضمیر میں اس خلاء کو فلسفیانہ مذاہب، معاشی نظریات یا دیگر اجتماعی افکار سے پُر کیا جا سکتا ہے۔ لیکن جلدی ہی ان کی غلط فہمی دُور ہو جاتی ہے۔ انہیں پتہ بھی نہیں چل سکتا اور سویا ہوا عقیدہ یکایک ایک جھرجھری لے کر اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ پھر وہ انفرادی اور اجتماعی زندگی میں معجزنما انقلاب برپا کر دیتا ہے۔ لوگ حیران رہ جاتے ہیں کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے یہ عقیدہ بالکل خاموش اور بجھا ہوا تھا۔ اس سے کسی تبدیلی کی امید اور کسی انقلاب کی توقع نہ تھی۔ مگر فوراً ثابت ہو جاتا ہے کہ جس حالت کو نادان لوگ عقیدے کی موت سمجھتے تھے وہ دراصل پوشیدگی کا ایک عارضی وقفہ تھا۔ نفسِ انسانی کے احوال و اطوار کو جاننے والے خوب سمجھتے ہیں کہ یہ وقفہ نفسِ انسانی کا ایک عجیب طور ہوتا ہے۔ انسانی ضمیر بہت سے راستوں، موڑوں، دشوار گزار گھاٹیوں اور تنگ، تاریک گلیوں سے پٹا پڑا ہے!

افراد اور جماعتوں کی زندگی میں دینی عقیدہ جو معجزے دکھاتا ہے، کوئی پوشیدہ اوہام پرستی ان کی بنیاد نہیں بن سکتی، نہ کسی مبالغہ آرائی، شعبدہ گری اور ڈراؤنے خواب سے یہ کیفیت پیدا ہو سکتی ہے۔ دراصل یہ معجزانہ انقلابات چند معلوم اسباب اور ثابت شدہ بنیادوں پر قائم ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دینی عقیدہ ایک کُلّی فکر کا نام ہے جو انسان کو کائنات کی ظاہری و باطنی قوتوں سے مربوط کر دیتا ہے۔ وہ روحِ انسانی کو اعتماد اور سکون سے بھر دیتا ہے، اور اسے ایسی قدرت بخشتا ہے جس سے وہ زوال پذیر قوتوں اور باطل نظاموں کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ اسے اللہ کی مدد پر یقین کی قوت مل جاتی ہے اور وہ اسی پر بھروسہ کرنے کی طاقت سے سرشار ہو جاتا ہے۔ یہ عقیدہ انسانی افراد کو کھول کر بتاتا ہے کہ اُن کے اِرد گرد بکھرے ہوئے انسانوں، حوادث اور اشیاء کے ساتھ اُن کے تعلقات کی نوعیت کیا ہونی چاہیئے۔ وہ اُن کی منزلِ مقصود، نصب العین اور راہِ عمل واضح طور پر اُن کے سامنے پیش کر دیتا ہے۔ وہ اُن کی ساری قوتوں کو ایک مرکز میں جمع کر کے انہیں ایک راہ پر لگا دیتا ہے۔

Marfat.com

انسانی قوتوں کے ساتھ خود اس عقیدے کی قوت شامل ہو جاتی ہے ۔ یہ سب قوتیں مل کر ایک محور کے گرد جمع ہو جاتی ہیں ۔ عقیدے کی قوت انہیں ایک راہ پر لگا دیتی ہے ۔ راستہ واضح اور نصب العین روشن ہوتا ہے ۔ راہ پر گامزن ہونے والا قوت و اعتماد اور یقین سے سرشار ہوتا ہے ۔

بھرپور انسانی شخصیت ایک متوازن وحدت کا نام ہے ۔ وہ ایک ایسے عقیدے کی محتاج ہے جو زندگی کی ہر راہِ عمل میں وحدت پر مبنی ہو ، انسانی شخصیت علم و عمل میں اس سے رہنمائی حاصل کر سکے ، کائنات اور زندگی کے ہر رُخ پر اس کی ہدایت میں گامزن ہو سکے اور ہر چھوٹے بڑے معاملے میں اس کی طرف رجوع کر سکے ۔

ہر انسان کی زندگی میں اس عقیدے کی فضیلت یہ ہے کہ وہ ایک مرکزی نقطے کی حیثیت رکھتا ہو ، انسانی زندگی اور اس کے ارادہ و عمل کے تمام تار اسی پر آ کر جمع ہوں ۔ اس طرح اس کی شخصیت ٹکڑے ٹکڑے ہونے اور ٹھوکریں کھانے سے بچ جائے گی اور وہ قلق و اضطراب اور حیرت کا شکار نہ ہوگا ۔ یہ مرکزی نقطہ جتنا قوی ہوگا اور اس کا رابطہ فرد کی زندگی اور کارکردگی میں اِدھر اُدھر پھیلے ہوئے تاروں سے جس قدر مضبوط ہوگا ، اتنی ہی اس کی شخصیت زیادہ قوی ہوگی کیونکہ وہ ایک گُتھی ہوئی شخصیت ہے ۔ ایسی شخصیت کا کردار بہت استوار ہوگا کیونکہ اس کی راہِ عمل مستقیم ہے ۔

جو عقیدہ انسانی علم و کردار کے تمام احوال پر حاوی ہو وہ اس عقیدے کی نسبت زیادہ بہتر اور کامل تر ہوتا ہے جو صرف چند احوال پر محیط ہو اور باقی کو چھوڑ دے ۔ فردِ انسانی اپنی زندگی کے تمام شعبوں میں جب ایک ہی عقیدے کی طرف رجوع کر لے تو یہ اس کے لیے اس سے کہیں افضل و آسان تر ہے کہ زندگی کے مختلف احوال میں مختلف عقاید کا پیرو بنا رہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ زندگی کے مختلف اطوار و احوال کی حق تلفی کیے بغیر یہ صرف عقیدے کی وحدت ہی ہے جو شخصیت کی وحدت پیدا کرتی ہے ۔ یہ وحدت علم و عمل کے میدان کو تنگ یا محدود نہیں کرتی ، نہ اُسے مختلف پگڈنڈیوں میں بانٹتی ہے ، کیونکہ اس تقسیم کا نتیجہ اطوار و احوالِ حیات کا دائمی اضطراب ہوتا ہے ۔

Marfat.com

وہ مجرّد "روحانی عقیدہ"، جسے اجتماعی زندگی، معاشی معاملات اور بین الاقوامی تنظیموں میں کوئی دخل حاصل نہ ہو اُس اجتماعی نظریئے کی مانند ہے جس کا رُوحانی اعتقاد اور ملکی نظام سے کوئی واسطہ نہ ہو۔ یا پھر وہ اُسی فنّی نظریئے کی طرح ہے جسے عملی زندگی یا اعتقاد یا ملکی نظام سے کوئی غرض نہ ہو۔ دراصل یہ سارے نظریئے ناقص ہیں۔ یہ انسانیت کی پوری زندگی کی تنظیم نہیں کر سکتے، نہ انسانی شخصیت میں توازن اور نظم و نسق پیدا کر سکتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں کسی ایسے عقیدے کا سخت محتاج ہے جو انسان کی علمی و عملی زندگی کے تمام حصّوں پر چھایا ہوا ہو۔ فکر و کردار کی تمام اطراف کی نگرانی کرے اور ترقی اور نشوونما کی راہ میں ان سب کو آگے بڑھائے۔ انسانی تاریخ کے وہ دقفے جن میں افراد اور جماعتیں ایسے عقیدے کی طرف راہ یاب ہو جاتی ہیں، اس کی دعوت کو پورے طور پر لبیک کہتی ہیں اور عملی زندگی میں اسے کارفرما بنا لیتی ہیں، یہی وہ دقفے ہوتے ہیں جن میں انسانیت سے معجزے سرزد ہوتے نظر آتے ہیں۔ ان معجزات کی تفسیر و تشریح صرف اس اتحاد کی روشنی میں ہو سکتی ہے جو منتشر طاقتوں کو جمع کر دیتا ہے، انہیں بکھرنے اور منتشر ہونے سے بچاتا ہے اور سب کو لے کر ایک نصب العین کی طرف دھکیل دیتا ہے۔ گویا وہ ایک تیز طوفانی لہر یا ایک بے پناہ سیلاب ہوتا ہے!

اس میدان میں صرف اسلامی عقیدہ ہی وہ واحد مثال ہے جسے انسانیت نے اپنی طویل تاریخ میں کامل و مکمل پایا ہے۔ یہ عقیدہ اتنا وسیع ہے کہ زندگی کے تمام شعبوں میں ہر انسانی علم و عمل پر محیط ہے۔ یہ نہ تو ایک شعبے کو لے کر دوسرے کو ترک کرتا ہے، نہ زندگی کے ایک پہلو کو اُجاگر کر کے دوسرے سے گریز کرتا ہے۔ اس کا حکم یہ نہیں ہے کہ[1]:

"جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو دو اور جو خدا کا ہے وہ خدا کو دو۔"

اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلامی عقیدے کی رُو سے "جو قیصر کا ہے" (اور خود قیصر کی ذات

---

[1] انجیل متی: ۲۲/۲۱۔

Marfat.com

بھی) صرف اللہ کے لیے ہے ، اور قیصر کو کوئی ایسا حق حاصل نہیں ہے جو اس کی رعایا کے کسی فرد کو حاصل نہ ہو !

یہ عقیدہ فرد کی روحانی ذمہ داری سے کر اُس کی عقل اور جسم کو چھوڑ نہیں دیتا ، نہ اس کے اوضاع و رسوم کا ضامن بن کر اس کے قوانین وضوابط کو ترک کر دیتا ہے اور نہ اس کے صرف ضمیر کو مطمئن کر کے اس کے اعمال و افعال سے روگردانی کرتا ہے ۔ پھر یہ بھی نہیں کہ وہ فرد کی صرف انفرادی زندگی سے تو بحث کرے مگر اجتماعی زندگی سے خاموش رہے ، اس کی شخصی زندگی کا تو اہتمام کرے لیکن نظامِ حکومت اور سلطنت کے داخلی وخارجی تعلقات کے بارے میں کوئی ہدایت نہ دے ۔ اس کے برخلاف یہ عقیدہ ایک کامل ومکمّل نظریۂ حیات ہے جس کی تاریں انسانی زندگی میں اس طرح پھیلی ہوئی ہیں جیسے ایک زندہ جسم میں شریانیں اور پٹھے ہوتے ہیں ۔

ہم مسلمانوں کو مصر میں اور سارے عالمِ اسلام میں بہت سی مشکلات اور رُکاوٹیں درپیش ہیں ۔ داخلی طور پر ہم اجتماعی ، اخلاقی اور اقتصادی مشکلات سے دوچار ہیں اور خارجی طور پر قومی اور بین الاقوامی مشکلات سے ہمارا سامنا ہے ۔ لیکن ان مشکلات کے مقابلے میں ہمارا کیا حال ہے ؟ افسوس ! ہمیں نہ اپنی خبر ہے ، نہ یہ معلوم ہے کہ ہمارے پاس کتنی محفوظ طاقت موجود ہے ۔ نہ ہمارے سامنے کوئی نصب العین ہے نہ راستہ ۔ ان مشکلات کا مقابلہ ہمیں ایسے حالات میں درپیش ہے کہ ہماری سب سے بڑی ضرورت اس وقت ایک ایسا عقیدہ ہے جو ہماری قوّتوں کو اکٹھا کر سکے ۔ ہمیں ایک ایسے جھنڈے کی شدید ضرورت ہے جس کے سائے میں ہم ایک صف بنا کر کھڑے ہو سکیں ۔ ہم ایک ایسے نظریئے کے شدید محتاج ہیں جس کیساتھ ہم زندگی اور اس کی مشکلات کا مقابلہ کر سکیں اور ان قوّتوں کا سامنا کر سکیں جو علی الاعلان ہم سے داخلی اور خارجی طور پر برسرِ پیکار ہیں ۔

ہم اب تک اپنے عظیم دینی عقیدے پر ظلم کرتے چلے آئے ہیں ۔ ہم نے نادانی یا خود غرضی سے یہ سمجھ رکھا تھا کہ دورِ جدید کی زندگی اور اس کی مشکلات میں یہ عقیدہ کوئی نیا تُلا حل پیش نہیں کرتا ۔ خاص کر اجتماعی اور بین الاقوامی شعبوں میں ہم اسے خاموش سمجھتے رہے ہیں ۔

جہاں تک اجتماعی شعبے کا تعلق ہے اس کے بارے میں بہت سی کتابیں منظرِ عام پر آچکی

Marfat.com

ہیں، جو یہ ثابت کرتی ہیں کہ اسلام اس میدان میں زندگی کے مسائل کا عملی حل پیش کرتا ہے۔ اجتماعی عدل کے طلبہ جن اعتراضات کا اظہار کیا کرتے تھے اُن کے بہت بڑے حصّے کا جواب دیا جا چکا ہے۔ اب وہ یہ جان چکے ہیں کہ دوسرے سب اجتماعی مذاہب سے بڑھ کر اسلام میں یہ طاقت موجود ہے کہ کامل تر اور وسیع تر انداز میں اجتماعی عدل قائم کر سکے۔

اب رہ گیا بین الاقوامی شعبہ، سو اس میں اب تک بہت تھوڑا کام ہوا ہے۔ اس شعبے کو ابھی تک کماحقّہٗ کھولا نہیں گیا۔ آج ہمیں عالمی امن و سلامتی کا مسئلہ درپیش ہے جسے ساری انسانیت بڑی شدّت سے محسوس کر رہی ہے اور اس کے ضمن میں ہم بھی اسے محسوس کرتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا اسلام کے پاس اس کا کوئی جواب موجود ہے؟ کیا وہ اس مشکل عقدے کو حل کر سکتا ہے؟

یہ کتاب اسی سوال کا تفصیلی جواب پیش کرتی ہے!

Marfat.com

اسلام میں امن و سلامتی کا مزاج

امن و سلامتی کا تصوّر اسلام میں ایک بنیادی اور گہرا تصوّر ہے۔ یہ تصوّر اسلام کے مزاج سے گہری وابستگی رکھتا ہے۔ کائنات، زندگی اور انسان کے بارے میں اسلام کے کُلّی نظریئے کے ساتھ اس کا شدید تعلّق ہے۔ اسلام کا پورا نظامِ حیات، اس کے قوانین و ضوابط، اس کے احکام و نواہی اور رسوم سب اس تصوّر کے ساتھ منسلک ہیں۔ یہ تصوّر پورے اسلام میں اس طرح جاگزیں ہے کہ گہری نظر سے اس کا مطالعہ کرنے والے جب تک اس کی عمیق، دُور تک پھیلی ہوئی جڑوں کی کھود کرید نہ کریں، یہ تصوّر ان کی گرفت میں نہیں آسکتا۔ اس تک پہنچنے کے لیے بیدار مغزی، صبر و ثبات اور وُسعتِ نظر کی ضرورت ہے۔

آج اس کتاب میں میری بحث کا موضوع کائنات، زندگی اور انسان کے بارے میں اسلام کا نظریہ نہیں ہے۔ جیسا کہ میری کتاب "اسلام کا نظامِ عدل" میں بھی یہ بحث کا موضوع نہ تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے جس شعبے سے بھی بحث کی جائے اس میں اس عظیم کُلّی نظریئے کو ایک حد تک بیان کرنا ناگزیر ہوتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اسلام کے کُلّی تصوّر کے تمام اجزاء و اطراف باہم مربوط و منسلک ہیں۔ اس کُلّی نظریئے، اس کے ہر جزئی تصوّر اور فرعی مسئلے کے درمیان نہایت مضبوط تعلّقات ہیں۔ غور سے دیکھیں تو معلوم

Marfat.com

ہو جاتا ہے کہ یہ دینِ انسانی زندگی کے مسائل کو ایک دوسرے سے الگ کر کے اُن کا علاج تجویز نہیں کرتا اور ان میں سے ہر ایک کو کسی الگ تھلگ بنیاد پر قائم نہیں کرتا کہ دوسری بنیادوں سے اس کا کوئی تعلق نہ رہے۔ اس کے برعکس وہ ان سب کو ایک مرکزی نقطے پر لاتا ہے اور انہیں ایک جامع محور کے گرد گھماتا ہے۔ اِن تمام مسائلِ حیات کو کچھ ظاہر یا مخفی تار اپنے محور سے مربوط رکھتے ہیں۔ ہر حالت میں یہ تعلق قائم و دائم رہتا ہے۔ اسلام کے تمام مسائل اور احکام و نواہی سے مل کر ایک جامع وحدت وجود میں آتی ہے۔ اس وحدت کا منبع کائنات، زندگی اور انسان کے بارے میں اسلام کا کُلّی نظریہ ہے۔

اسلام میں امن و سلامتی کا مزاج ایک خاص طرز کا حامل ہے۔ اس کے بیان کے لیے ناگزیر ہے کہ اسلام کا کُلّی تصوّر زیرِ بحث لایا جائے، کیونکہ عملاً یہ اسی سرچشمے سے پھوٹتا ہے اور اسی مرکز کی طرف واپس چلا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے لازم ہے کہ "اسلام میں امن و سلامتی کا مزاج" بیان کرنے سے پہلے ہم چند سطروں میں اس کے کُلّی نظریئے کو زیرِ بحث لائیں، جیسا کہ ہم اس سے قبل اپنی کتاب "اسلام کا نظامِ عدل" میں اصل موضوع سے پہلے "اسلام میں اجتماعی عدل کا مزاج" ایک حد تک بیان کر چکے ہیں۔

اسلام اس عظیم کائنات میں عظیم وحدت کا دین ہے۔ کائنات کی جزئیات میں مفرد ذرّے سے لے کر مرکبِ حیات کے سب سے زیادہ ترقی یافتہ طبقوں تک میں وحدت موجود ہے۔ ساکن جمادات سے لے کر نشوونما پانے والی نباتات، متحرک حیوان اور پھر انسانِ ناطق تک میں وحدت پائی جاتی ہے۔ یہ مفردات کی وحدت ہے، پھر اس کے فکر و عمل میں بھی وحدت ہے، افلاک و کواکب کے چکر سے لے کر افکار و ارواح کی جولانیوں تک میں وحدت پائی جاتی ہے۔ پھر دیکھو مقاصدِ کائنات میں بھی ایک وحدت ہے، افلاک کے کُرے قانونِ قدرت کے پابند ہیں۔ ارواح طلبِ معرفت میں رواں دواں ہیں۔ پھر کائنات کی تمام طاقتوں میں وحدت پائی جاتی ہے۔ جسم مادّی ضروریات کا محتاج ہے اور رُوح ذوق و شوق کی چیخ و پکار میں محو ہے۔ پھر کائنات کے تمام زندوں میں، تمام اجناس میں، ساری نسلوں میں بھی وحدت موجود ہے۔ غرض اس کی ابتداء و انتہا میں، اس کی زمین و آسمان میں اور

Marfat.com

دنیا و آخرت میں وحدت کی کارفرمائی ہے۔

اسلام وحدت کا پہلا قدم توحیدِ الٰہی سے شروع کرتا ہے، یعنی اس ذات سے کہ جس سے زندگی کا صدور ہوتا ہے اور صرف اسی کی طرف اس کا رجوع ہوگا۔

ارشادِ الٰہی ہے:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ ۝ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝ (سورۂ اخلاص)

"کہہ دو کہ وہ اللہ یگانہ ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنا، اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا۔ اور اس کا کوئی ہمسر نہیں۔"

اس طرح وہ کائنات کے مصدرِ اوّل میں تفرقہ و اختلاف کے تمام اسباب کو یکسر قطع کر دیتا ہے اور قانونِ فطرت میں تصادم و فساد کے تمام اسباب کو رفع کر دیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خالق و معبود کی وحدت کائنات کے قانون سے نظم و ضبط اور تنظیم کے تعدّد کی نفی کر دیتی ہے۔ اسی کے ضمن میں وہ تعارض و تصادم کے اسباب کی نفی کر دیتی ہے۔ یہی مطلب ہے قرآن کے اس ارشاد کا:

لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا۔

(الانبیاء: ۲۲)

"اگر کائنات میں اللہ کے سوا اور بھی معبود ہوتے تو زمین و آسمان تباہ ہو جاتے۔"

اور یہی مصداق ہے قرآن کے اس قول کا:

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ (المومنون: ۹۱)

"اللہ نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا اور اس کے ساتھ کوئی اور معبود بھی نہیں، ورنہ ہر معبود اپنی مخلوق کو لیے پھرتا اور وہ ایک دوسرے پر چڑھ

Marfat.com

دوڑتے"!

اسی ایک معبود کے ارادے سے کائنات ایک ہی طریقے سے وجود میں آئی ہے:

اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۔

(یٰسین: ۸۲)

"جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرے تو اس کا حکم یہ ہوتا ہے کہ وہ "ہو جا" کہہ دیتا ہے، پس وہ چیز ہو جاتی ہے"

ایجاد کرنے والے ارادے اور پیدا ہونے والی کائنات میں کوئی اور واسطہ نہیں ہوتا۔ یہ ساری کائنات ایک ہی خالق سے جس طریقے پر وجود میں آئی ہے وہ بھی ایک ہی ہے، اس میں کوئی تعدد نہیں۔ یہ طریقہ کیا ہے؟ یہ ایک مجرد ارادہ ہے جسے قرآن کلمہ "کن" (ہو جا) سے تعبیر کرتا ہے۔ کسی مخلوق کی پیدائش کے لیے صرف اسی قدر کافی ہے کہ یہ ارادہ اس کی طرف متوجہ ہو جائے: كُنْ فَيَكُوْنُ (وہ کہتا ہے "ہو جا" تو ہو جاتا ہے) اس طرح سے اسلام نے پیدائشِ کائنات کی علت سے ہر واسطے، ہر دوئی اور ہر تعدد کی نفی کر دی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ پیدائش کے بالکل ابتدائی لمحے سے تصادم، رکاوٹ اور تعارض کے ہر سائے تک کو دور کر دیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ راہِ وجود میں کائنات کی رفتار کو آزادی، سہولت، سادگی اور نظم و نسق پر قائم کیا گیا ہے:

اَلَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۭ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ۭ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ۔ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ۔ (الملک: ۳-۴)

"وہ اللہ ہی ہے جس نے سات آسمانی طبق پیدا کیے۔ تم رحمان کی مخلوق میں کوئی تعارض نہ پاؤ گے۔ ذرا نگاہ کو موڑ کر دیکھو، کیا تمہیں کوئی دراڑ دکھائی دیتی ہے؟ پھر دوبارہ نگاہ دوڑاؤ، نظر تھک ہار کر ناکام لوٹ آئے گی۔"

Marfat.com

اسی اللہ واحد کے ہاتھ میں ہر چیز کی حکومت ہے ۔ ساری کائنات اُسی کی طرف لوٹتی ہے، وحدت کے اعتبار سے بھی اور انفرادی حیثیت سے بھی ، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، عمل میں بھی اور صلوٰۃ و دعا میں بھی ، زندگی میں بھی اور موت میں بھی ۔ جس طرح کائنات کی ابتداء اسی سے ہوئی تھی اسی طرح انتہا بھی اسی کی طرف ہو گی :

تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ
قَدِیْرُ ۔ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ
اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۔ (الملک : ۱-۲)

" بابرکت ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں بادشاہت ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ۔ جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے عمل میں بہتر کون ہے ۔"

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِیْهِنَّ
وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ
تَسْبِیْحَهُمْ ۔ (الاسراء : ۴۴)

" ساتوں آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے اُسی کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں ، اور ہر چیز اُس کی حمد کے ساتھ پاکیزگی بیان کرتی ہے مگر تم اُن کی تسبیح کو نہیں سمجھتے ۔"

وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ۝ مَاۤ اُرِیْدُ
مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّ مَاۤ اُرِیْدُ اَنْ یُّطْعِمُوْنِ ۝

(الذاریات - ۵۶)

" اور میں نے جن اور انسان صرف اس لیے پیدا کیے کہ میری ہی عبادت کریں ، نہ میں ان سے رزق کا طالب ہوں اور نہ اِس بات کا کہ وہ مجھے کھانا کھلائیں ۔"

اور اس طرح وہ کائنات و حیات اور زندہ مخلوق سے نصب العین سے گمراہی کے

Marfat.com

تصوّر، مقاصد کے تعدد اور اغراض کے تصادم کی نفی کر دیتا ہے۔ وہ ان سب کو واضح، متوازن اور ایک ہی سیدھی راہ پر ڈال دیتا ہے۔ یہی راہ منزلِ مقصود تک پہنچانے والی ہے۔ یہی سب کی منزلِ مقصود اور نصب العین ہے۔

یہ کائنات جو متفرق اجزاء، مختلف اشکال اور رنگا رنگ کے تن و توش پر مشتمل ہے، اس کی اصل ایک ہی ہے، اس کا مزاج بھی ایک ہی ہے۔ ایک وقت تھا جب اس کی اصل بنیاد اکٹھی تھی۔ پھر اس کے اجزاء الگ الگ ہو گئے اور چیزوں کا طول و عرض وغیرہ وجود میں آگیا۔ ارشادِ الٰہی ہے:

اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰھُمَا ۔ (الانبیاء: ۳۰)

"کیا ان منکروں نے یہ نہیں دیکھا کہ آسمان و زمین جڑے ہوئے تھے پھر ہم نے انہیں پھاڑ کر جدا جدا کیا۔"

یہ ساری کائنات ایک ہی قانونِ فطرت کی مطیع ہے۔ وہ قانون اس کی حرکات کا نظام قائم رکھتا اور اسے تصادم اور تباہی سے بچاتا ہے۔ یہ قانونِ فطرت اجرامِ فلکی اور افلاک کی نگرانی کرتا ہے، ان کی رفتار اور راستے قائم کرتا ہے۔ فرمانِ خداوندی ہے:

وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّھَا ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۝ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰہُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ کَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ ۝ لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَھَآ اَنْ تُدْرِکَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّھَارِ ۭ وَکُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ ۔

(یٰسین ۔ ۳۸ ۔ ۴۰)

"اور سورج اپنے ایک ٹھکانے پر رواں دواں ہے، یہ غالب و علیم خدا کا ٹھہرایا ہوا اندازہ ہے۔ اور چاند کی ہم نے منزلیں ٹھہرا دی ہیں، یہاں تک کہ وہ ایک سوکھی ٹہنی کی مانند لوٹ آتا ہے۔ نہ تو سورج

Marfat.com

کے لیے روا ہے کہ چاند کو پالے اور نہ رات دن سے آگے گزر سکتی ہے،
اور یہ سب ایک ایک محور میں تیر رہے ہیں۔"

اور اس طرح وہ کائنات کے متفرق اجزاء سے باہمی بے تعلقی اور انتشار کی کیفیت کی نفی کرتا ہے اور ثابت کر دیتا ہے کہ ان اجزاء میں وحدت اور نظم و نسق پایا جاتا ہے۔ یہ صفات تکوین کے مزاج میں، قانونِ قدرت کی مضبوطی میں اور حرکت کے نظام میں برابر موجود ہیں۔

اس کائنات میں زندگی مقصود ہے، یہ کوئی اتفاقی حادثہ نہیں۔ عالم کون و مکان کی مضبوط بناوٹ اور قانونِ فطرت میں یہ بات مدّنظر رکھی گئی ہے کہ وہ زندگی کو ظہور میں لائے، اس کی ضروریات مہیّا کرے اور زندوں کی حاجات پوری کرے، اور پھر حیات کو تباہی، ہلاکت اور فنا سے محفوظ رکھے۔

تم اس زمین کو دیکھو کہ حسبِ فرمانِ خداوندی:

وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا
وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا ...... (فصلت - ۱۰)

"اس کے اوپر بھاری پہاڑ رکھ دیئے، اس میں برکت رکھی اور روزی کے انواع و اقسام پیدا کر دیئے۔"

وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ .... (النحل: ۱۵)

"اور زمین میں بوجھل پہاڑ پیدا کیے مبادا تمہیں ایک طرف کو جھکا دے۔"

وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ہ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ
ذَاتُ الْاَكْمَامِ ہ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ہ

(الرحمٰن: ۱۰-۱۲)

"اور زمین کو لوگوں کے لیے پیدا کیا، اس میں میوے ہیں اور گابھے دار کھجوریں، اور بھوسے دار غلّہ اور خوشبودار پھول۔"

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا

Marfat.com

فِیْ مَنَاکِبِھَا وَکُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ۔ (الملک: ۱۵)

"وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو مطیع کر دیا ہے، سو تم اس کے اطراف میں چلو پھرو اور اس کے رزق میں سے کھاؤ۔"

اور پھر دیکھو کہ آسمان کی مضبوط بناوٹ میں زندگی کے تقاضوں کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

وَزَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ وَحِفْظًا......

(فصلت - ۱۲)

"اور ہم نے نچلے آسمان کو روشن چراغوں اور اسبابِ حفاظت سے مزین کر دیا ہے۔"

وَیُمْسِکُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَی الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ...

(الحج - ۶۵)

"اور وہ آسمان کو تھامے ہوتے ہے کہ اس کے اذن کے بغیر زمین پر نہ گر پڑے۔"

اور آسمان و زمین کے درمیان یہ ہوائیں ہیں جو زندگی اور جانداروں کی خدمت میں لگی ہوئی ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتا ہے:

اَللّٰهُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَیَبْسُطُهٗ فِی السَّمَآءِ کَیْفَ یَشَآءُ وَیَجْعَلُهٗ کِسَفًا فَتَرَی الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ۔ (الروم - ۴۸)

"وہ اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے پھر وہ بادلوں کو اٹھاتی ہیں۔ پھر اللہ جیسے چاہے انہیں فضائے آسمانی میں پھیلا دیتا ہے، پھر ان کے ٹکڑے کر دیتا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ ان کے اندر سے پانی رس رس کر نکلتا ہے۔ پھر اللہ اپنے بندوں میں سے جنہیں چاہے وہ بارش عطا کر دیتا ہے

۲۰۱۶۸

Marfat.com

جس پر خوشی سے پھولے نہیں سماتے۔"

یوں اللہ تعالیٰ مزاجِ کائنات اور زندگی کے عمومی مزاج میں تعاون و تناسق قائم کرتا ہے اور تصادم و تعارض کے تصوّر کو دُور کرتا ہے۔ جیسے کہ وہ عالم کون و مکان کی بناوٹ میں نظامِ مقصود کا مبداء مقرر کرتا ہے اور کسی نظم وضبط پر قائم نہ ہونے والے اتّفاقی حادثے کی نفی کرتا ہے۔

اس زمین میں دھڑکنے والی زندگی ایک ہی جڑ سے نکلی ہے اور اُس کی ہر شکل و صورت اسی ایک مادّے پر مشتمل ہے۔ وہ مادّہ پانی ہے جو سب جانداروں کی اصل ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ .... (الانبیاء - ۳۰)

"اور ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی سے پیدا کیا۔"

اور جانداروں میں سے اعلیٰ اقسام ایک خاصیت میں مشترک ہیں یعنی جوڑا جوڑا ہونے کی خاصیت، چنانچہ فرمایا ہے:

سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ۔ (یٰس - ۳۶)

"پاک ہے وہ اللہ جس نے زمین سے نکلنے والی چیزوں کے جوڑے پیدا کیے اور انسانوں کے بھی جوڑے بنائے اور بے شمار ان چیزوں کے بھی جن کو یہ لوگ جانتے بھی نہیں۔"

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا۔ (الشوریٰ - ۱۱)

"وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے، اُس نے تم میں سے تمہارے لیے جوڑے بنائے اور جانوروں کے بھی جوڑے بنائے۔"

اور یہ جاندار ایک ہی قسم کی اجتماعی تنظیم میں بھی مشترک ہیں، قرآن کہتا ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ

Marfat.com

إِلَّآ أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ ۔ (الانعام - ۳۸)

" اور زمین میں جس قدر چلنے والے جانور ہیں اور جس قدر پروں سے اُڑنے والے پرندے ہیں یہ سب تمہاری طرح جماعتیں ہیں۔"

اس طرح زمین میں سب جانداروں کے اندر تعلّقات قائم ہو جاتے ہیں اور یہ سب ایک خاندان بن جاتے ہیں۔ یہ خاندان ایک ہی جڑ سے نکلا ہے۔ گویا اعلیٰ درجے کے جاندار جو ایک ہی قسم کی خصوصیتیں رکھتے ہیں ان میں قرابت قائم ہو جاتی ہے۔

اور انسان جو حیات کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے، اس کا وجود کائنات کے اوّلین مادّے سے بنایا گیا ہے۔ اس مادّے کے ساتھ انسان کا نہایت گہرا تعلق ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ طِينٍ ۔
(المومنون - ۱۲)

" اور بلاشبہ ہم نے انسان کو کیچڑ کے خلاصے سے پیدا کیا۔"

اس کے بعد اس انسان کے افراد اپنی اصلِ واحد کے باعث باہم مربوط ہیں۔ سب کی نسبت اس کی اصل کے ساتھ برابر ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے:

أَنْتُمْ بَنُو آدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ (مسلم و ابوداؤد)

" تم سب آدمؑ کے بیٹے ہو اور آدمؑ مٹی سے بنے تھے۔"

جنسِ انسانی کے تمام افراد ایک ہی جان سے پیدا کیے گئے تھے۔ اس جان سے ہی اس کا جوڑا بنایا گیا تھا اور پھر تمام افرادِ انسانی اِن دونوں سے پیدا ہوتے تھے،

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ (النساء - ۱)

" اے انسانو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اُسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد عورتیں دنیا میں پھیلا دیئے۔"

Marfat.com

ان تمام انسانوں کو باہمی تعارف والفت کی خاطر پیدا کیا گیا نہ کہ جدائی اور قطع تعلقی کیلیے:

يَآيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا۔ (الحجرات - ۱۳)

"اے انسانو! یقیناً ہم نے تمہیں ایک نر مادہ سے پیدا کیا اور تمہاری شاخیں اور قبیلے بنائے تاکہ باہم تعارف پیدا کر سکو"۔

اس طرح وحدتِ انسانیت کو اس کے مزاج، بنیاد اور نشوونما میں ثابت کر کے، اجناس و قبائل کے جدا جدا ہونے کی غرض و غایت بتا کر وہ نسلی و جنسی نزاع کے تمام اسباب کو زائل کر دیتا ہے۔ اس نے واضح کر دیا ہے کہ مختلف نسلیں اور قبیلے باہمی تعارف و الفت کے لیے ہیں، اختلاف و تفریق کے لیے نہیں۔

خدائے واحد نے اس بشریّتِ واحدہ کی طرف ایک ہی پیغام بھیجا، جس پر ایمان لانے والے ایک اُمّت ہیں:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ (الشوریٰ - ۱۳)

"اللہ نے تمہارے لیے وہ دین مقرر کیا ہے کہ جس کا حکم نوحؑ کو دیا تھا اور اے پیغمبر! اسی کو آپ کی طرف وحی کیا اور اسی کا حکم ابراہیمؑ اور موسیٰ و عیسیٰؑ کو دیا کہ اسی دین کو قائم کرو اور اس میں جدائی مت ڈالو"

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ۔

(البقرہ - ۱۳۶)

"تم کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو تعلیم ہم پر اُتاری گئی اُسے تسلیم

Marfat.com

کیا اور جو دین ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ اور ان کی اولاد پر اُتارا گیا اُسے مانا۔ اور جو احکام موسٰیؑ اور عیسٰیؑ اور دوسرے سب نبیوں کو اُن کے رب کی طرف سے بھیجے گئے ان پر ایمان لائے۔ ہم ان میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے اور ہم اللہ ہی کے مطیع ہیں۔"

یٰاَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ ۝ وَاِنَّ ھٰذِہٖٓ اُمَّتُکُمْ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً وَّاَنَا رَبُّکُمْ فَاتَّقُوْنِ۔ (المومنون۔ ۵۱-۵۲)

"اے پیغمبرو! پاکیزہ رزق میں سے کھاؤ اور نیک اعمال اختیار کرو، یقیناً میں تمہارے اعمال سے باخبر ہوں۔ اور بلاشبہ یہ تمہاری جماعت ایک ہی جماعت ہے اور میں تمہارا رب ہوں، سو تم صرف مجھ سے ڈرو۔"

اس طرح وہ یہ قرار دے کر کہ دین سارا اللہ ہی کی طرف سے ہے، وہ دینِ واحد ہے، اس کی دعوت یہ ہے کہ کسی کو اللہ کا شریک ٹھیرائے بغیر صرف اسی کے سامنے گردن جھکائی جاتے، اس نے دینی نزاع کے تمام اسباب کو دُور کر دیا ہے۔ اس خدائے واحد کی عبادت و عبودیت غیر مشروط ہے، سارے دُنیوی و اُخروی معاملات اس میں بلا تفریق داخل ہیں۔

پھر اس وحدتِ کُبریٰ کے تصوّر کو ثابت و راسخ کرنے کے لیے اسلام کچھ اور اقدامات بھی کرتا ہے۔ وہ اس وحدت کو ضمیر کی پوشیدگیوں، جسم و جان کی تمناؤں اور روح کی آرزوؤں تک پہنچا دیتا ہے۔ وہ اسے انسانی زندگی کے ہر گوشے اور ہر رُخ میں داخل کر دیتا ہے، لیکن یہ ایسے مباحث ہیں جن کی تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں۔ اسلام میں امن و سلامتی کے مزاج کو بیان کرنے کے لیے بطورِ تمہید صرف اسی قدر کافی ہے۔

کائنات کے مزاج، زندگی کے قانونِ فطرت اور انسان کی اصل و بنیاد میں جو توازن و تناسق ثابت کیا گیا ہے، اسلام میں امن و سلامتی کا مزاج اسی سے بنتا ہے۔ اس مزاج کا تعلق ایک گہری مضبوط جڑ سے ہے۔ اس کے مطابق دائمی اور اصل قاعدہ

Marfat.com

امن ہی ہے۔ جنگ ایک استثناء ہے جس کا داعیہ اُس قانونِ فطرت کے قائم کردہ توازن سے ظلم و بغاوت کر کے باہر نکلنا ہوتا ہے۔ جب ظلم و تشدد رونما ہو جاتے اور فطرتی توازن میں خلل اندازی اور فساد واقع ہو جاتے تو جنگ (جو ایک عارضی چیز ہے!) اسے مٹا کر از سرِ نو مستقل نظم و نسق اور ضروری امن قائم کر دیتی ہے۔

اس کی دلیل ہے کہ اسلام ابتداء سے ہی ان سب بڑے بڑے اسباب کی نفی کر دیتا ہے جو زمین میں جنگ و جدال کو ابھارتے ہیں۔ جنگ کی بہت سی اقسام کے اسباب و مقاصد کو رد کر کے وہ انہیں تقریباً ناممکن بنا دیتا ہے۔ مثلاً:

نسلی تعصب جن جنگوں کو اُبھارتا ہے، اسلام ان کی راہ روکتا ہے۔ کیونکہ اس میں نسلی عصبیت کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔ وہ تمام انسانوں کی اصل کو ایک قرار دیتا ہے۔ اس کا اعلان یہ ہے کہ سب لوگ ایک ہی جان سے پیدا ہوتے ہیں اور ان کے شعوب و قبائل محض تعارف کے لیے ہیں۔

صلیبی اور غیر صلیبی تنگ ظرف لوگ دینی عصبیت کو جس محدود معنی میں لیتے ہیں، اسلام اس عصبیت کی ابھاری ہوئی جنگوں کا بھی شدید مخالف ہے۔ اسلام میں اس دینی عصبیت کی کوئی گنجائش نہیں جس کا مطلب دوسرے ادیان سے نفرت کرنا اور ان کے اصول و مبادی کو جانے بغیر محض ان کی ذات کا انکار کرنا ہوتا ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ اللہ کا دین ایک ہے، سب ایمان دار ایک اُمّت ہیں، وہ سب اس معنی میں اسلام کے مطیع ہیں کہ اس سے مراد خدا کے حضور کُلّی طور پر جھکنا اور اس کا کوئی شریک ٹھیرائے بغیر صرف اُسی کی عبادت کرنا ہے۔ اس کے ساتھ اسلام یہ بھی حکم دیتا ہے کہ:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۔ (البقرہ - ۲۵۶)

"دین میں کوئی جبر نہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو صاف صاف حکم دیا ہے کہ دوسرے عقیدے والوں کو دعوتِ اسلام دیتے وقت تذکیر و تنویر کے حق سے تجاوز نہ کریں۔

وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ

Marfat.com

فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوْا وَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ ۔ (آلِ عمران ۔ ۲۰)

"اور اہلِ کتاب اور مشرکوں سے کہو کہ کیا تم اسلام لاتے ہو؟ سو اگر وہ اسلام لے آئیں تو ہدایت پا جائیں گے ، اور اگر منہ پھیر لیں تو تمہارے ذمہ صرف پیغام پہنچا دینا ہے ۔"

جب تک اہلِ کتاب اللہ سے کفر کا ارتکاب نہ کریں گے اور خدا کی حرام کردہ چیزوں کو حلال نہ ٹھیرائیں گے ، ان سے عام قتال نہ کیا جائے گا ۔

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَن يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ ۔ (التوبہ ۔ ۲۹)

"اہلِ کتاب میں سے جو لوگ اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان نہیں رکھتے خدا اور رسولؐ کی حرام کردہ چیزوں کو حرام نہیں جانتے اور دینِ حق کے مطیع نہیں ہوتے ، جب تک وہ جھک کر اپنے ہاتھ سے جزیہ نہ ادا کریں اُن سے قتال کرو ۔"

اسلام ان جنگوں کو بھی بعید جانتا ہے جنہیں ذاتی و قومی لالچ اور مادّی منافع برپا کرتا ہے ۔ وہ نو آبادیاتی ، استحصالی ، تجارتی منڈیوں اور خام مال کے حصول کی خاطر لڑی جانے والی جنگوں کو ردّ کرتا ہے ۔ وہ دوسروں کی محنت ، وسائلِ حیات اور انسانوں کو غلام بنانے کا سخت مخالف ہے ۔ وہ تمام انسانیت کو باہمی تعاون کرنے والی وحدت قرار دیتا ہے لہٰذا اس میں استعماری جنگوں کی کوئی گنجائش نہیں ۔ وہ کائنات کی ہر زندہ چیز کو قریب النسب خاندان کے افراد ٹھیراتا ہے ۔ بلکہ وہ ساری کائنات میں ایک ہی جیسے مقاصد کی کارفرمائی دیکھتا ہے ۔ وہ نیکی اور تقویٰ پر باہمی تعاون کا حکم دیتا ہے اور گناہ و تعدّی پر تعاون سے روکتا ہے ۔ اس نے چھینا جھپٹی ، قتل و نہب اور غصب کو حرام ٹھیرایا ہے ۔

Marfat.com

وہ ساری بشریت سے عدلِ مطلق کا وعدہ کرتا ہے۔ جنس، رنگ اور مذہب کا اختلاف اس کے نزدیک عدلِ الٰہی سے فائدہ اٹھانے میں قطعاً حائل نہیں۔

وہ ان جنگوں سے بھی روکتا ہے جنہیں بادشاہوں اور قومی ہیروؤں کی جھوٹی عظمتوں کی محبت برپا کرتی ہے، یا شخصی غنیمتوں اور شاہی حقوق کی محبت اُبھارتی ہے۔ ایک شخص[1] جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپؐ سے دریافت کیا کہ:

"کوئی شخص مالِ غنیمت کی خاطر لڑتا ہے، کوئی نام باقی رہنے کی خاطر جنگ کرتا ہے اور کوئی بہادر کہلوانے کے لیے، فرمائیے ان میں سے خدا کی راہ میں کون لڑ رہا ہے۔"

آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ:

"جو شخص محض اللہ کے کلمے کو سربلند کرنے کی خاطر لڑے وہی خدا کی راہ میں لڑتا ہے۔"

یہاں سے ہم واضح طور پر اس ایک ہی جائز جنگ کو معلوم کر لیتے ہیں جسے اسلام روا قرار دیتا ہے۔ حضورؐ کا ارشاد بالکل صاف ہے کہ: مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ۔

"جو شخص کلمۃ اللہ کی سربلندی کی خاطر لڑے وہی خدا کی راہ میں لڑتا ہے۔"

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ وہ کلمۃ اللہ جس کی خاطر قتال کرنے والا فی سبیل اللہ لڑنے کا مصداق ہوتا ہے، وہ ہے کیا چیز؟

کلمۃ اللہ دراصل دوسرے لفظوں میں الٰہی ارادے کا نام ہے، اور ہم انسانوں کے لیے اس کا جو ارادہ ظاہر رو باہر ہے وہ وہی ہے جو کائنات، زندگی اور انسانوں کے لیے اس کے بنائے ہوئے قانونِ فطرت کے موافق ہو۔ اور یہ ہم بتا چکے ہیں کہ کائنات کے مزاج میں موافقت اور نظم و نسق اور انسانی زندگی میں باہمی تعاون، یہی دو چیزیں قانونِ الٰہی کہلاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہی کو حیات میں کارفرما رکھنا چاہتا ہے کائنات کا یہی وہ تناسق ہے جو بگاڑ اور اضطراب

---

[1] صحاحِ خمسہ

کورد کتا ہے اور ہر زمانے میں انسانیت کے لیے حیات کی دائمی ترقی، سربلندی اور عام بھلائی کی خاطر تعاون کو بروئے کار لاتا ہے۔ قرآن کا حکم ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ (المائدہ ۲۔)

"نیکی اور خوفِ خدا پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور تعدّی پر باہم تعاون مت کرو۔"

اسلام ساری انسانیت کے لیے آیا ہے اس لیے کلمۃ اللہ کے بروئے کار آنے کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کی لائی ہوئی یہ بھلائی تمام انسانوں تک پہنچ جاتے اور اُن کے اور اس بھلائی کے درمیان کوئی رکاوٹ حائل نہ ہو۔ اب جو شخص انسانوں تک اس بھلائی کے پہنچنے کی راہ میں حائل ہوگا اور طاقت کے بل پر رکاوٹ پیدا کرے گا تو درحقیقت وہی شخص کلمۃ اللہ پر تعدّی کرنے والا ٹھیرے گا۔ ایسے شخص کو دعوت کے راستے سے ہٹا دینا ہی دراصل کلمۃ اللہ کو بروئے کار لانا ہوگا۔ یہ اس لیے نہیں کہ اسلام کو زبردستی سے لوگوں پر ٹھونسا جاتے، بلکہ اس لیے کہ انہیں معرفت کی آزادی اور ہدایت کا اختیار حاصل ہو سکے۔ اسلام کسی کو اپنے قبول کرنے پر مجبور نہیں کرتا، لیکن جو لوگ اس کی راہ میں حائل ہوتے اور لوگوں کو اس کی طرف بڑھنے سے روکتے ہیں، وہ انہیں سخت ناپسند کرتا ہے۔ اس کا حکم ہے کہ:-

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ۔ (الانفال۔ ۳۹)

"اور ان سے قتال کرو جب تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور خدا کا پورا دین قائم ہو جائے۔"

یہ اسلام کی روا ٹھیرائی ہوئی جنگوں میں سے ایک جنگ ہے۔ اسلام اُس کی ترغیب دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ سے مطالبہ کیا کہ ایمان والوں کو اس پر آمادہ کریں۔ اس میں کودنے والوں سے اللہ پیار کرتا اور اُن سے اپنی رضامندی کے اعلیٰ درجات کا

Marfat.com

وعدہ کرتا ہے۔

اسلام ساری زمین میں عدل و انصاف کو برپا کرنے آیا ہے۔ وہ انسانوں میں عمومی انصاف قائم کرنا چاہتا ہے۔ عدل کی ہر قسم کو بروئے کار لانا اس کے مقاصد میں داخل ہے۔ وہ اجتماعی عدل، قانونی عدل اور سیاسی عدل قائم کرنا چاہتا ہے۔ جو شخص ظلم و بغاوت کرے، عدل و انصاف کے تقاضے سے ہٹ جائے تو وہی کلمۃ اللہ کا مخالف ہے۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ کلمۃ اللہ کی سربلندی کی خاطر قتال کریں اور اس سے انحراف کرنے والوں کو واپس اسی کی طرف لوٹا لائیں، چاہے اس غرض کے لیے انہیں باغی مسلمانوں کے خلاف تلوار بھی اُٹھانی پڑے۔ پس غیر مشروط عدل قائم کرنا اور بغاوت و تعدّی کو دُور کرنا ہی کلمۃ اللہ ہے جس کا ہر حال میں ہر جگہ سربلند رہنا ضروری ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے:

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ۔

(الحجرات - ۹)

"اور اگر ایمان داروں کے دو گروہ باہم لڑ پڑیں تو تم ان میں صلح کرا دو۔ پھر بھی اگر ایک گروہ دوسرے پر چڑھ دوڑے تو تم اس باغی گروہ سے لڑو حتیٰ کہ وہ حکم خداوندی کی طرف لوٹ آئے، سو اگر وہ لوٹ آئے تو ان دونوں میں عدل کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف کرو۔ بلاشبہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے"۔

اسلام جب بغاوت کو مٹانے اور عدل کو قائم کرنے کی خاطر مسلمانوں کو ان باغی مسلمانوں سے لڑنے کی دعوت دیتا ہے تو اس سے بدرجۂ اولیٰ یہ بات ثابت ہو گئی کہ وہ انہیں ظلم کو مٹانے کی تلقین کرتا ہے ——— ظلم چاہے کہیں بھی ہو! ——— اس کا حکم یہ ہے کہ ظلم سے اپنی جانوں کو بچاؤ اور ہر وہ مظلوم جو خود ظلم کا مقابلہ نہیں کر سکتا اس سے بھی ظلم کو

Marfat.com

دُور کرو۔ وہ ظلم کا اس قدر مخالف ہے کہ مسلمانوں کو اپنے آپ سے ظلم کو دُور کرنے کے لیے بھی ظلم کی اجازت دینے کا روادار نہیں۔ اس کا حکم ہے کہ:

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ۔ (البقرہ - ۱۹۰)

"اور اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں لیکن حدِّ انصاف سے تجاوز نہ کرو۔ بلاشبہ اللہ تعدّی کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے۔"

اور اس کا ارشاد ہے:

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِیْرًا۔ (النساء - ۷۵)

"اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں نہیں لڑتے، اور ان کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے جو یہ دعائیں کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں ظالموں کی اس آبادی سے نکال اور ہمیں اپنی طرف سے کوئی دوست عطا کر اور کوئی مددگار بنا؟"

اسلام صرف ان اعلیٰ مقاصد کے لیے تلوار اُٹھاتا ہے۔ جہاد کی عظمت بیان کرتا ہے اور مجاہدین کے ساتھ شہادت اور جزا کے اعلیٰ درجات کا وعدہ کرتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَیْهِ حَقًّا فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ۔ (التوبہ - ۱۱۱)

"یقیناً اللہ نے ایمانداروں سے ان کی جانیں اور مال خرید لیے ہیں کیونکہ

Marfat.com

بلاشبہ انہیں جنت ملے گی۔ وہ خدا کی راہ میں قتال کرتے ہیں، پھر قتل کرتے بھی ہیں اور قتل ہوتے بھی ہیں۔ تورات، انجیل اور قرآن میں اللہ کے ذمہ یہ ایک برحق وعدہ ہے۔"

اس نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۙ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (آل عمران۔ ۱۶۹-۱۷۱)

"جو لوگ خدا کی راہ میں قتل کیے گئے تو ہرگز انہیں مردہ نہ سمجھ، بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں انہیں رزق بھی ملتا ہے۔ اللہ نے جو اپنا فضل انہیں عطا کیا ہے وہ اس پر نہایت خوش ہیں اور جو لوگ ابھی ان کے پاس نہیں پہنچے ان کے متعلق یہ جان کر خوشخبری پاتے ہیں کہ ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ وہ اللہ کے انعام اور اس کے فضل سے خوش ہوتے ہیں، اور یہ جان کر پھولے نہیں سماتے کہ اللہ ایمان داروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔"

صرف انہی بلند مقاصد کی خاطر اسلام ایمان داروں کو ہر قسم کی تیاری کرنے اور قوت مہیا کرنے کا حکم دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ مومن سست نہ پڑیں اور کمزوری کے باعث دشمن سے صلح کی سلسلہ جنبانی نہ کریں:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ۔

(الانفال ــ ۶۰)

Marfat.com

"اور تم دشمنوں کے لیے ہر قسم کی قوت اور پلے ہوئے گھوڑے تیار رکھو
تم ان سے اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن پر دھاک بٹھا سکو گے۔"

فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْا اِلَى السَّلْمِ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ۔
وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ۔ (محمد - ۳۵)

"اور سست نہ پڑو اور دشمن کو کمزوری کے باعث صلح کی دعوت
مت دو۔ تم ہی غالب رہو گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ وہ ہرگز تمہارے
اعمال کو ضائع نہ کرے گا۔"

یاد رکھیے کہ مکمل تیاری کرنا اور زیادہ سے زیادہ قوت بہم پہنچانا ایک ایسا مقصد ہے جو اسلام کی نگاہ میں مقصود بالذات ہے۔ یہ فکرِ اسلامی کی بنیادوں میں سے ایک بنیاد ہے۔ اسلام دنیا والوں کی طرف اللہ کا آخری پیغام ہے۔ خداوند تعالیٰ نے انسان کو جو عقیدہ دینا چاہا تھا، اسلام اس کی آخری اور انتہائی شکل ہے۔ یہی وہ دین ہے جس کے اساسی قواعد لے کر سب رسول آتے تھے۔ قرآن کا اعلان ہے:

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ط (آل عمران - ۱۹)

"بلاشبہ دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔"

ہر نبی اسی لیے آیا تھا کہ لوگوں کو خدائے واحد کی عبادت کا حکم دے، اور یہ کہ وہ کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور بلا تردّد صرف خدائے واحد کے مطیع ہو جائیں، سب کے آخر میں اس دین کو جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش فرمایا:

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا
عَلَيْهِ۔ (المائدہ ۵ - ۴۸)

"درآنحالیکہ آپ پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والے اور ان کی اصلی
تعلیم کے محافظ تھے۔"

اس سے ثابت ہوا کہ یہ آخری رسالت تمام بشریت کی روح اور اس کی پوری زندگی کے لیے اللہ کی وصیت ہے۔ وصی کے پاس اتنی قوت کا ہونا ضروری ہے جس سے

Marfat.com

وہ اپنی وصیت کو نافذ کر سکے۔ یہ نفاذ جبراً اور ڈرا دھمکا کر نہیں بلکہ احترام اور ہیبت کی راہ سے ہونا چاہیئے۔ انسان بہرحال انسان ہیں، جب وہ حدود و ضوابط کی حفاظت و حمایت کرنے والی کوئی مضبوط رکاوٹ نہ پائیں تو ان کا گمراہ ہو جانا عین متوقع ہے۔ پس ایک ایسی قوت کا ہونا ناگزیر تھا جس کے محاسبے کا انہیں یقین ہو اگرچہ بالفعل اُس کا ہاتھ ان تک نہ پہنچے۔ کون نہیں جانتا کہ جس ہدایت کی پشت پر قوت نہ ہو اسے نہیں مانا جاتا اور ضعیف نیکی کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔

اس سے واضح ہو گیا کہ قوت کا مہیا کرنا واجب ہے۔ یہ ایک ایسا فریضہ ہے جسے زمین میں انتہائی غلبہ حاصل ہونا چاہیئے تاکہ وہ حق سے منحرف ہونے والوں کو واپس لا سکے، سرکشوں کو بغاوت اور تعدی سے روک سکے، امن و سلامتی پانے والوں کی سلامتی کی حفاظت کر سکے اور کلمۃ اللہ کو تحقیر و تذلیل سے بچا سکے۔

لیکن جب حریت ضمیر اور آزادیٔ رائے ثابت و قائم ہو جاتے، لوگوں کو قوت و جبر کے ساتھ کلمۃ اللہ سے نہ روکا جاتے، انہیں ان کے پسندیدہ دین سے نہ ہٹایا جاتے۔ اور جب بے لوث عدل قائم ہو جاتے، کوئی کسی پر ظلم و ستم نہ کرے، لوگ ایک دوسرے کو غلام نہ بنائیں۔ نیز جب ان کمزوروں کو بھی امن و امان اور سُکھ کا سانس نصیب ہو جاتے جو اپنے دفاع کے قابل نہیں، جب باغی اپنی بغاوت سے باز آجائے اور صلح و صفائی کی طرف مائل ہو، ان حالات میں اسلام —— جس کے پاس حادثات و عوارض کی خاطر پوری قوت مہیا ہو گی —— لڑائی کو بالکل حرام ٹھیراتا ہے اور فوری صلح و سلامتی کی دعوت دیتا ہے۔ قرآن کہتا ہے:

وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ

(الانفال - ٦٠)

"اور اگر وہ صلح کے لیے جھکیں تو تم بھی اس کی طرف مائل ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسہ رکھو۔"

اور ایک جگہ حکم دیتا ہے کہ:

Marfat.com

فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ۝

(النساء ـ ۹۰)

"اور اگر دشمن تم سے ایک طرف ہو جائیں یعنی تم سے نہ لڑیں اور صلح کا پیغام بھیجیں تو اللہ تمہیں ان پر زیادتی کی اجازت نہیں دیتا۔"

اسلامی نظریۂ امن کا یہ مختصر بیان ہے۔ اس کی رُو سے بنیادی چیز امن و سلامتی ہے اور جنگ ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ یہ ضرورت محض انسانیت کی بھلائی کو قائم رکھنے کی خاطر ہے۔ اس کے پیش نظر کسی خاص قوم، نسل یا فرد کی بھلائی نہیں۔ یہ ضرورت ان اعلیٰ انسانی قدروں کے قیام و ثبات کے لیے ہے جنہیں اللہ تعالےٰ نے دنیوی زندگی کا مقصد قرار دیا ہے۔ یہ ضرورت اس لیے ہے کہ لوگوں کو جبر و تشدد سے بچایا جائے، انہیں خوف، ظلم اور ضرر سے بچایا جائے۔ یہ ضرورت زمین میں بے لوث عدل کے قیام کی خاطر ہے۔ جب یہ مقصد حاصل ہو جائے تو اللہ کا کلمہ سر بلند ہو جاتا ہے۔

اسلام کے تاریخی حقائق ان فکری و نظری عقائد کو ثابت کرتے ہیں۔ کیونکہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساری انسانیت کو خدا کا پیغام پہنچانے تشریف لائے تھے:

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۝

(سباء ـ ۲۸)

"اور ہم نے آپؐ کو سب انسانوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔"

آپؐ کو حکم دیا گیا تھا کہ دعوتِ خداوندی کا اعلان پورے خلوص کے ساتھ کسی معاوضے اور اجر کے بغیر کریں۔

يٰاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝

Marfat.com

وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝ (المدثر - ۱-۷)

"اے کمبل پوش! اُٹھ اور ڈرا! اور اپنے رب ہی کی بڑائی بیان کر، اور اپنے کپڑے پاک رکھ، اور ہر آلودگی سے بچارہ اور زیادہ حاصل کرنے کے لیے احسان مت کر اور صرف اپنے رب کی خاطر صبر کر۔"

آپ سے فرمایا گیا تھا کہ دعوتِ حق کو پیش کرنے کے لیے بطریقِ احسن بحث کریں، دلائل سے مطمئن کریں، نیکی کا حکم دیں اور بُرائی سے روکیں اور شدّت و سنگدلی سے پرہیز کریں:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ (النحل - ۱۲۵)

"اپنے پروردگار کے راستے کی طرف حکمت اور بہتر نصیحت کیساتھ دعوت دیجیے اور ان لوگوں کے ساتھ احسن طریقے سے بحث کیجیے۔"

وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ۝ (قٓ - ۴۵)

"اور آپ ان پر کوئی جبّار نہیں ہیں لہٰذا قرآن کے ساتھ ان لوگوں کو نصیحت کیجیے جو میری وعید سے ڈرتے ہیں۔"

اس بنیاد پر یہ دعوت اسی طرح چلتی رہی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے فقط یہ چاہتے تھے کہ وہ آپ کی باتوں پر کان دھریں۔ پھر اگر اُن کے دل ایمان کی طرف مائل ہوں تو ایمان لے آئیں اور اگر ان کے دل سخت ہو جائیں اور ان پر گمراہی کا زنگ جم جائے تو اُن کا معاملہ خدا کے سپرد ہے۔

لیکن افسوس! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح لوگوں کے ساتھ صلح و صفائی کے ساتھ رہنا چاہتے تھے لوگوں نے آپؐ سے اس جیسا سلوک نہ کیا۔ انہوں نے امن وسلامتی کی اس دعوت کا راستہ روکا، اس دعوت پر قلبی اطمینان کیساتھ جن لوگوں نے لبّیک کہا تھا، مخالفین نے ان کی آزادی سلب کر لی اور انہیں ان

Marfat.com

کے گھروں اور بال بچوں سے جدا کر کے باہر نکال دیا۔ پھر وہ جہاں کہیں نظر آتے ان سے قتال کیا۔ وہ اس دعوت اور اُسے سننے والے کانوں کے درمیان اندھی بہری مادّی قوت لے کر آکھڑے ہوتے۔ یہ قوت ہر قسم کی دلیل و برہان سے مُعرّا تھی۔

یہی وہ وقت تھا جب کہ اسلام نے اپنے عقائد میں سے ایک بنیادی عقیدے کے دفاع کی خاطر تلوار اٹھائی۔ یہ بنیادی عقیدہ کیا ہے؟ حرّیتِ دعوت اور آزادیٔ ضمیر! قرآن کہتا ہے:

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ۗ وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝ (الحج - ۴۰)

"جن مسلمانوں سے قتال کیا جاتا رہا ہے اب انہیں بھی قتال کی اجازت ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور بلاشبہ اللہ ان کی مدد پر ضرور قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ انہیں ناحق ان کے گھروں سے نکالا گیا، ان کا قصور اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ وہ کہتے تھے! ہمارا رب اللہ ہے۔ اور اگر اللہ لوگوں کا ایک دوسرے سے دفاع نہ کرتا تو گرجے اور کُٹیے اور عبادت گاہیں اور مسجدیں، جن میں اللہ کا بہت ذکر ہوتا ہے، ڈھادی جاتیں۔ اور جو اللہ کے دین کی مدد کرے گا اللہ بالضرور اس کی مدد کرے گا۔ یقیناً اللہ بہت قوّت والا اور غالب تر ہے۔"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر طالبِ صلح کے ساتھ امن کا معاہدہ کیا، جس کسی نے صلح کی پیش کش کی آپ نے اسے قبول فرمایا۔ ان میں سے صرف انہی لوگوں سے آپ

Marfat.com

نے جنگ کی جنہوں کی عہد شکنی کی اور اہلِ اسلام کے دشمنوں سے ساز باز کر کے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کیا۔ بنو قریظہ کا غزوہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھا۔ ان یہودیوں نے غزوۂ خندق میں مسلمانوں کے خلاف بہت سے گروہوں کو مشتعل کیا تھا اور صریح عہد شکنی کی تھی۔ ان کے خلاف حضورؐ کی کارروائی عہد شکنی کرنے والوں اور معاہدوں کی خلاف ورزی کرنے والوں کے بارے میں اللہ کے اس حکم کی بجا آوری کے لیے تھی:

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰہِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝ اَلَّذِیْنَ عٰھَدْتَّ مِنْھُمْ ثُمَّ یَنْقُضُوْنَ عَھْدَھُمْ فِیْ کُلِّ مَرَّۃٍ وَّھُمْ لَا یَتَّقُوْنَ ۝ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّھُمْ فِی الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِھِمْ مَّنْ خَلْفَھُمْ لَعَلَّھُمْ یَذَّکَّرُوْنَ ۝ (الانفال - ۵۵-۵۷)

"یقیناً سب جانداروں سے بدتر اللہ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو کافر ہوئے اور اب وہ کوئی بات نہیں مانتے۔ جن سے آپ نے بار بار معاہدے کیے مگر وہ ہر بار عہد توڑتے رہے اور وہ انجام سے بے خوف ہو گئے ہیں۔ اس لیے اگر تم انہیں لڑائی میں پاؤ تو ایسی عبرت ناک سزا دو کہ ان کے پچھلے بھی بھاگ کھڑے ہوں تاکہ انہیں نصیحت حاصل ہو۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ میں قریش کے ساتھ جو معاہدہ کیا تھا اس کی چوتھی شرط یہ تھی کہ:

"جو کوئی اس معاہدے میں قریش کے ساتھ شامل ہو جائے اسے بھی یہ مشتمل ہوگا اور جو کوئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شامل ہو جائے اس پر بھی یہ حاوی ہوگا۔"

اس بنا پر قبیلہ بنو بکر نے قریش کے ساتھ معاہدے میں شمولیت کر لی اور بنو خزاعہ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ۔ زمانۂ جاہلیت میں بنو خزاعہ کا حضورؐ کے دادا جناب عبدالمطلب کے ساتھ معاہدہ تھا، اب انہوں نے چاہا کہ آپؐ کے ساتھ عہد میں

Marfat.com

شامل ہو کر اُس پُرانے معاہدے کی از سرِ نو تجدید کر لیں ۔ جناب عبد المطلب کے ساتھ بنو خزاعہ کا جو معاہدہ تھا اس میں یہ فقرہ بھی موجود تھا :

"عبد المطلب اور ان کی اولاد اور بنو خزاعہ کے لوگ باہمی تعاون و نصرت میں ایک رہیں گے ، عبد المطلب پر ان کی امداد کرنا واجب ہو گا اور بنو خزاعہ کے ذمہ عبد المطلب اور ان کی اولاد کی نصرت سارے عربوں کے خلاف مشرق و غرب میں اور میدانوں اور پہاڑوں میں لازم ہو گی ۔"

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ معاہدہ تازہ کر دیا مگر اس میں ایسی دو شرطوں کا اضافہ کر دیا جن سے نصرت و تعاون کی حد بندی اور وضاحت ہو گئی ۔ یہ اس لیے کیا گیا کہ معاہدہ اسلام کے بنیادی عقائد کے عین موافق ہو جائے ۔ وہ دو شرطیں یہ تھیں :

"بنو خزاعہ اگر بر سرِ ظلم ہوں گے تو آپ ان کی مدد نہیں کریں گے ، لیکن اگر ان پر ظلم کیا گیا تو آپ پر ان کی مدد واجب ہو گی ۔"

بنو خزاعہ اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے لیکن حضور نے ان کے ساتھ معاہدہ کرتے وقت ان کی مظلومیت کی صورت میں مدد کی ذمہ داری لی کیونکہ اسلام ظلم کی ہر صورت اور ہر شکل کو ناپسند کرتا ہے ۔ ظلم چاہے اہلِ اسلام پر ہو ، چاہے اس کے علاوہ کسی اور مذہب کے پیروؤں پر ، بہر حال وہ اس کی نگاہ میں حرام ہے ۔ زمانہ قبل از اسلام میں حلف الفضول نامی ایک معاہدہ ہوا تھا ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے :

لَقَدْ شَهِدْتُ فِي دَارِ عَبْدِ اللهِ بْنِ جُدْعَانَ حِلْفًا مَا أُحِبُّ أَنَّ لِي بِهِ حُمْرَ النَّعَمِ لَوْ أُدْعَى بِهِ فِي الْإِسْلَامِ لَأَجَبْتُ ۔ (سیرت ابن ہشام)

"عبد اللہ بن جدعان کے مکان میں میں ایک ایسے معاہدے میں موجود تھا کہ اس کے بدلے میں میں سرخ اونٹ لینا بھی پسند نہیں کرتا ، اگر زمانۂ اسلام

ہیں بھی کوئی اس کی طرف بلائے تو میں لبیک کہوں گا۔"

یہ معاہدہ جسے توڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سرخ کوہان والے بہترین اونٹ بھی لینا پسند نہیں فرماتے، سوال یہ ہے کہ اس کی حقیقت کیا تھی؟ دراصل یہ ایک عہد تھا جس میں یہ قبائل شامل تھے: بنو ہاشم اور عبدالمطلب کی اولاد، اسد بن عبدالعُزّیٰ، زہرہ بن کلاب اور تیم بن مُرّہ۔ اور اس معاہدے میں انہوں نے ان چیزوں پر باہم قسم کھائی تھی: ظلم وستم کی روک تھام کرنا اور ظالم سے مظلوم کا حق لے کر دینا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُس وقت نبوّت سے قبل عمر کے ۲۵ ویں سال میں تھے۔

اسلام میں جنگ کا مقصد کبھی یہ نہیں رہا کہ لوگوں کو زبردستی اسے اختیار کرنے پر مجبور کیا جائے۔ اس کے بنیادی عقائد اور تاریخی حقائق دونوں طرح سے یہ بات ثابت ہے۔ اگر اسلامی دعوت کی حقیقت سے کسی بے خبر انسان سے اتفاقاً اس قسم کی چیز سرزد ہوتی تو اس کی ذمہ داری اسلام پر نہیں کیونکہ وہ اس کی تعلیم کے یکسر خلاف تھا۔ اسلام کو نہ جاننے والوں اور اس کے دشمنوں نے جو تلوار کے زور سے اس کی اشاعت کا الزام گھڑا تھا، یہ سراسر خلافِ واقعہ ہے۔ اسلامی دعوت میں اس کا رہنما، وسیلہ اور ذریعہ جنگ ہرگز نہ تھا، یہ بات اسلام کے مزاج ہی کے خلاف ہے۔

مشہور مستشرق سر ٹی۔ ڈبلیو۔ آرنولڈ اپنی کتاب "دعوتِ اسلامی" (ترجمہ ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن اور ان کے ساتھی، صـ۵۱) میں رقمطراز ہیں:

"پہلی صدی ہجری میں اور پھر آنے والی صدیوں میں عیسائی عربوں کے ساتھ مسلم فاتحین کی رواداری کی جو مثالیں ہم نے ابھی پیش کی ہیں ان سے ہم اس صحیح نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ان عیسائی قبائل میں سے جنہوں نے اسلام قبول کیا تھا وہ اپنی آزاد مرضی اور دل پسندیدگی سے کیا تھا۔ مسلم جماعتوں کے درمیان آج بھی جو عیسائی عرب زندگی بسر کر رہے ہیں وہ اس رواداری کی زندہ مثال ہیں۔"

پھر یہی سر آرنولڈ اس کتاب کے صفحہ ۴۸ پر لکھتے ہیں:

Marfat.com

"عیسائی عربوں اور مسلمانوں کے درمیان محبت و یگانگت کے جو تعلقات قائم تھے ان کے پیشِ نظر ہمارے لیے یہ فیصلہ کرنا آسان ہے کہ لوگوں کو اسلام کی طرف پھیرنے میں جبر و قوت کوئی فیصلہ کُن عامل نہ تھا۔ خود محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بعض قبائل کے ساتھ صلح کے معاہدے کیے، ان کی حمایت کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر اٹھائی اور انہیں مذہبی رسوم کی ادائیگی کی آزادی بخشی۔ آپؐ نے کلیسا کے عہدہ داروں کو ان کے حقوق و اختیارات پر بحال رکھا۔ اس قسم کا ایک معاہدہ پیغمبرؐ کے ماننے والوں اور ان کے مشرک ہم وطنوں کے درمیان بھی پایا گیا ہے جن کا قدیم مذہب بُت پرستی تھا۔"

ان مثالوں ـــــ اور ان جیسی دوسری بے شمار مثالوں ـــــ سے ثابت ہو جاتا ہے کہ دشمنوں کا دعویٰ غلط ہے۔ ان سے یہ یقین بھی حاصل ہو جاتا ہے کہ اسلام کی جنگیں لوگوں کو جبراً مسلمان بنانے کی خاطر نہ تھیں، نہ ان کا مقصد نوآبادیاتی نظام قائم کرنا، استحصال کرنا یا لوگوں کو ذلیل و رسوا کرنا تھا۔ یہ صرف اسی لیے تھیں کہ اسلام جو بھلائی لوگوں کے لیے لے کر آیا ہے اسے ان کی رضامندی اور دلیل و حجت کے ساتھ پیش کر کے زمین میں کلمۃ اللہ کو سربلند کیا جائے۔

اسلام میں امن و سلامتی کے مزاج کی بات اس وقت تک پوری نہیں ہو سکتی جب تک ہم اس میدان کا اشارۃً ذکر نہ کریں جس میں اسلام کام کرتا ہے۔ نظریۂ حیات کے بارے میں اسلام اپنے کُلّی مزاج کے باعث امن و سلامتی کے حصے بخرے نہیں کرتا کہ زندگی کے بہت سے شعبوں میں سے کسی ایک شعبے میں اس کی دعوت دے کر خاموش ہو جائے۔ وہ امن کو ایک وحدت (یونٹ) قرار دیتا ہے، زندگی کے ہر شعبے میں اُسے برپا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اسے کائنات، زندگی اور انسان کے بارے میں اپنے جامع نظریئے کے ساتھ مربوط کر دیتا ہے۔ اس طرح سے امن اور سلامتی کے الفاظ اسلامی معنیٰ کے لحاظ سے اُس معنے کی نسبت زیادہ گہرے اور جامع ہو جاتے ہیں جس میں آج کل سلطنتوں کے درمیان یہ لفظ مشہور و متعارف ہے۔ اسلامی معنیٰ کے لحاظ سے امن و سلامتی سے مراد وہ حقیقت

Marfat.com

ہے جو زمین میں کلمۃ اللہ کو قائم کر کے عام انسانوں کے لیے عدل و انصاف اور امن پھیلاتی ہے۔ اس سے مراد ہر قیمت پر جنگ سے پرہیز کرنا نہیں، چاہے زمین ظلم و فساد سے بھر جائے!

کلمۃ اللہ کو ثابت و برپا کرنے کے لیے اسلام جب اپنے اعلیٰ عقائد کے مطابق کامل و مکمل امن و سلامتی کو قائم کرنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ بین الاقوامی امن سے ابتداء نہیں کرتا کیونکہ یہ تو سفر کی انتہا ہے نہ کہ ابتداء۔ بین الاقوامی امن زنجیر کی کڑیوں میں سے آخری کڑی ہے، اس سے پہلے کئی کڑیاں اور ہیں۔

اسلام سب سے پہلے فرد کے ضمیر میں امن و سلامتی برپا کرتا ہے، پھر خاندانی دائرے میں، پھر اُمّت و قوم کے اندر اور سب سے آخر میں مختلف قوموں اور ملتوں کے اندر اسے برپا کرتا ہے۔ وہ بالکل ابتداء میں فرد اور اُس کے رب کے درمیان امن و سلامتی کا علاقہ قائم کرتا ہے، فرد کے خود اُس کی اپنی ذات سے معاملہ کرنے اور جماعت سے تعلق قائم کرنے میں سلامتی پیدا کرتا ہے۔ پھر وہ ایک گروہ کے دوسری جماعتوں سے تعلقات کے اندر امن پھیلاتا ہے، افراد کے حکومت سے تعلقات کو امن پر استوار کرتا ہے۔ اتنے قدم اٹھا چکنے کے بعد پھر وہ ایک سلطنت کے دوسری سلطنتوں سے تعلقات کے اندر امن و سلامتی پیدا کرتا ہے۔

اس آخری منزل تک پہنچنے کے لیے وہ ایک لمبا راستہ طے کرتا ہے۔ اس راستے میں وہ ضمیر کی سلامتی سے گھر کی سلامتی تک، پھر معاشرے کی سلامتی تک اور آخر میں سارے جہان کی سلامتی کی منزل تک سفر کرتا ہے۔ آئندہ بحثوں میں ہم سلامتی کی راہ میں اسلام کے پیچھے پیچھے چلیں گے۔

Marfat.com

Marfat.com

ضمیر کا امن

جس جہان میں فرد کا ضمیر امن کی دولت سے نا آشنا ہو وہ جہان امن و سلامتی سے محروم ہے۔ امن کے بارے میں یہی اسلام کا نظریہ ہے۔ جب وہ امنِ عالم کو ایک مضبوط بنیاد پر قائم کرنا چاہتا ہے تو سب سے پہلے اسے ضمیر کی گہرائی میں قائم کرتا ہے۔

اسلامی نظام میں فرد کو ایک بنیادی مقام حاصل ہے۔ جماعت کی عمارت میں فرد پہلی اینٹ کی حیثیت رکھتا ہے۔ عقیدے کا پہلا بیج اسی کے ضمیر میں اُگتا ہے، پھر انسانی اعمال میں یہ پوشیدہ عقیدہ ایک کھُلی حقیقت بن کر سامنے آتا ہے، بلکہ یوں کہیئے کہ خود فرد کی ذات اس عقیدے کا زندہ ترجمہ بن جاتی ہے۔

اسلام فرد کے ضمیر میں امن کا بیج بوتا ہے۔ یہ امن ایک مثبت امن ہے جو زندگی کو سرفرازی اور ارتقاء بخشتا ہے، نہ کہ منفی امن جو ہر چیز پر راضی ہو جاتا اور عافیت و سلامتی کی راہ میں اعلیٰ مقاصد کا کچلا جانا گوارا کرتا ہے۔ یہ امن توازن و توافق سے پھوٹتا ہے، آزادی اور نظم و ضبط سے ترکیب پاتا ہے، اعضاء و جوارح کی آزادی اور بنیادی صالح طاقتوں کے بروئے کار لانے سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ امن جذبات و خواہشات کی آراستگی سے نکلتا ہے نہ کہ جبر و تشدّد، شعبدہ بازی اور مکر و خداع سے۔ یہ امن فرد کے وجود، اس کے جذبات، احساسات اور خواہشات کا احترام کرتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ جماعت کے وجود،

Marfat.com

اُس کی مصلحتوں اور مقاصد کا بھی اعتراف کرتا ہے ۔ یہ انسانیت، اس کی ضروریات اور تمناؤں کا احترام کرتا ہے ، دین و اخلاق اور انسانی قدروں کا احترام ملحوظ رکھتا ہے ، اور یہ سب کچھ ایک تناسب و توازن سے سرانجام دیتا ہے ۔)

زبان اور عقیدہ

اسلام بالکل ابتدائی قدم سے انسانی گفتگو اور دینی عقیدے کے درمیان امن و سلامتی کا علاقہ پیدا کر دیتا ہے ۔ وجہ یہ ہے کہ اسلام ایک کھلا واضح عقیدہ ہے جس میں کوئی پیچیدگی اور الجھن نہیں ۔ یہ سادہ عقیدہ کیا ہے ؟ یہ کہ اللہ ہی معبودِ واحد ہے ، اس کی مانند کوئی چیز نہیں اور وہ ہر چیز کا خالق ہے ۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انسانی حیثیت میں دوسرے انسانوں کی طرح ایک بشر ہیں جنہیں بذریعۂ وحی یہ حکم دیا گیا تھا کہ اس اکیلے معبود کی عبادت کی طرف لوگوں کی رہنمائی کریں جس کا کوئی شریک نہیں ۔ اللہ ایک میں تین اور تین میں ایک نہیں ہے ، نہ وہ باپ ہے نہ بیٹا ۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انسان اور خدا نہیں ہیں ، نہ وہ زمین میں پیغمبر اور آسمان میں رب ہیں ۔

اسلام میں کوئی پہیلی اور معمّہ نہیں جو عقل و فہم کی روشنی سے دور ہو ، جو انسانی گفتگو کو حیرت میں اور فرد کے ضمیر کو اضطراب میں ڈال دے ۔ یہاں کوئی ایسی صورت پیش نہیں آتی کہ اگر فرد ایمان لائے تو زبان پر تالا ڈال لے لیکن اگر گفتگو کی جرأت کرے تو کفر و الحاد میں جا پڑے ! یا پھر تیسری صورت اس کے سامنے فقط یہ باقی رہ جائے کہ گفتگو اور خاموشی کے درمیان ادھر لٹکا رہے ، ہمیشہ مضطرب ، بے قرار اور گومگو کی کیفیت کا شکار رہے ۔

اسلام میں انسان کا یہ تصوّر ناممکن نہیں کہ وہ کائنات کی عظیم ترین قوّت (خدا) سے مل سکتا ہے ۔ اسلامی عقیدے کی رُو سے رُوحِ انسانی میں ایسی طاقت موجود ہے جو اسے اُس قوّت سے واصل کر سکے ۔ اربابِ ریاضت اپنے فنا و بقا کے تجربات میں اس تعلق کو محسوس کرتے ہیں لیکن ان کی ارواح کے ساتھ یہ اتصال صرف چند عارضی لمحات

Marfat.com

کے لیے ہوتا ہے۔ رہیں اعلیٰ ترین ارواح، جیسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، عیسیٰ علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کی ارواح، سو اُن کا اس قوت کے ساتھ دائمی تعلق اور اس سے براہِ راست فیض یابی مشکل نہیں سمجھی جاسکتی۔

وحی کا اسلامی تصوّر بہت سادہ اور صاف ہے، اس میں ایسی کوئی گنجلک اور پیچیدگی نہیں جیسی کہ مسیحیت کے اوہام و عقائد میں پائی جاتی ہے۔ مسیحیت لاہوت و ناسوت کے ایک اقنوم (رکنِ تثلیث یعنی حضرت عیسیٰؑ) میں جمع ہونے کا پیچیدہ تصوّر پیش کرتی ہے، ایک میں تین کا عقیدہ پیش کرتی ہے، خدا کے زمین پر اپنے بیٹے کی شکل میں آنے اور انسانیت کو آدمؑ کے گناہ سے خلاصی دلوانے کی خاطر قسم قسم کے دُکھ اٹھانے کا عقیدہ رکھتی ہے۔ ان عقائد کے علاوہ اور بھی بہت سے اوہام ہیں جنہیں کلیسا اور عیسائی مجالس نے مسیحیت میں داخل کر رکھا ہے۔ وحی کے اسلامی عقیدہ پر کئی اعتراض کیے گئے ہیں، لیکن وحی کے عقیدے کو جب مسیحیت کے ان پیچیدہ عقائد کے مقابل رکھ کر دیکھیں تو ان کی پیچیدگی کے مقابلے میں اس کی سادگی واضح ہو جاتی ہے۔

مسیحیت میں یہ وہمی افسانے بعد میں داخل ہوئے تھے۔ اصل مسیحیت اس سے پاک تھی، کیونکہ وہ اپنے اصلی سرچشموں کے اعتبار سے اُسی دینِ واحد کی ایک صورت تھی جسے اللہ نے اپنے تمام رسولوں کی معرفت بھیجا تھا۔ وہ توحید کا دین ہے جو اللہ کے ساتھ کوئی شریک نہیں بناتا اور انسان کو ہر شریک کی بندگی سے آزاد کر دیتا ہے۔ مگر اہلِ روم جو عیسائیت میں داخل ہوئے اپنے چند در چند معبودوں کو بھی ساتھ لے آئے۔ وہ مسیحیت کی توحید کی تعلیم کے لیے اپنے باطن میں خلوص پیدا نہ کر سکے، پس یہیں سے یہ افسانہ طرازیاں اور اوہام و خرافات پیدا ہوئیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ آہستہ آہستہ یہی اوہام مسیحیت کی شکل اختیار کر گئے جیسا کہ آج کا کلیسائی مذہب ہے۔ یہ ایک سراسر رسمی مسیحیت ہے جو اپنے نہ ماننے والوں کو دُھتکارتی اور اُنہیں نجات سے محروم ٹھہراتی ہے۔

لیکن مسیحیت کے موجودہ شکل و صورت اختیار کر لینے سے صحیح اور سچے مسیحی ایک

Marfat.com

دائمی قلبی اضطراب اور فکری انتشار کا شکار ہو کر رہ گئے ہیں۔ اب اگر وہ زبان کھولیں تو مومنوں کے گروہ سے نکل کر بے دینوں کے گروہ میں داخل ہونا پڑتا ہے، اگر کلیسا کے مسلّمہ وہمی عقیدوں کو بجا کہہ رکھیں تو عقل کے تقاضوں سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔

ع گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل!

تیسری اور آخری صورت فقط یہی ہے کہ عقیدے کی پیاس کے درمیان اور حق گوئی کے تقاضوں کے درمیان —— کیونکہ زبان تو ان خود ساختہ افسانوں سے بدکتی ہے!۔ ایک دائمی روحانی قلق میں مبتلا رہیں۔

قریب تھا کہ اسلام بھی اسی حادثے سے دوچار ہو جاتا جس سے مسیحیت کو سابقہ پڑ چکا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اوہام و خرافات کے بارے میں انسانی عجائب پسندی اسلام کی واضح تعلیم اور سادہ عقائد، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اور آپ کے برگزیدہ اہلِ بیت، بالخصوص جناب حسین رضی اللہ عنہ کی شخصیت کے اردگرد اوہام و خرافات کے تانے بانے بُن سکتی اور افسانہ طرازیوں کے ہالے بنا سکتی تھی۔ بلکہ واقعتہً ایسا ہوا بھی کہ یہ تانے بانے بُنے گئے اور خرافات کے ہالے تیار کیے گئے لیکن اسلام کا مزاج ان سے ابا کرتا رہا۔ اب صورتِ حال یہ ہو گئی کہ یہ اوہام و خرافات عوام میں تو ایک حد تک قبولیت حاصل کرتے رہے مگر اسلام کے سادہ اور واضح حقائق نے انہیں مطلق قبول نہیں کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام کی بُنیادی تعلیم صحیح و سالم رہی اور اس کے اصول محفوظ رہے۔ دراصل اس کے مزاج میں اتنی صفائی اور سادگی تھی کہ یہ ہولناک افسانہ طرازیاں، یہ اوہام و خرافات اس کے حاشیے میں بکھر جاتے رہے اور بنیادوں میں داخل نہ ہو سکے۔

اس کے برعکس عیسائیت میں خود کلیسا نے ان اوہام کی قیادت اور سرپرستی کی، کیونکہ عوام کے دلوں پر وہ اس کا سکّہ مضبوط طور پر بٹھاتے تھے۔ عقیدے کی پیچیدگی اور اس کے گرد اُلجھنوں کا گھیرا کلیسا کا ایک جانا بوجھا مقصد تھا تاکہ لوگوں کی زندگی میں کلیسا کا بھی ایک حصّہ رہے۔ اس طرح وہ اپنا جواز پیدا کرنا چاہتا تھا، ورنہ اگر مسیحی عقیدہ اپنی اصل پر سادہ و صاف رہتا اور سب لوگ اسے سمجھ سکتے تو پھر مذہب کے ٹھیکہ دار کیا کرتے؟

Marfat.com

جب لوگ اپنا دین و مذہب خود سمجھ سکتے، اپنی مذہبی رسوم خود ادا کر سکتے اور اپنے خالق سے بلا واسطہ خود مل سکتے تو پیشہ ور اہلِ مذہب کی انہیں کیا ضرورت رہ جاتی؟ یہی سبب تھا کہ مذہب میں اس پیچیدگی اور خفاء کو لازم سمجھا گیا۔ یہ پریشان خواب، یہ اوہام اور افسانے اس لیے ضروری تھے کہ لوگ ہمیشہ کلیسا کے محتاج رہیں، عقیدے کی گتھیاں صرف اہلِ کلیسا ہی سلجھا یا کریں اور مذہبی اسرار و رموز کا کھولنا صرف انہی کے سپرد رہے۔ اس طرح کلیسا کا مکمل تسلّط و اقتدار قائم و دائم رکھنا مدِّ نظر تھا۔ یہی سبب ہے کہ لوگ مذہبی زندگی میں اور اپنے روحانی معاملات میں اس وقت تک ایک قدم بھی نہیں اُٹھا سکتے جب تک ان کی رہنمائی کوئی کاہن یا مقدس پادری نہ کرے۔

اسلام میں کسی کلیسا کا وجود نہیں، نہ اس میں پیشہ ور مذہبی لوگوں کی کوئی جماعت (PRIESt HOOD) پائی جاتی ہے کہ جس کے بغیر مذہبی شعائر ادا نہ ہو سکیں اور فرد صرف اسی کے واسطے سے اپنے خالق سے مل سکے۔ اسلام اپنے آپ کو نہ صرف افسانہ طرازی اور اوہام و خرافات سے انسانی ذہن کا نجات دہندہ قرار دیتا ہے بلکہ اسی طرح وہ معجزات و خوارق کے جبر اور گھٹن سے بھی نکال دیتا ہے۔ وہ انسانی ذہن تک اپنی رسائی کا وسیلہ صرف اپنی وضاحت، سادگی اور حقائق کو ٹھیراتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اتفاقاً آپؐ کے فرزند ابراہیمؑ کی وفات کے دن سورج گرہن رونما ہوا۔ لوگ اس حادثے پر چلّا اُٹھے اور کہنے لگے کہ یہ گرہن حضورؐ کے فرزند کی وفات کے باعث ہوا ہے۔ اس پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وہم اور افسانہ طرازی کی فوراً نفی کی تاکہ وہ عقیدے کی سادگی اور صفائی پر چھا نہ جائے۔ آپؐ نے صاف اعلان فرمایا کہ سورج اللہ کی آیاتِ قدرت میں سے ایک ہے جو کسی انسان کی موت سے گہن میں نہیں آتا۔ اس قاطع احتیاط اور روشن سچائی کے ساتھ آپؐ نے لوگوں کو گھرے اوہام و خرافات کے لیے ان کے دلوں میں چھپی ہوئی رغبت کے سامنے جُھک جانے سے صاف بچا لیا۔ آپؐ نے اس وہم پرستی کو اپنے جدید دین کی نشر و اشاعت کی خاطر بالکل استعمال نہیں کیا، بلکہ اسے برداشت تک نہیں کیا۔ وجہ یہ تھی کہ وہ اپنی

Marfat.com

فطرت میں اس جدید دین کے مزاج کے قطعی خلاف تھا۔

اسلام اس صفائی اور وضاحت کے ساتھ فرد کی زبان اور عقیدے کے درمیان صلح و امن قائم کر دیتا ہے۔ اب اس کے دل میں وہ مریضانہ قلق پیدا نہیں ہوتا جسے کلیسا کی محرّف عیسائیت مشتعل کر دیتی ہے۔ عیسائیت کے علاوہ بعض اور مذاہب بھی یہی اضطراب پیدا کرتے ہیں۔ ان میں حقیقت خرافات کے ساتھ گڈمڈ ہو جاتی ہے، حق و باطل باہم خلط ملط ہو جاتے ہیں۔ ایسے عقائد روشنی اور وضاحت سے عاری ہوتے ہیں اس لیے وہ صرف اگر بتّیوں کی خوشبو اور موسیقی کی گنگناہٹ ہی میں زندہ رہ سکتے ہیں، کیونکہ وہ روشنی سے بھاگتے بلکہ اس سے خوف کھاتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ انسانی جماعت اس وسیع و عریض کائنات میں اور اس ہولناک مادّی جہان میں شدید ضرورت محسوس کرتی تھی کہ اپنے معبود کو اپنے قریب پائے، اس کا معبود، اس کے دُکھ درد، اُمیدوں اور آرزوؤں کا احساس کرے۔ انسانیت کی اس گہری خواہش کا جواب دینے کے لیے کلیسائی مسیحیت کے بہت سے اوہام و خرافات آگے بڑھے، اُنہوں نے آدمؑ کے گناہ کا کفّارہ ادا کرنے کے لیے رنج و الم اُٹھانے کی خاطر خدا کو اُس کی بلندیوں سے نیچے اُتار لیا، یا انسانوں پر رحمت کی خاطر خدا کے اکلوتے فرزند کو یہ سارے دُکھ برداشت کرنے پر مجبور کیا۔ یہ اور اسی قسم کی اور کئی پہیلیاں عیسائیت پیش کرتی ہے جو ناطقے کو سربہ گریباں کرتی اور ضمیر کو قلق میں مبتلا کر دیتی ہیں۔ دوسری طرف اسلام بھی انسان کی اس فطری حاجت کا جواب دیتا ہے، مگر اس کا جواب خدا کی الوہیت و وحدانیت کی شان کے عین مطابق ہے۔ وہ یہ جواب دیتا ہے کہ خدا انسان سے بہت قریب ہے، اس کی دُعا سنتا ہے، اس کی نگرانی سے غافل نہیں، نہ اسے فراموش کرتا ہے:

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ۝ (البقرہ - ۱۸۶)

"اور جب تجھ سے میرے بندے میرے بارے میں سوال کریں تو انہیں

Marfat.com

یقین دلا دو کہ میں بہت قریب ہوں، جب پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اُس کی دعا سنتا اور اس کا جواب دیتا ہوں۔ سو ان لوگوں کو میرا حکم ماننا اور مجھ پر ایمان لانا چاہیئے تاکہ بھلائی کی راہ پالیں۔"

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ۔ (غافر۔ ۶)

"اور تمہارے مالک کا کہنا یہ ہے کہ تم مجھ سے دُعا کرو میں اُسے قبول کروں گا۔"

مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ (المجادلۃ۔ ۷)

"کہیں بھی تین افراد کی سرگوشی نہیں ہوتی جہاں چوتھا وہ نہ ہو اور نہ پانچ کی سرگوشی جن میں چھٹا وہ نہ ہو۔ اور وہ اس سے کم ہوں یا زیادہ، جہاں کہیں بھی ہوں وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔"

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ۝ (قٓ۔ ۱۶)

"اور ہم اُس کی طرف شاہ رگ سے بھی قریب تر ہیں۔"

یوں انسان اللہ کے ساتھ اپنا مضبوط تعلق حاصل کر لیتا ہے، اس کی رحمت و رعایت اور قبولیتِ دعا کو محسوس کرتا ہے اور اُسے محیّر العقول انسانوں کی ضرورت نہیں رہتی۔

ذوق و شوق اور ضرورتیں

اسی طرح اسلام فرد کی شدید فطری خواہشات اور اُس کی چند در چند روحانی تمنّاؤں میں صلح و امن کا معاہدہ قائم کرتا ہے۔ لیکن ایسا کرتے وقت وہ نہ تو فطری خواہشات کا پلڑا جھکاتا ہے نہ رُوحانی ذوق و شوق کا۔ کُلّی وحدت کے بارے میں اسلام کا نظریۂ فردِ انسانی اور اس میں رکھے گئے جذباتِ حیات کو عمیق نظرِ حکمت سے دیکھتا ہے۔ اس میں ضرورتیں اور رُوحانی شوق دونوں ایک تو ازن سے سموتے ہوتے ہیں۔ ان دونوں میں سے جو جس قدر

Marfat.com

اس توازن و تناسب کے خلاف ہوگا اور زندگی کی کامل نشوونما میں رکاوٹ بنے گا اس کی اتنی ہی طاقت ضائع ہو جائے گی۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام بالکل ابتدائی قدم سے ہی انسانی طبیعت میں پوشیدہ بنیادی ضروریاتِ حیات کو تسلیم کرتا ہے اور پورے اعتدال کی حالت میں انہیں افرادِ انسانی کی ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی خواہش سے متعارض قرار نہیں دیتا۔ وجہ یہ ہے کہ یہ آرزو بھی ایک بنیادی خواہش ہے جو انسانی طبیعت میں مخفی ہے۔

اسلام جب روحانی پاکیزگی اختیار کرنے کی دعوت دیتا اور شہوات کی پابندیوں سے آزادی کا حکم دیتا ہے تو اس کی مراد یہ نہیں ہوتی کہ حیوانی جذبات کا قلع قمع کر دیا جائے اور زندہ طاقتوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ نفس کی قیادت انسان کے اپنے ہاتھ میں ہو، تاکہ نہ تو وہ اپنی شہوات کا غلام بن جائے اور نہ ایک حیوان بن کر رہ جائے جس کی باگ ڈور محض جذبات کے ہاتھ میں ہو۔ حظِ نفسانی حاصل کرنے میں انسان اور حیوان کے راستے کو جدا کرنے والا صرف ارادہ ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ۔ (محمد - ۱۲)

"اور جو لوگ کافر ہیں وہ چارپایوں کی مانند نفسانی حظ اٹھاتے اور کھاتے ہیں۔"

جب انسان اپنے معاملے کا خود مالک ہو تو اس پر لازم ہے کہ اپنے جسم کا حق پہچانے، زندگی کی پاکیزہ چیزوں سے اسے فائدہ پہنچائے اور اللہ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام نہ ٹھیرائے۔ اللہ نے جو چیزیں حلال کی ہیں ان میں وہ سب لذتیں اور مرغوبات شامل ہیں جنہیں ایک تندرست متوازن جسم حاصل کرنا چاہتا ہے۔

زندگی کی مادی خواہشات اسلام کے عرف میں ساری کی ساری گندی اور قابلِ ترک نہیں ہیں۔ زیادہ مرغوبات حاصل کرنے کی خواہش کوئی ایسی گراوٹ نہیں کہ جس سے پاکباز لوگ بالاتر ہوں۔ سامانِ حیات کے پھیلاؤ کی رغبت زندگی کی پیدائش میں خدا کی

Marfat.com

مشیت کے ساتھ منفق ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو صرف زندگی کا پھیلاؤ ہی مطلوب نہیں بلکہ وہ اس کا ارتقاء بھی چاہتا ہے۔ یہ پھیلاؤ ترقی کا وسیلہ ہے اور نظریۂ ارتقاء کے خلاف نہیں۔ یہی سبب ہے کہ اسلام انسانی جسم کی حیوانی خواہشات کو اُس کی فطرت میں رچی ہوئی عمیق روحانی آرزوؤں کے مطابق کر دیتا ہے۔ وہ ان دونوں کو ملا کر ایک وحدت بناتا ہے جو افراط و تفریط سے پاک اور اندرونی طور پر کشمکش اور تصادم سے محفوظ ہوتی ہے۔

اسلام میں مادّی لذّتوں سے فائدہ اٹھانے کی دعوت افراد میں باہمی مسابقت کے ساتھ پہلو بہ پہلو چلتی ہے۔ ان دونوں کے درمیان سے اعتدال کی ایک صورت پیدا ہوتی ہے جو حد سے تجاوز اور محرومی دونوں سے پاک ہے۔ قرآن کہتا ہے:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِىَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (الاعراف - ۳۱ - ۳۳)

"اے اولادِ آدم! ہر عبادت کے وقت اپنی زینت اختیار کیا کرو اور کھاؤ پیو مگر حد سے نہ بڑھو۔ بلاشبہ اللہ حد سے گزرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے۔ کہہ دو کہ کون ہے جس نے اللہ کی اس زینت کو حرام کیا ہے جو اُس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہے اور کون ہے جس نے رزق کی پاکیزہ چیزیں حرام کی ہیں؟ کہو کہ دنیوی زندگی میں بھی یہ ایمانداروں کے لیے ہیں مگر قیامت کے دن تو صرف انہی کے لیے ہوں گی۔ جاننے والوں کے لیے ہم یوں آیات

Marfat.com

کھول کر بیان کرتے ہیں۔ کہو کہ میرے رب نے تو صرف بے حیائی کی باتوں کو حرام کیا ہے چاہے وہ ظاہر ہوں چاہے پوشیدہ، اور گناہ اور ناحق زیادتی کو حرام کیا ہے اور اس بات کو بھی کہ تم اللہ کے ساتھ انہیں شریک بناؤ جن کی اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی، اور اس بات کو بھی حرام کیا ہے کہ اللہ کے ذمّہ وہ باتیں لگاؤ جن کا تمہیں علم تک نہیں ہے۔

ان آیات میں فواحش کا لفظ آیا ہے جو فحش سے نکلا ہے۔ اس کا معنیٰ ہے حدِ اعتدال سے تجاوز کرنا۔ اسے ان آیات میں ناحق بغاوت اور خدا کا شریک بنانے کی مانند قرار دیا گیا ہے۔ یہ سب چیزیں فطرت کو بگاڑنے والی، عدالت کے منافی اور زندگی کے متناسب قانونِ فطرت کے خلاف ہیں۔

اسی طرح انسان کی متوازن طاقتیں زندگی کے بناؤ سنوار اور ترقی میں اپنے لیے عمل کا میدان پاتی ہیں۔ انسان اپنی بقاء اور زندگی کی حفاظت کی خاطر زندگی کے ناگزیر مادّی پہلو اور ان تمناؤں کے درمیان بٹا رہتا ہے جو اسے اوپر سے پکارتی اور دعوتِ شوق دیتی رہتی ہیں۔ زندگی کی حفاظت اور ارتقاء میں اسی طرح تناسب پورا ہوتا رہتا ہے۔ یہ تناسب فرد کے ضمیر میں اُس کے عقیدے کے ماتحت تکمیل پاتا ہے، جیسا کہ معاشرے کے دائرے میں اُس کے عملی رویّے سے پورا ہوتا ہے۔ فرد جب اپنے اور دوسروں کے حقوق ادا کرتا ہے تو اپنے ضمیر میں ایک داخلی سکون پاتا ہے جس طرح کہ دوسروں کے معاملے میں اسے خارجی اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

اسلام "نفسیاتی معاہدے" کا علاج اِس طرح کرتا ہے۔ فرائڈ اور اس کے پیروکاروں نے اپنے مذہب کی بنیاد اسی "نفسیاتی معاہدے" پر رکھی ہے۔ ان کا قول یہ ہے کہ یہ معاہدہ ایک ناگزیر چیز ہے جس سے مفر ناممکن ہے۔ ان کے نزدیک یہ معاشرے کی ایک لعنت ہے جسے وہ اپنی پابندیوں اور تعلیمات کے ذریعے سے فرد پر ٹھونس دیتا ہے اور فرد کا ضمیر ــــــ بالفاظِ دیگر اعلیٰ ذات! ــــــ معاشرے کی نیابت میں خواہشات پر کنٹرول کرتے ہوئے انہیں بالکل دبا دیتا ہے۔ لیکن غور سے دیکھا جائے تو اسلامی عقیدے

Marfat.com

کی فضاء میں یہ "معاہدہ" کافی کمزور یا بالکل ناپید نظر آتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اسلامی عقیدہ ابتداء سے ہی فرد کی خواہشات و ضروریات کو تسلیم کرتا ہے۔ اسے ان میں کوئی خرابی یا پستی نظر نہیں آتی۔ وہ فرد کے لیے انہیں بروئے کار لانے کی خاطر آسان راستے تیار کرتا ہے۔ فرد کا مُسلّم قانونی حق ہے کہ جائز حدود کے اندر رہ کر اخلاق و نظافت کے تقاضوں کے مطابق بے کھٹکے انہیں پورا کرے۔ اس سلسلے میں لازمی شرط یہی ہے کہ فرد کی شخصیت میں خرابی پیدا نہ ہو اور معاشرے کے دائرے میں حیوانیت کی پستی نہ آنے پائے۔

اسلام ان طبعی بے ضرر خواہشات کو بڑی گہری نظر سے دیکھتا ہے۔ وہ تسلیم کرتا ہے کہ بعض اوقات زینت و آرائش کے باب میں عورت کی خواہشات مرد سے مختلف ہوتی ہیں۔ اس لیے وہ بعض اسبابِ تجمّل کو عورت کے لیے حلال اور مرد کے لیے حرام ٹھیراتا ہے۔ اس سلسلے میں اُس نے زینت و جمال کے بارے میں عورت کی نسوانی فطرت کا لحاظ رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے سونے کے زیور اور ریشمی لباس عورت کے لیے مباح اور مرد کے لیے ممنوع ٹھیرائے ہیں۔ وہ مرد کی فطرت اور فرائض کے پیش نظر ان چیزوں کو اس کے لیے ضرر رساں عیش پرستی قرار دیتا ہے۔ اس میدان میں اسلام نے عورت پر جو کچھ حرام کیا ہے وہ فقط آوارگی اور آزادروی ہے، کیونکہ یہاں پر مسئلہ بے ضرر تمتّع کی حدود سے نکل کر حیوانی اشتعال انگیزی تک جا پہنچتا ہے۔ یہی فیصلہ کن مقام ہے۔

ان وجوہ سے اسلامی عقیدے کی فضاء میں "نفسیاتی معاہدے" تک پہنچانے والے اسباب صرف شاذونادر حالات تک محدود ہو جاتے ہیں اور وہ بھی پسندیدہ طریقے سے!

جہاں تک متوازن طبائع کا تعلق ہے، ان میں توازن و تناسب پوری طرح قائم رہتا ہے اور قلق و اضطراب کے عوامل نہایت مخفی ہوتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ مسلم فرد اپنی ذات میں امن و سلامتی سے شادکام رہتا ہے۔

گناہ اور توبہ

پھر اسلام اسی پر بس نہیں کرتا کہ فرد کی فطری ضروریات کا اعتراف کرے اور انہیں

Marfat.com

اس کی روحانی آرزوؤں کے مطابق کرے ، بلکہ اس سے آگے علی وجہ البصیرت ایک اور عملی قدم اٹھاتا ہے ۔ وہ یہ کہ فرد کی خطا اور گناہ کے جذبات کو بھی تسلیم کرتا ہے جہاں تک بھول چُوک کا تعلق ہے ان کے مواخذے کی تو بالکل معافی دے دی گئی ہے ۔ حدیث میں ہے :

رُفِعَ عَنْ اُمَّتِیْ اَلْخَطَاءُ وَالنِّسْیَانُ ۔

(تفسیر قرطبی باسناد صحیح ، الفوائد للاصیلی ، ابن المنذر فی کتاب الاقناع)

"میری امت کی بھول چُوک کو معاف کر دیا گیا ہے ۔"

رہی نافرمانی اور گناہ سو ان کے لیے توبہ کا دروازہ ہر وقت کُھلا ہے ، جو بھی چاہے بخشش مانگنے اور پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے اس کی طرف پیش قدمی کر سکتا ہے ، کوئی بھی اسے اللہ کی رحمت سے دُور نہیں کر سکتا ، اُس کے اور خدا کے درمیان کوئی دروازہ بند نہیں ہو سکتا ، نہ اُس کے اور پروردگار کے درمیان کوئی فاصلہ حائل ہو سکتا ہے ۔

جب کوئی شخص پھسل کر گناہ کر بیٹھے تو راستے بند نہیں ہو جاتے ، نہ وہ ضائع ، راندۂ درگاہ یا ملعون قرار پاجاتا ہے اور نہ گھٹا ٹوپ اندھیرے چھا جاتے ہیں ۔ اس کے برخلاف روشنی موجود ہوتی ہے ، راستہ کُھلا ہوتا ہے ، ایک رحیم و شفیق ہاتھ اسے تھامنے کے لیے حاضر ہوتا ہے ، یعنی توبہ کا فیاض ہاتھ ! یہ اسے شفاء اور عافیت بخشتا ہے اور راحت و آسائش کے گھرے سائے پھیلا دیتا ہے ۔ قرآن کا ارشاد ہے :

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا
مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ؕ
اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝ (الزمر - ۵۳)

"کہہ دو کہ اے میرے بندو ! جنھوں نے اپنے آپ پر زیادتی کی ہے
اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو ، یقیناً اللہ سب گناہ بخش دیتا ہے ۔
بلاشبہ وہی غفور و رحیم ہے ۔"

اسلام میں معبود کا تصوّر یہ نہیں کہ وہ گناہ گار کو ہمیشہ کے لیے دُھتکار دیتا ہے ، اس کی کسی لغزش سے درگزر نہیں کرتا نہ اُس کی توبہ قبول کرتا ہے ۔ توبہ کی فقط یہی صورت ہے

Marfat.com

کہ وہ خود کشی کر لے یا اپنے جسم کو عذاب دے، یا پھر صدیوں اور کئی نسلوں تک اس کی رُوح حقیر اور ذلیل جسموں میں منتقل ہو کر بھٹکتی پھرے۔ یہاں گناہ کے کفارّ سے کا تقاضا یہ بھی نہیں کہ اللہ تعالٰے ـــــــ جو ہر عیب سے پاک ہے ـــــــ انسان کے گناہوں کا کفارہ دینے کی خاطر صلیب پر چڑھنے اور قسم قسم کے دُکھ اُٹھانے کے لیے اپنی بلندیوں سے نیچے اُتر آئے۔ بھلا اس کی کیا ضرورت ہے؟ وہ تو خود ان انسانوں کا خالق ہے اور اپنے صلیب پر چڑھنے اور عذاب اٹھانے کے بغیر ہی انہیں آلائشوں سے پاک کر سکتا ہے۔ اسی طرح توبہ کسی کاہن یا قربان گاہ کی بھی محتاج نہیں، نہ گناہ فرد کے سر پر اس طرح لٹکا رہتا ہے کہ وہ اس سے کسی طور بھی خلاصی نہ پا سکے یا اس سے بھاگ کر نہ جا سکے۔

کسی گناہ گار انسان کے لیے بس اسی قدر کافی ہے کہ شرمندہ اور تائب ہو کر براہِ راست اپنے رب کی طرف متوجہ ہو، تکبّر اور غفلت سے کنارہ کش ہو جائے۔ تب اللہ تعالٰے اس کے لیے اپنا دروازہ کھول دے گا، اسے اپنے مقبول بندوں میں جگہ دے گا اور اپنی رحمت و عفو سے اسے نوازے گا۔ رحمت کا دروازہ ہر وقت کُھلا ہے۔ اللہ کی رحمت سے یاس و قنوط کا کوئی سوال نہیں۔ ہر آنے والا اجازت لے کر اس دروازے کو کھٹکھٹا سکتا ہے، بلکہ بلا اجازت ہی اس میں داخل ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالٰے کا ارشاد ہے:

لَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ۚ اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ○ (یوسف - ۸۷)

" اللہ کی مہربانی سے مایوس مت ہو، کافر قوم کے سوا اللہ کی مہربانی سے کوئی مایوس نہیں ہوتا۔"

اس معاملے میں اسلام اتنی دُور تک چلا جاتا ہے کہ سرسری نظر سے دیکھنے والے یوں گمان کرنے لگتے ہیں کہ وہ لوگوں کے سامنے گناہ کو خوبصورت بنا کر پیش کر رہا ہے تاکہ وہ گناہ سے توبہ کریں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

Marfat.com

كُلُّ بَنِي آدَمَ خَطَّاءٌ وَخَيْرُ الْخَطَّائِينَ التَّوَّابُونَ۔

(ترمذی)

"ہر آدمی خطا کار ہے اور اچھے گناہ گار وہ ہیں جو تائب ہو جائیں"

نیز ارشاد فرمایا:

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ لَمْ تُذْنِبُوا لَذَهَبَ اللّٰهُ بِكُمْ وَلَجَاءَ بِقَوْمٍ يُذْنِبُونَ وَيَسْتَغْفِرُونَ فَيَغْفِرُ لَهُمْ۔ (مسلم)

"اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تمہیں دنیا سے لے جائے گا اور ایسے لوگوں کو لائے گا جو گناہ بھی کریں، پھر بخشش مانگیں اور وہ انہیں بخش دے"

ان ارشادات میں حضورؐ نے گناہ کو خوبصورت بنا کر پیش نہیں کیا بلکہ توبہ کو آسان بنایا اور گناہ گاروں کے دلوں کو اُمید سے سکون و اطمینان بخشا ہے۔ یوں اسلام خطا کاروں کے لیے راستے کو روشن کرتا اور ان تھکی ہوئی خوفزدہ روحوں کے لیے راحت و امان کا سامان بہم پہنچاتا ہے۔ اس کے بعد یہ روحیں ہمیشہ مضطرب، پریشان اور بیقرار نہیں رہتیں۔

اسلام نے صرف یہی نہیں کیا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وہ فرد کے ضمیر پر بیداری کا فریضہ عائد کرتا ہے، اسے اس امر کا مکلف بناتا ہے کہ اپنے نفس کی نگہداشت کرے، وہ حرام شہوات کے فریب سے اُسے خبردار کرتا ہے، عورتوں اور مال و اولاد کے فتنے سے اسے چونکاتا ہے اور شر کو ایک وسوسہ ڈالنے والے اور گھات میں بیٹھنے والے شیطان کی صورت میں پیش کرتا ہے۔ قرآن کہتا ہے:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۗ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ

Marfat.com

عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ۔ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ
لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ
مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝ اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ
اِنَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝
اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ
وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ۔ (آل عمران۔ ۱۴-۱۷)

"لوگوں کے لیے مرغوب چیزوں کی محبت خوبصورت بنا دی گئی ہے مثلاً عورتوں، بیٹوں، سونے چاندی کے توبتو خزانوں، نشان زدہ گھوڑوں، چارپایوں اور کھیتیوں کی محبت، یہ دنیوی زندگی کا ساز و سامان ہے اور بہترین ٹھکانا تو اللہ ہی کے پاس ہے۔ کہو کیا میں تمہیں ان سے بہتر چیز کی خبر دوں؟ خدا سے ڈرنے والوں کے لیے ان کے رب کے پاس باغ ہیں جن کے نیچے سے نہریں چلتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اور پاکیزہ جوڑے اور اللہ کی رضامندی، اور اللہ بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو دعائیں کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم ایمان لائے سو تو ہمارے گناہ بخش دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔ یہ کون لوگ ہیں؟ یہ صبر کرنے والے، سچ بولنے والے، عبادت گزار، راہِ خدا میں خرچ کرنے والے اور پچھلے پہر بخشش طلب کرنے والے ہیں۔"

اور ایک جگہ اس کا ارشاد ہے:

وَيٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ
شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝
فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا
مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ

Marfat.com

إِلَّآ أَن تَكُونَا مَلَكَيْنِ أَوْ تَكُونَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ۝ وَقَاسَمَهُمَآ
إِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا
الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ
عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ أَلَمْ
أَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَأَقُلْ لَّكُمَآ إِنَّ الشَّيْطٰنَ
لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَّمْ
تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ قَالَ اهْبِطُوْا
بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ
إِلٰى حِيْنٍ ۝ (الاعراف - ۱۹-۲۴)

"اور اے آدم! تُو اور تیری بیوی اس باغ میں رہو، جہاں سے چاہو کھاؤ اور اس درخت کے قریب مت جاؤ ورنہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔ پس شیطان نے انہیں وسوسہ ڈالا تاکہ ان کی پوشیدہ شرم گاہوں کو ان کے سامنے کھول دے۔ اس نے کہا کہ تمہارے رب نے تمہیں اس درخت سے صرف اس لیے روکا ہے کہ مبادا تم فرشتے ہو جاؤ یا ہمیشہ یہیں رہنے لگو! اور اس نے انہیں قسمیں کھا کر کہا کہ بلاشبہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ پس اس نے فریب سے انہیں پھسلایا۔ سو جب انہوں نے اس درخت کا پھل چکھا تو ان کی شرم گاہیں ان پر کھل گئیں اور وہ باغ کے پتے اپنے اوپر چپکانے لگے، اور ان کے رب نے پکار کر کہا: کیا میں نے تمہیں اس درخت سے نہ روکا تھا اور یہ نہ کہا تھا کہ یہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اے ہمارے رب ہم نے اپنے اوپر زیادتی کی اور اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوں گے۔ اس نے کہا کہ تم سب یہاں سے نکلو، تم میں سے بعض دوسروں کے دشمن ہوں گے اور تمہارے لیے زمین میں ٹھکانا اور ایک وقت تک سامانِ حیات ہوگا۔"

Marfat.com

لیکن اسلام انسان اور شیطان کے درمیان اس معرکے کی یہ تصویر اس لیے نہیں کھینچتا کہ لوگوں کو ایک ایسے داخلی روحانی اضطراب میں مبتلا کر دے جو ان کی شخصیتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے اور ان کی قوتوں کو بیکار دے۔ بلکہ وہ یہ تصویر اس لیے پیش کرتا ہے کہ گناہ اور شر کے تقاضوں کے خلاف انہیں بیدار کرے اور آدمؑ و حوّاؑ کے بیٹوں کو تنبیہ کرے کہ وہ شیطانی اغواء اور وسوسہ کے سامنے سپر انداز نہ ہو جائیں۔ وہ کہتا ہے کہ:

يَـٰبَنِىٓ ءَادَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ ٱلشَّيْطَـٰنُ كَمَآ أَخْرَجَ أَبَوَيْكُم مِّنَ ٱلْجَنَّةِ يَنزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْءَٰتِهِمَآ ۗ إِنَّهُۥ يَرَىٰكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُۥ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۗ إِنَّا جَعَلْنَا ٱلشَّيَـٰطِينَ أَوْلِيَآءَ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ (الاعراف - ۲۷)

"اے اولادِ آدم! شیطان کہیں تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دے جیسا کہ اس نے تمہارے ماں باپ کو جنّت سے نکلوا دیا تھا، وہ انہیں ان کے لباس سے عاری کر رہا تھا تاکہ ان کی شرمگاہیں انہیں دکھائے۔ بے شک وہ اور اُس کے لگے بندھے تمہیں ایسے مقام سے دیکھتے ہیں جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔ بلاشبہ ہم نے شیطانوں کو ان لوگوں کا رازدان بنا دیا ہے جو ایمان نہیں رکھتے"

اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ آدمؑ کا گناہ اس کی اولاد کے سروں پر ہمیشہ کے لیے تیز تلوار کی طرح تنا ہوا نہیں ہے، اور یہ گناہ کوئی ایسا عجیب و غریب کفارہ نہیں چاہتا جس کی خاطر خود خدا ابنِ آدم کی شکل میں اُترے۔ حقیقت یہ ہے کہ معاملہ اس سے آسان تر ہے، اتنا سنگین نہیں:

فَتَلَقَّىٰٓ ءَادَمُ مِن رَّبِّهِۦ كَلِمَـٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلتَّوَّابُ ٱلرَّحِيمُ ۝ (البقرہ : ۳۷)

"سو آدمؑ نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ لیے اور اللہ نے اس کی توبہ قبول کر لی۔ بلاشبہ وہی بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے"

توبہ کی ان تمام سہولتوں سے صرف وہی لوگ محروم رہتے ہیں جو گناہ پر اصرار کریں۔ یہ تمام کھلے

Marfat.com

دروازے صرف اُسی انسان پر بند ہوتے ہیں جو گناہ میں منہمک ہو جائے۔

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۔ (البقرہ: ۸۱)

"کیوں نہیں؟ جو شخص بدی کمائے اور اس کا گناہ اس پر چھا جائے، تو یہی وہ لوگ ہیں جو جہنمی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔"

اس کا باعث یہ ہے کہ مسلسل گناہ دل کو ڈھانپ لیتا اور ضمیر کی روشنی کو بجھا دیتا ہے، اسی لیے وہ توبہ کے دروازے بند کر دیتا اور عذاب کو ثابت کر دیتا ہے۔

توبہ کی ان تمام مہیا شدہ فرصتوں سے صرف وہی انسان روگردانی کرتا ہے جو رحمت کا مستحق نہ ہو اور اُسے حاصل نہ کرنا چاہے۔ لیکن جو لوگ توبہ کرنے والے خطاکاروں میں شمار ہوتے ہیں، اسلام ان کی روحوں کو سلامتی اور اطمینان کی دولت سے مالا مال کرتا ہے۔ اس کا مطالبہ ان سے فقط اس قدر ہے کہ وہ بیداری اور ہمت کا ثبوت دیں۔ یہ بیداری اور ہمت شخصیت کو شکست و ریخت سے بچاتی اور قلق سے محفوظ رکھتی ہیں۔ اسلام نے اپنے تاریخی واقعات میں ایسے مردانِ کار پیش کیے ہیں جن کی قلبی بیداری انتہا کو پہنچی ہوئی تھی لیکن اس کے ساتھ ساتھ رُوحانی اطمینان بھی بلندی کی آخری حد تک موجود تھا۔ یہ زندگی کے عظیم ترین عملی معمار تھے۔ ان سب کے سربراہ اور سردار ابوبکرؓ و عمرؓ تھے جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد اسلام کے معمار اور سرپرست ٹھہرے۔ یہ دونوں حضرات ضمیر کی انتہائی بیداری، شعور و ادراک کے بختہ اطمینان، شخصیت کے کمال اور زندگی میں وحدتِ مقصد کا مکمل ترین نمونہ تھے!

تکلیف اور طاقت

اسلام اپنے قوانین و شعائر میں عام طور پر اِس چیز کو پیشِ نظر رکھتا ہے کہ فرد کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مُکلّف نہ بنائے، کیونکہ طاقت سے بڑھ کر تکلیف، مثبت ہو یا منفی، اس کے صرف تین نتائج نکل سکتے ہیں:

Marfat.com

۱۔ جبر و تشدد، محرومی و ذلت، جبر و اکراہ کے نیچے انسانیت کی شکست و ریخت، زندگی کو فطری نشو و نما اور معتدل ترقی سے روک دینا۔

۲۔ جبر و اکراہ کے ردِ عمل کے طور پر پیدا ہونے والی نفرت و سرکشی اور اوامر و نواہی کے خلاف بغاوت اور وہ سرکشانہ ڈھٹائی جو فرد کو بے راہ روی اور بے قیدی کی آخری حد تک پہنچا دے۔

۳۔ دائمی روحانی اضطراب اور جن چیزوں میں کوئی گناہ یا کوتاہی نہ ہو ان کے متعلق بھی فرد کے دل میں گناہ اور کوتاہی کا شعور۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک ناقابلِ برداشت دائمی عذاب ہے۔

یہی سبب ہے کہ اسلام اپنے تمام احکام و نواہی کو انسانی طاقت کی حدود میں رکھتا ہے اور کسی چیز کو واجب یا حرام ٹھیراتے وقت انسانی طبیعت کو اس کے تمام امکانات سمیت مدِ نظر رکھتا ہے۔ اس کے بعد وہ یہ گنجائش بھی رکھتا ہے کہ اگر انسان چاہے تو اپنی استطاعت کے مطابق فرائض و واجبات کے علاوہ نفل بھی اختیار کرے۔ یہ تب ہے کہ انسان کو کوئی تنگی، حرج اور مشقت نہ ہو۔ اس طرح وہ انسانی طبیعت کو شکست و ریخت، سرکشی اور قلق و اضطراب سے محفوظ کر دیتا ہے۔

قرآن کریم نے اِس بارے میں کہا ہے:

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا۔ (البقرہ: ۲۸۶)

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔"

مَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ۔ (الحج - ۷۸)

"اُس نے دین میں تم پر کوئی گھٹن نہیں ڈالی۔"

اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ عالی ہے:

اِنَّ ھٰذَا الدِّیْنَ یُسْرٌ لَا عُسْرٌ وَلَنْ یُّشَادَّ الدِّیْنَ اَحَدٌ اِلَّا غَلَبَہٗ۔ (بخاری و نسائی)

"بلاشبہ دین آسان ہے مشکل نہیں، اور جو شخص اس سے دھینگا مشتی کریگا

Marfat.com

دین اس پر غالب آجائے گا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دین کی تفسیر میں اور اس کے احکام کی بجاآوری میں مشکل پسندی اور تشدد کو یہ فرما کر روک دیا ہے کہ :

لا تشددوا علی انفسکم فیشدد علیکم (ابوداؤد)

"اپنے آپ پر سختی نہ کرو ورنہ دین کو تمہارے لیے سخت بنا دیا جائے گا۔"

ایک موقع پر آپؐ نے فرمایا ہے کہ :

ان ھذا الدین متین فاوغل فیہ برفقٍ (بخاری)

"بلاشبہ یہ دین بڑا مضبوط و متوازن ہے پس اس میں آہستگی کے ساتھ چلو۔"

آپؐ مشکل پسند اور اپنی جان کو تکلیف دینے والے کو اس مسافر سے تشبیہ دیتے ہیں جو اپنی سواری کو ہلاک کر دے اور منزل پر نہ پہنچے :

ان المنبت لا ارضاً قطع ولا ظہراً ابقی (بخاری)

"اپنے اوپر سختی کرنیوالا نہ تو راستہ طے کرتا ہے اور نہ سواری کو زندہ چھوڑتا ہے۔"

گزشتہ مباحث میں ہم قصد و اعتدال اور طاقت کی نگہداشت کی مثالیں ، بالخصوص فطری ضروریات اور روحانی جذبات میں اور خطا کاری اور گناہ کے اسباب کے اعتراف کے بیان میں ، دے چکے ہیں ۔ اب اس موضوع پر ایک اور جانب سے نظر ڈالنا مناسب معلوم ہوتا ہے ۔

نفسِ انسانی میں غیظ و غضب کے اثرات و امکانات ایسے حقائق ہیں جنہیں بالکلیہ محو و ناپید نہیں کیا جا سکتا ۔ ان کے کئی اسباب ہوتے ہیں : بعض تو خود انسانی شعور و ادراک سے پھوٹتے ہیں ، بعض کا منشاء مصلحتوں کا تصادم ہوتا ہے اور بعض مسلک و رویے کے اختلاف سے پیدا ہوتے ہیں ۔ اسلام فیاضی ، نرم مزاجی اور خندہ روئی کا حکم دیتا ہے لیکن اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کرتا کہ غیظ و غضب کے جذبات بھی فطری جذبات ہیں ۔ اسی لیے وہ لوگوں کو یہ حکم نہیں دیتا کہ ان جذبات کو اپنے نفوس سے بالکل مٹا دیں ۔ وہ ان جذبات کو گناہ اور نافرمانی بھی شمار نہیں کرتا ۔ اس کا حکم فقط یہ ہے کہ انہیں دبایا اور کنٹرول میں رکھا جائے ۔ لیکن یہ دبانا اس طور پر نہ ہو کہ یہ دلوں میں نفرت اور کینہ بن جائیں ، بلکہ اس طرح ہو کہ اعلیٰ اخلاق اور

Marfat.com

عظمت کا زینہ ثابت ہوں۔ اس ضمن میں اسلام نفسِ انسانی کو ترغیب و تحریص کی راہ پر ڈالتا ہے اور حکم دینے اور مکلف بنانے سے گریز کرتا ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے:

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝

(الشوریٰ - ۴۳)

"اور جس نے صبر کیا اور بخش دیا تو یقیناً یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔"

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ (آلِ عمران - ۱۳۴)

"اور مومن وہ ہیں جو غصّے کو پی جاتے اور لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں۔"

یُوں وہ صبر کو بخشش کے ساتھ ملا دیتا ہے اور غصّہ کو پی جانے کے بعد معافی کا ذکر کرتا ہے، کیونکہ صبر اور غصّہ کو پی جانا اگر بخشش اور معافی کی طرف نہ موڑا جائے تو بارہا ان کا نتیجہ کینہ اور نفرت ہوتا ہے۔ اسلام کینے کو ناپسند کرتا اور حسد سے نفرت دلاتا ہے، اس لیے وہ نفس کو غیظ و غضب سے دھوڈالنے کی خاطر معافی اور فیاضی کا حکم دیتا ہے، مبادا یہ دونوں جذبے کینے اور نفرت میں تبدیل ہو جائیں۔ اس نے مومنوں کی محبوب دُعا یہ بتائی ہے:

وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا - (الحشر - ۱۰)

"اور اے پروردگار! ہمارے دلوں میں ایمانداروں کی طرف سے کوئی میل نہ ہو۔"

وہ اہلِ جنّت کے عظیم اور اعلیٰ اوصاف بتاتے ہوئے فرماتا ہے کہ:

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ مِّنْ غِلٍّ (الاعراف - ۴۳)

"اور ہم نے ان کے دلوں سے ہر قسم کا میل کچیل نکال پھینکا ہے۔"

رحمٰن کے بندوں کے ذکر میں وہ فرماتا ہے:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا - (الفرقان - ۶۳)

"اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر نرمی سے چلتے ہیں اور جب اُن سے جاہل مخاطب ہوں تو انہیں سلام کہتے ہیں۔"

Marfat.com

یعنی اللہ کے برگزیدہ بندے نادان لوگوں کے خشک اور غیر مہذبانہ خطاب کا جواب خوبصورتی اور فیاضی سے دیتے ہیں۔

اسلام اس بات کو ناپسند کرتا ہے کہ فرد اور فرد کے درمیان جھگڑا پیدا ہو اور اس کا نتیجہ قطع تعلّق کی صورت میں رونما ہو۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ غضب کے شعور کو محو کرنا ممکن نہیں۔ وہ محض غضب کے ظہور کو گناہ نہیں سمجھتا اور مسیحیت کی مانند یہ نہیں کہتا کہ: "جو اپنے بھائی پر ناحق ناراض ہو تو وہ سزا کا حقدار ہے" بلکہ جب وہ صلح وصفائی کی طرف دعوت دیتا ہے تو اتنے وقت کی مہلت دے دیتا ہے جس میں غضب کا جوش ٹھنڈا ہو جائے، غصّے کی لہر ماند پڑ جائے اور دل میں آہستگی اور سکون لوٹ آئے۔ وہ جھگڑے کے فریقین کو تین دن کی مہلت دیتا ہے تاکہ ان کا غصّہ فرو ہو جائے اور نفس میں سکون پیدا ہو جائے۔ اس کے بعد ہی وہ انہیں صلح وصفائی اور سلام وکلام کا حکم دیتا ہے:

لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ يَّهْجُرَ اَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ يَلْتَقِيَانِ فَيُعْرِضُ هٰذَا وَيُعْرِضُ هٰذَا، وَخَيْرُهُمَا الَّذِي يَبْدَأُ بِالسَّلَامِ۔

(بخاری)

"کسی مسلمان کے لیے حلال نہیں کہ تین دن سے زیادہ اپنے بھائی سے تعلق قطع کرے۔ حالت یہ ہو جائے کہ جب وہ دونوں ملیں تو یہ ادھر منہ پھیر لے اور دوسرا اُدھر، اور ان دونوں میں سے بہتر وہ ہے جو سلام میں پہل کرے۔"

اسلام بے صبری اور جزع فزع کو ناپسند کرتا ہے جس کی وجہ سے نفس پستیوں میں گر جاتا ہے، اس کا ایمان کمزور ہو جاتا اور مکروہات کو برداشت کرنے کی طاقت ضعیف ہو جاتی ہے۔ وجہ یہ کہ صبر وثبات قوّت اور ایمان کا پیمانہ ہے۔ اسی لیے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ وَشَقَّ الْجُيُوْبَ وَدَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ۔ (بخاری۔ مسلم۔ ترمذی۔ نسائی)

"جو دو ہتّڑ مارے، گریبان چاک کرے اور جاہلیت کی پکار بلند کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔"

Marfat.com

لیکن اس کے ساتھ ہی وہ غم اور آنسو بہانے کو جرم شمار نہیں کرتا اور انسانی نفس کو کامل وجامد سکون پر مجبور نہیں کرتا کیونکہ یہ چیز طاقت سے باہر ہے، بلکہ بارہا اس سے قساوت وسنگدلی پیدا ہوتی ہے۔ دیکھو خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں آپؐ کے فرزند ابراہیمؑ کے لیے آنسو بہاتی ہیں۔ انہیں چادر میں لپٹا ہوا دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پکار اٹھتے ہیں کہ:

یا ابراھیم! انّ العین تدمع والقلب یحزن ولا نقول
إلّا ما یُرضی ربّنا وانّا بفراقك یا ابراھیم لمحزونون۔

(بخاری۔ مسلم۔ ترمذی۔ نسائی)

"اے ابراہیمؑ! آنکھیں روتی ہیں، دل غمگین ہے، لیکن زبان سے ہم وہی کہیں گے جس سے ہمارا پروردگار راضی ہو۔ اے ابراہیمؑ! ہم تمہاری جدائی پر بہت غمگین ہیں۔"

جس صبر کا اسلام مطالبہ کرتا ہے وہ نقطہ یہ ہے کہ غم والم کو برداشت کیا جائے، وقار قائم رکھا جائے، مصائب میں اللہ کو یاد کیا جائے اور معاملہ اس کے سپرد کر دیا جائے۔ قرآن کا ارشاد ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ
مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝
الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ
رٰجِعُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۟
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝ (البقرہ۔ ۱۵۵-۱۵۷)

"ہم تمہیں کچھ خوف، بھوک، مال وجان کی کمی اور پھلوں کے نقصان سے بالضرور آزمائیں گے۔ اور صبر کرنے والوں کو بشارت دو، وہ لوگ کہ جب انہیں کوئی مصیبت پہنچے تو وہ کہتے ہیں: ہم تو اللہ ہی کے ہیں اور یقیناً اُسی کی طرف واپس جانے والے ہیں! وہی لوگ ہیں کہ ان کے رب کی ان پر برکتیں اور

Marfat.com

رحمتیں ہیں اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔"

اس کی اور بھی بہت سی مثالیں دی جا سکتی ہیں جن سے واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام کسی کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا، تاکہ نفسِ انسانی تکالیف سے گھبرا نہ جائے، ان کے بوجھ سے کراہنے نہ لگے اور تکلیف اور طاقت کے درمیان حیران و مضطرب نہ ہو جائے، بلکہ انہیں لبیک کہنے کی سعادت حاصل کرے۔ اطاعت سے مطمئن ہو اور احکام کی بجا آوری میں سکون و راحت محسوس کرے۔

اللہ کے حضور میں اطمینان

اسلام نفسِ انسانی کو اللہ کی طرف جھکنے، اس کی ہمسائگی میں اطمینان پانے، اس کی رحمت و نگہداشت اور حمایت پر بھروسہ کرنے کی صفات سے مزین کر کے سکون اور امن و سلامتی سے مالا مال کر دیتا ہے۔ یہ دینی عقیدے کی خاصیت ہے جس میں اسلام کے ساتھ باقی تمام آسمانی مذاہب بھی شریک ہیں۔ اس باب میں اسلام کو جو امتیاز حاصل ہے وہ یہ ہے کہ اس میں پروردگار اور بندے کے درمیان معاملہ بلاواسطہ ہے۔ کوئی کاہن یا پادری اس میں دخل انداز نہیں ہو سکتا اور کسی آسمانی یا زمینی مخلوق کے ارادے کو اس میں دسترس حاصل نہیں ہوتی۔

اس براہِ راست تعلق کے سائے میں فرد یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ ایسی قوت کی طرف مائل ہے جس کے اوپر یا جس کے مساوی اور کوئی قوت نہیں، یہ قوت ہر وقت سامنے موجود ہے، اس کی طرف مائل ہونا اور اس سے مدد حاصل کرنا فرد کے بس میں ہے۔ ضرورت صرف خلوص کی ہے، جب یہ حاصل ہو تو انسان اپنے شعور میں اس قوت کے ساتھ کسی اور کو شریک نہیں کرتا، نہ اپنے ضمیر میں کسی غیر کو کوئی مقام دینے کو تیار ہوتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ (غافر۔ ۶۰)

"اور تمہارے رب نے فرمایا کہ مجھے پکارو، میں تمہاری سنوں گا۔"

Marfat.com

ایک جگہ فرمایا ہے:

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ○ (البقرہ – ۱۸۶)

"اور جب تم سے میرے بندے میرے متعلق پوچھیں تو کہو کہ یقیناً میں بہت قریب ہوں۔ جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارے تو میں جواب دیتا ہوں۔ سو انہیں میرا حکم ماننا چاہیئے اور مجھ پر ایمان لانا چاہیئے تاکہ بھلائی پائیں۔"

اس قوّت کے سائے میں زمین کی ساری قوتیں نحیف ہو جاتی ہیں، جھوٹی عظمت اور کھوٹے اقتدار کے پردے گر جاتے ہیں، بڑے بڑے شاہ زور، دولت مند، جاہ و جلال اور اقتدار و تسلّط کے مالک سب کمزور، دُبلے پتلے اور بونے نظر آتے ہیں جو کسی انسان کے نفع و نقصان کے مالک نہیں:

قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا ۔ (التوبہ – ۵۱)

"کہو کہ ہمیں تو صرف وہی پہنچے گا جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دیا، وہی ہمارا مالک ہے۔"

کیونکہ زمین کی ساری قوتیں تو ایک مکھی پر بھی قادر نہیں ہیں:

وَإِنْ يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَنْقِذُوهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ ۔ (الحج – ۷۳)

"اور اگر مکھی ان سے کچھ چھین لے تو وہ اسے واپس نہیں لے سکتے۔ یہ طالب و مطلوب کس قدر کمزور ہیں۔"

اس قوّت کے سائے میں فرد اپنے رزق اور عزّت و آبرو کو محفوظ پاتا ہے جس طرح کہ وہ اپنی زندگی اور سلامتی کے بارے میں بھی مامون ہو جاتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کوئی قوّت اور کوئی فرد بھی اُسے رزق، جان و مال اور ناموس، غرض دنیا و آخرت کے کسی معاملے میں بھی ضرر نہیں پہنچا سکتی۔ وہ اپنے آپ کو بڑا قوی اور مضبوط پاتا ہے، اپنے اندر ہر سامنے آنے والی قوّت کے مقابلے

Marfat.com

کی پوری ہمت محسوس کرتا ہے، کیونکہ اس کی طاقت کا سرچشمہ وہ سب سے بڑی قوت ہے جس کا منبع کبھی خشک نہیں ہو سکتا، ساری کائنات کا انقلاب اور زبردستوں اور بادشاہوں کا الٹ پھیر اُسی کے ہاتھ میں ہے:

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ؕ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۔ (آل عمران-۲۶)

"تو کہہ کہ اللہ! سلطنت کے مالک! تو جسے چاہے حکومت دے اور جس سے چاہے چھین لے، جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے، بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔"

اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَ اِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ (آل عمران--۱۶۰)

"اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو پھر اور کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کرے؟"

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ۔ (فاطر-۱۰)

"جو کوئی عزت چاہتا ہے تو عزت تو ساری اللہ ہی کے پاس ہے۔"

وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ط (المنافقون-۸)

"اور اللہ ہی کے لیے ہے عزت اور اُس کے رسول کے لیے اور ایمانداروں کے لیے۔"

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۖ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۔ (فاطر-۳)

"اے لوگو! اپنے اوپر اللہ کی نعمت یاد کرو، کیا اللہ کے سوا کوئی اور بھی خالق ہے جو آسمان و زمین سے تمہیں روزی مہیا کرتا ہے؟ اس کے سوا کوئی

Marfat.com

معبود نہیں پھر تم کہاں پھرے جا رہے ہو۔"

اگر زمین کی ساری قوتیں اسے نقصان پہنچانے کے لیے اتفاق کرلیں تو اللہ کی مشیت کے بغیر وہ اس پر قادر نہیں۔ پھر جب اللہ اسے نقصان دینا چاہے گا تو اس میں اس کی کوئی بلند تر حکمت ہو گی اور محدود فرد کی بھلائی سے کوئی اعلیٰ تر بھلائی ہو گی، بلکہ خدا کے ہاں اس میں خود اس فرد کی بھی بھلائی ہو گی جسے وہ اس وقت نہیں جانتا مگر خالقِ اعظم جو ساری کائنات کو محیط ہے وہ اسے جانتا ہے۔

وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ (البقرہ - ۲۱۶)

"اور ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو اور ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے لیے اچھی نہ ہو، اور اللہ جانتا ہے مگر تم نہیں جانتے۔"

فرد کے ذمہ صرف یہ ہے کہ اپنے آپ کو اللہ کے حضور جھکا دے، اور اُس کی رضا کو اپنا مقصود بنا لے، اللہ کے کلمہ کو سر بلند کرنے کے لیے جہاد کرے، زمین میں اللہ کے ارادے کو عملاً ثابت کرے، کبھی نہ غیر کے سامنے سر جھکائے اور نہ شکست پڑے، اس راہ میں جو کچھ جاتا رہے اس پر مایوسی اور افسردگی سے باز رہے۔ اس جد و جہد میں جو کچھ اس نے پیش کر دیا ہے وہ اس کے رب کے پاس محفوظ ہے اور کبھی ضائع نہ ہو گا۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ۔ (آلِ عمران - ۱۶۹)

"اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے انہیں ہرگز مردہ مت سمجھو، بلکہ وہ زندہ ہیں، انہیں اپنے رب کے ہاں رزق بھی ملتا ہے۔"

وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ۔ (محمد - ۳۵)

"اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور تمہارے اعمال کو کبھی ضائع نہ کرے گا۔"

Marfat.com

اور ان تمام باتوں کے بعد اللہ اپنے بندے پر شفیق ہے اور اُس کی تکریم کرتا ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ آدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا۔ (الاسراء—۷۰)

"اور یقیناً ہم نے اولادِ آدم کو عزت دی اور انہیں خشکی اور تری پر حاکم بنایا اور پاکیزہ چیزوں سے انہیں رزق دیا اور اپنی پیدا کی ہوئی بہت سی مخلوق پر بہت فضیلت بخشی۔"

اور اس پر رحیم و مشفق ہے، اگر بندہ گناہ کرے تو اس کی توبہ قبول کرتا اور اسے معاف کر دیتا ہے، اگر گناہ پر اس کا محاسبہ کرے تو برائی کا بدلہ ایک ہی برائی کی صورت میں دے گا، اگر وہ گمراہ ہو تو اسے ہدایت دیتا اور رہنمائی کرتا ہے، اگر نیکی کرے تو کئی گنا جزا دیتا ہے۔ اس کی شدید ترین سزا صرف انہی لوگوں کے لیے ہو گی جو گمراہی میں غلطاں و پیچاں ہوں گے:

غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ۔

(غافر—۳)

"وہ گناہ کو بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے، سخت سزا دینے والا اور پوری قدرت والا ہے۔"

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۔ (الانعام — ۱۶۰)

"جو شخص نیکی لاتے گا تو اس کے لیے دس نیکیوں کے برابر جزا ہو گی اور جو برائی لائیگا وہ صرف اُسی کی مانند سزا پائے گا اور اُن پر ظلم نہ کیا جائے گا۔"

ان سب احکام و ارشادات پر دل مطمئن ہوتا اور سکون و اعتماد پاتا ہے۔ اب حوادث اسے ڈگمگا نہیں سکتے، ڈراؤنے واقعات اُسے لغزش میں مبتلا نہیں کر سکتے، وہ کسی سے نہ ڈرتا ہے نہ کانپتا:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۝ (الرعد: ۲۸)

Marfat.com

"جو لوگ ایمان لاتے اور اللہ کے ذکر سے ان کے دل مطمئن ہوتے ہیں۔ آگاہ رہو کہ دلوں کا اطمینان اللہ کی یاد سے ہی ہو سکتا ہے۔"

ضمانتیں اور ذمہ داریاں

اسلام زندگی اور اس کے تقاضوں اور داعیوں، ضرورتوں اور تمناؤں اور مادی و روحانی متعلقات کے بارے میں اپنے کُلّی نظریئے کے موافق فرد کو اس کے روحانی و باطنی عقیدے کے ہی سپرد نہیں کر دیتا، بلکہ واقعاتی دنیا میں اُس کے اسباب مہیا کر کے اس کی مدد کرتا ہے۔ اسلام کی نگاہ میں یہ واقعاتی دنیا دراصل روحانی دنیا کا عملی ترجمہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ وہ فرد کے لیے خدا کے ساتھ اطمینان کی بہت سی ضمانتیں مہیا کرنے پر ہی بس نہیں کرتا بلکہ اس کی عملی زندگی کے لیے بھی ایسے قوانین بناتا ہے جو امن و سکون کی ذمہ داریاں پوری کریں۔ اس طرح فرد اپنے اردگرد صرف امن و انصاف اور ضروریات کی کفایت ہی دیکھ سکتا ہے۔ چنانچہ وہ فرد کو ہر نوع کی تعدّی سے امن دیتا ہے، یہ تعدّی اس جیسے کسی اور فرد کی طرف سے ہو یا کسی حاکم کی جانب سے۔ فرد یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ ایک ایسے ماحول میں رہتا ہے جہاں اُسے ہر طرف سے محبّت ہی ملتی ہے اور عداوت کسی طرف سے نہیں۔ اس ماحول میں اسے جان و مال اور عزّت و ناموس کی سلامتی حاصل ہے۔ حضورؐ کا ارشادِ گرامی ہے:۔

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ

(بخاری۔ مسلم۔ ترمذی۔ نسائی)

"تم میں سے کوئی مومن نہیں جب تک کہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی کچھ پسند نہ کرے جو اپنے لیے کرتا ہے۔"

کل المسلم علی المسلم حرامٌ، دمہ وعرضہ ومالہٗ

(بخاری۔ مسلم۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ ابن ماجہ)

"ایک مسلمان کی ہر چیز یعنی خون، مال اور عزّت دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔"

Marfat.com

وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ ۔ قِیْلَ مَنْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟ قَالَ الَّذِیْ لَا یَأْمَنُ جَارُہٗ بَوَائِقَہٗ ۔ (بخاری۔ مسلم)

"واللہ وہ مومن نہیں، واللہ وہ مومن نہیں، واللہ وہ مومن نہیں۔ کہا گیا کہ یا رسول اللہؐ کون مومن نہیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ جس کا ہمسایہ اُس کی شرارتوں سے محفوظ نہ ہو"

قانونی حدود سے باہر حاکم کو فرد پر کوئی اختیار حاصل نہیں۔ قانون سے مراد الٰہی قانون ہے جس کے سامنے جھکنا ایک عام فرد اور حاکم دونوں پر ضروری ہے۔ یہ قانون حاکم کی خواہشات کا پابند نہیں، نہ اس میں کسی خاص طبقے یا جماعت کی خواہش کا دخل ہے۔ وہ اس لیے وجود میں نہیں آتا کہ کسی حاکم، طبقے یا جماعت کی مصلحتوں کو بروئے کار لائے۔ اسے تو اللہ نے بنایا ہے جو سب کا معبود اور سب کا مالک ہے، اور سب کی مصلحت کی خاطر بنایا ہے۔ اس کے سامنے سرافگندہ ہونا اللہ کے سامنے جھکنے کے مترادف ہے نہ کہ اس کے بندوں میں سے کسی بندے کے سامنے۔ اس میں سب کی خاطر ضمانتیں موجود ہیں کیونکہ وہ سب کی خاطر تیار کیا گیا ہے۔

اسلامی شریعت و قانون پر حکومت کی بنیاد رکھنے کا یہی امتیاز ہے۔ سرزمینی بندگی سے کامل آزادی صرف اسی قانون کی چھاؤں میں میسر آسکتی ہے، اور کہیں نہیں۔ جب تک کوئی انسانی جماعت ——— خواہ وہ کوئی بھی ہو! ——— دوسرے انسانوں کے لیے قانون سازی کرتی رہے گی، حقیقی مساوات اور صحیح مصلحتیں ہرگز بروئے کار نہیں آئیں گی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ حکام ہمیشہ اپنے آپ کو اس بناء پر دوسروں سے اعلیٰ و ارفع سمجھتے رہیں گے کہ وہ قانون ساز ہیں۔ ان کا ساختہ و پرداختہ قانون بھی ہمیشہ کسی ایک طبقے کی مصلحت پر مبنی ہوگا اور دوسروں کو نظر انداز کرے گا۔ ایسا قانون سب کی مصلحتوں کو ہرگز ملحوظ نہیں رکھے گا۔ اس دنیا میں صرف ایک ہی حالت ہے جس میں فرد اپنی کامل عزت، مکمل آزادی اور پوری مصلحت کا شعور رکھتے ہوئے قانون کی پابندی کرسکتا ہے۔ وہ حالت یہ ہے کہ قانون سازی کو پورے طور پر اللہ کی شریعت سے حاصل کیا جائے۔ اللہ کے سوا نہ کوئی حاکم و مختار ہے، نہ اللہ کو ایک طبقے کو چھوڑ کر دوسرے کی مدد میں کوئی مصلحت مدِنظر ہے، نہ

Marfat.com

وہ ایک گروہ کو دوسرے کے سامنے جھکاتا اور ذلیل کرنا چاہتا ہے۔ صرف یہی ایک صورت ہے جس میں کہ فرد اس بے لوث عدل کے سامنے سر جھکا سکتا ہے اور اسی میں سکون و راحت محسوس کر سکتا ہے۔ اور صرف اسی صورت میں حاکم شرعی قانون سے ملنے والے حقوق و اقتدار پر مطمئن ہو سکتا ہے، کیونکہ اسے یہ احساس ہوگا کہ میں قانون الٰہی کو نافذ کرنے کے سوا کوئی زائد اختیار نہیں رکھتا۔ وہ دل سے جانتا ہوگا کہ یہ قانون دوسرے سب افراد کی مانند مجھ پر بھی عائد ہوتا ہے۔ صحیح اور کامل آزادی صرف یہی ہے۔

اسلام اپنے قانون میں فرد کے لیے ہر قسم کی ضمانت کا پورا اہتمام کرتا ہے۔ وہ اُس کی جان و مال اور ناموس کی حفاظت کرتا ہے، خدائی حق کے سوا کوئی انہیں چھُو بھی نہیں سکتا۔ اسلام اسے تمسخر، جاسوسی، غیبت اور شکوک و شبہات کی بناء پر گرفتاری سے حفاظت کی ضمانت دیتا ہے۔ ارشادِ قرآنی ہے:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۖ وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ ۖ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ ۚ وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ ۖ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا ۚ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ۝ (الحجرات: ۱۱-۱۲)

"اے ایمان والو! کوئی قوم دوسری سے تمسخر نہ کرے، شاید کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کی ہنسی اُڑائیں، شاید وہ ان سے بہتر ہوں، اور ایک دوسرے کی عیب چینی مت کرو اور ایک دوسرے کو بُرے ناموں سے مت پکارو۔ ایمان کے بعد نافرمانی بہت بُرا نام ہے۔ اور جس نے توبہ نہ کی تو ایسے ہی لوگ ظالم ہوتے ہیں۔ اے ایماندارو بہت سے گمانوں سے پرہیز کرو، بلاشبہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں، اور ایک دوسرے کی

Marfat.com

جاسوسی مت کرو اور کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ سو تم اسے سخت ناپسند کرتے ہو۔ اور اللہ سے ڈرو، بیشک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔"

اسلام آدمی کو اس کے گھر کی آزادی اور حرمت کی ضمانت دیتا ہے۔ کوئی شخص دیوار پھاند کر یا اس کی اجازت کے بغیر اس کے گھر میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝ فَإِن لَّمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّىٰ يُؤْذَنَ لَكُمْ ۖ وَإِن قِيلَ لَكُمُ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا ۖ هُوَ أَزْكَىٰ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ۝ (النور۔ ۲۷۔ ۲۸)

"اے ایمان والو! اپنے گھروں کے علاوہ دوسرے گھروں میں اجازت حاصل کیے بغیر اور گھر والوں کو سلام کیے بغیر مت داخل ہو۔ یہی تمہارے لیے بہتر ہے تاکہ تم نصیحت پاؤ۔ اگر تم ان گھروں میں کسی کو نہ پاؤ تو بھی مالکوں کی اجازت کے بغیر ان میں مت جاؤ۔ اور اگر تم سے کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو واپس چلے جاؤ، یہی تمہارے حق میں پاکیزہ ہے۔ اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے۔"

یہ معاملہ اتنا اہم ہے کہ لوگوں کے گھروں میں کود کر اور ان کی رہائش گاہوں میں جاسوسی کر کے جرائم کو ثابت کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دفعہ اپنی رات کی گشت میں اتفاقاً کسی گھر میں ایک مرد اور عورت کی آواز سنی۔ آپ کو شائد کوئی شک محسوس ہوا تو معاملے کی تہہ تک پہنچنے کی خاطر دیوار پھاند کر اندر اتر گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ وہاں ایک مرد اور ایک عورت ہے اور ان کے پاس شراب کا مشکیزہ ہے۔ جناب عمر فاروق رض نے فرمایا: اے دشمنِ خدا! کیا تیرا یہ خیال تھا کہ تو اللہ کے قانون کو توڑے گا اور وہ پھر بھی تیری پردہ پوشی کرے گا؟ وہ آدمی کہنے لگا کہ: اے امیر المومنین میں نے تو اللہ کا صرف ایک قانون توڑا ہے مگر آپ نے اس کے تین احکام کی خلاف ورزی کی ہے، کیونکہ اس کا حکم ہے: "تم جاسوسی

Marfat.com

نہ کرو" اور آپ نے ہماری جاسوسی کی ہے، اور اللہ کا حکم ہے کہ: "گھروں میں ان کے دروازوں سے داخل ہو"، اور آپ دیوار پر چڑھ کر گھر میں اُترے ہیں، اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: اپنے سوا کسی کے گھر میں اجازت مانگے اور سلام کہے بغیر مت داخل ہو، اور آپ نے ایسا نہیں کیا! نتیجہ یہ نکلا کہ جنابِ عمرؓ کو اُسے سزا دینے کی کوئی گنجائش نہ ملی، لہٰذا آپؓ نے توبہ کرا کے اُسے چھوڑ دیا۔

اس قسم کی ذمہ داریوں کے ساتھ اسلام فرد کے لیے اس کے سکون، آزادی اور تمام حُرمتوں کی کفالت کرتا ہے۔ جب اس پر کوئی زیادتی کرے تو چاہے تعدّی کرنے والا کوئی بھی ہو قصاص کا حکم موجود ہے۔ اس حکم سے بڑے سے بڑا حاکم بھی مستثنیٰ نہیں ہوتا۔ اسلام نے قصاص کے بارے میں خلیفۃ المسلمین یا امیر اور کسی عام مسلمان کے درمیان فیصلہ کرتے ہوئے اپنے قانون میں یا اپنی واقعاتی تاریخ میں کبھی امتیاز نہیں برتا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آپ سے قصاص دلواتے رہے ہے۔ عمرؓ بن الخطاب نے ایک عام مصری کے بیٹے سے "بڑے لوگوں کے فرزند" یعنی عمروؓ بن العاص حاکمِ مصر کے بیٹے کو قصاص میں پٹوایا حتیٰ کہ اس کے دل کی آرزو پوری ہو گئی۔ علیؓ بن ابی طالب نے اپنے قاضی شریحؒ کی عدالت میں ایک نصرانی کے خلاف دعویٰ دائر کیا جس نے جنابِ علیؓ کی زرہ چرائی تھی۔ قاضی نے امیر المؤمنین کے خلاف فیصلہ دیا کیونکہ ان کے پاس چور کے خلاف شرعی شہادت موجود نہ تھی۔ خلیفہ اس پر مسکرا دیئے اور خاموشی سے راضی ہو گئے۔ اسلامی تاریخ[1] میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں جن کی تفصیل یہاں ممکن نہیں، صرف ان کی طرف اشارہ ہی کافی ہے۔

پھر اسلام فرد کے لیے غذا کی ضمانت دیتا ہے اور اس کی ذمہ داری معاشرے کی گردن پر ڈالتا ہے۔ وہ اسے یہ ضمانت دیتا ہے کہ جب وہ کمانے پر قادر ہو تو اسے کام اور مزدوری میں انصاف مہیا کیا جائے گا۔ جب وہ بیکار ہو، کام سے عاجز ہو، بیمار ہو یا بوڑھا ہو جائے تو اس کی بنیادی ضروریات معاشرے کے ذمہ ہوں گی۔ بچہ جب تک کام کے قابل نہ ہو جائے

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے کتاب "اسلام کا نظامِ عدل" کی فصل "چند تاریخی واقعات"۔

Marfat.com

اس کی رضاعت اور پرورش کی ذمہ داری کی بھی ضمانت دی گئی ہے ۔ آگے چل کر جب ہم معاشرے کے امن پر گفتگو کریں گے تو ان تمام ضمانتوں کی تفصیل بیان کریں گے ۔ یہاں ہم صرف فرد کی ان ضمانتوں کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں جو اس کی عملی زندگی میں دل کا سکون اور روحانی اطمینان مہیّا کرتی ہیں ۔ یہ سکون و اطمینان اُس سکون پر مستزاد ہے جو اسے اسلامی عقیدے سے ملتا ہے ۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام آدمی کے ضمیر کی گہرائی میں امن و سلامتی کے تمام اسباب بدرجۂ اتم پیدا کرتا ہے ۔ اس میدان میں اس کا شعار یہ ہے جو ہم نے اس فصل کی ابتدا میں بیان کیا ہے کہ :- جس دنیا میں فرد کا ضمیر سکون سے خالی ہو وہ دنیا امن و سلامتی سے محروم ہے !

Marfat.com

گھریلو امن وسلامتی

گھر انسان کا مرکز اور جائے سکون ہے۔ بچپن اسی کی چھاؤں میں گزرتا ہے، طفولیت اسی کی گود میں آنکھیں کھولتی اور پروان چڑھتی ہے۔ وہ اپنی عادات واطوار گھر کی چار دیواری سے ہی سیکھتی ہے۔ اسی کی فضا میں سانس لیتی اور بنتی سنورتی ہے۔ معاشرے کی جولان گاہ میں کتنے واقعات وحوادث ہیں جنہوں نے تاریخ کی رفتار پر گہرے اثرات چھوڑے، لیکن اگر ذرا غور سے دیکھیں تو ان کے مخفی اسباب گھریلو زندگی کے عام واقعات میں پوشیدہ ہوتے ہیں۔

جس فرد کو اپنے گھر میں امن وسکون نہ ملے وہ امن وسلامتی کی قیمت کبھی نہیں پہچان سکتا نہ اس کا مزا کبھی چکھ سکتا ہے۔ بھلا ایسا شخص امن وسلامتی کے لیے ایک مخلص کارکن کیونکر بن سکے گا جس کے اعصاب میں کشمکش، دل میں قلق اور روح میں اضطراب بپا ہو۔ یہی سبب ہے کہ اسلام سلامتی کے بیج خانگی زندگی میں بھی بوتا ہے، جیسا کہ اس کے ساتھ ہی ساتھ فرد کے ضمیر میں، معاشرے میں، سیاسی واجتماعی اور بین الاقوامی زندگی میں بھی وہ یہی کام کرتا ہے۔ زندگی کے یہ تمام حلقے سلسلہ وار باہم ملے ہوتے ہیں اور ان میں ربط واتصال پایا جاتا ہے۔

مقدّس قلعہ

اسلام سب سے پہلے عائلی زندگی کے تعلّقات کی ایک روشن اور شاداب تصویر پیش

Marfat.com

کرتا ہے۔ اس تصویر سے باہمی شفقت و رحمت کی شعاعیں نکلتی ہیں۔ اس میں محبت کے ساتھ اپنے پروں کو پھڑ پھڑاتے ہیں۔ اس میں فیاضی اور مودّت پھیلی ہوئی ہے اور مشک وغیرہ کی خوشبو پھوٹ پھوٹ کر نکلتی ہے:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ؕ (الروم - ۲۱)

"اور اللہ کی آیاتِ قدرت میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اُس نے تمہی میں سے تمہارے جوڑے بنا دیئے تاکہ تم ان سے سکون پاؤ اور تمہارے درمیان محبت و رحمت پیدا کر دی۔"

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۔ (البقرہ - ۱۸۲)

"عورتیں تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو۔"

یہ تعلق دل کا دل سے ہے۔ اس میں سکون و قرار ہے، مودّت و رحمت ہے اور ستر و تجمّل ہے۔ تم ان آیات کے الفاظ میں ہی ایک شفقت و رحمت محسوس کر سکتے ہو۔ ان الفاظ کے اندر سے ایک شادابی اور تر و تازگی نکلتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ اسلام خاندانی زندگی کے جس مضبوط اور ملائم تعلق کو انسانی فرائض میں نہایت اہم ٹھیراتا ہے، اُس کی حقیقت کی یہ ایک کامل تعبیر ہے۔ یہ تعبیر اس لیے اختیار کی گئی ہے کہ اس میں عائلی زندگی کے رابطے کے تمام مقاصد ملحوظ ہیں۔ یہ حقیقت بھی پیش نظر ہے کہ اولاد کی پیدائش کے ساتھ اس رابطے میں وسعت اور پھیلاؤ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لیے اسلام ان تمام مقاصد پر پاکیزگی اور تقدس کی چھاپ لگا دیتا ہے۔ وہ ان مقاصد کی طہارت اور فوائد کا اعتراف کرتا، ان کے رُخ متعین کرتا اور ان کے تقاضوں میں باہمی نظم و نسق پیدا کر دیتا ہے۔ چنانچہ اس کا ارشاد ہے:-

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۔ (البقرہ : ۲۲۳)

"تمہاری عورتیں تمہارے لیے کھیتیاں ہیں۔"

مذکورہ مقاصد کے علاوہ یہاں کثرت و زرخیزی کا معنیٰ بھی پیش نظر ہے۔

اسلام خانگی زندگی کے اِس چھتّے، اس پرورش گاہ اور اس مرکز کو اپنی پوری نگہداشت اور ضمانتوں کے ساتھ گھیرے رہتا ہے۔ اس سلسلے میں اس کا کُلّی مزاج بروئے کار آتا ہے۔ پس وہ

Marfat.com

اس میدان میں صرف روحانی شعاع اندازیوں پر ہی اکتفا نہیں کرتا بلکہ قانونی تنظیموں اور تشریعی ضمانتوں کا بھی پورا انتظام کرتا ہے۔

اس سلسلے کی پہلی بات یہ ہے کہ عائلی ارتباط میں رضامندی اور اجازت نہایت ضروری ہے، اس لیے عورت کا نکاح اس کے اذن و رضا کے بغیر جائز نہیں۔ اس ضمن میں فریقین کو ایک دوسرے کا ایک نظر دیکھ لینا بھی ضروری ہے تاکہ یہ رضامندی قلب و شعور کے اندر سے ہو اور حقیقت پر مبنی ہو۔ حضورؐ نے نکاح کا ارادہ کرنے والے ایک صحابی سے فرمایا تھا:

فَانْظُرْ إِلَيْهَا فَإِنَّهُ أَحْرَىٰ أَنْ يُؤْدَمَ بَيْنَكُمَا

"اس عورت کو ایک نظر دیکھ لو کیونکہ اس طرح تمہارے اندر دائمی محبت استوار رہنے کی قوی اُمّید ہے۔"

دوسری بات یہ ہے کہ نکاح میں اعلان و شہادت کا پایا جانا ناگزیر ہے۔ یہ کوئی جرم اور قانون شکنی نہیں جو پوشیدگی میں انجام پائے۔ اس میں گواہوں کی موجودگی میں ایجاب و قبول کا پایا جانا بھی واجب ہے۔ اسلام یہ نہیں چاہتا کہ اس رابطے کے قیام میں کسی قسم کا شک یا پوشیدگی باقی رہے، حتیٰ کہ اسی مناسبت کے لیے دف یا طبل کا بجانا بھی پسندیدہ ہے تاکہ خوب اعلان و اشتہار ہو جائے۔

تیسری بات یہ ہے کہ نکاح میں اسے ہمیشہ باقی رکھنے (تابید) کی نیت ہونی چاہیئے نہ کہ ایک خاص وقت تک (توقیت) کی۔ پس اگر یہ نیت کر لی یا صراحۃً کہہ دیا کہ یہ عقد کسی خاص وقت تک کے لیے ہے تو نکاح[1] منعقد نہ ہوگا، کیونکہ اس ارتباط سے سکون و استقرار مقصود ہے، اس کے شرعی مقاصد میں یہ بات داخل ہے کہ زوجین اس کی طرف اطمینان کے ساتھ مائل ہوں اور اس کے سائے میں اعتماد و سکون کے ساتھ زندگی کی بنیاد رکھیں۔

گھر کو صحیح معنی میں گھر بنانے اور اس میں مطلوبہ معاشرت کی فضا قائم کرنے، نیز اس میں نشو و نما پانے والے ننھے بچوں کے لیے نگہداشت مہیا کرنے کی خاطر اسلام نے مرد کے ذمہ نفقہ مقرر کیا ہے اور

---

[1] اس میں بعض فقہی اختلافات ہیں جن کی تفصیل کا یہ مقام نہیں (مترجم)

Marfat.com

اُسے فریضہ ٹھہرایا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ بچوّں کی ماں کو جدوجہد سے بچا کر اتنا وقت اور اس قدر فارغ البالی مہیّا کی جائے جس سے وہ ان معصوم ننھی جانوں کی پرورش کی طرف پوری توجہ کر سکے، نیز افرادِ کنبہ کے مرکز کو نظم و ضبط، شائستگی و آرائش اور بشاشت بخش سکے۔ روزی کمانے کی خاطر کام سے تھکی ماندی، کام کے تقاضوں سے بوجھل، اس کی پابندیوں میں مقیّد اور اپنی ساری طاقت کو اسی میں بانٹ دینے پر مجبور والدہ کے لیے یہ ممکن نہیں رہتا کہ گھر کو اس کی خاص فضا اور پاکیزگی دے سکے اور اس میں پرورش پانے والے بچوّں کو ان کا حق اور نگرانی مہیّا کر سکے۔ ملازم اور تنخواہ دار عورتوں کے گھر ہوٹلوں اور سراؤں کی فضا سے بہتر نقشہ پیش نہیں کرتے۔ وہ خوشبو جو ایک صحیح گھر میں پھیلی ہوتی ہے یہ گھر اس سے محروم ہوتے ہیں۔ گھر کی خاص خوشبو پھیل ہی نہیں سکتی جب تک اسے ایک بیوی نہ پھیلائے اور گھر کی شفقت و رحمت صرف اسی صورت میں باقی رہ سکتی ہے کہ ایک ماں اس کا انتظام سنبھالے۔ جو عورت، بیوی اور ماں اپنا وقت، جدّوجہد اور روحانی طاقت کسبِ رزق میں لگا دیں وہ گھر کو مایوسی، تھکن اور اکتاہٹ کے سوا کچھ نہیں دے سکتیں۔

عورت کا گھر سے ملازمت کی طرف باہر نکلنا ایک المیہ ہے جسے صرف بحالتِ مجبوری ہی جائز سمجھا جاتا ہے۔ مگر جو لوگ اس سے بچ سکتے ہیں ان کے لیے یہ ایک لعنت ہے جو دَورِ زوال میں اور قوموں کی بدبختی اور بے راہ روی کے زمانے میں رُوح و ضمیر اور عقل پر مسلّط ہو جاتی ہے۔ اسلام نے گھر کے نظام کو قائم رکھنے اور اسے بدنظمی اور اختلاف کے انجام سے بچانے کے لیے اس کا نظم و ضبط مرد کے سپرد کیا ہے۔ اس باب میں بھی اسلام نے وہی راہ اختیار کی ہے جو تنظیم و توازن قائم رکھنے کی خاطر وہ ہر معاملے میں بڑے اہتمام کے ساتھ اختیار کرتا ہے۔ اجتماعی زندگی میں وہ اسے اتنی اہمیت دیتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر سفر و حضر میں اس کی تاکید کی ہے، حتیٰ کہ اگر دو آدمی بھی سفر میں ہوں یا نماز ادا کرنا چاہیں تو اپنے میں سے ایک کو امیر و مقتدا مقرر کر لیں۔

جہاز کی سلامتی کے لیے ضروری ہے کہ اس میں ایک ہی قیادت ہو۔ اسی طرح گھر کی کشتی میں بھی ایک قیادت کا وجود لازم ہے تاکہ وہ نتائج و عواقب کی ذمّہ دار ہو اور نظم و ضبط کو ٹوٹنے سے محفوظ رکھے۔ ضبط و تنظیم کا یہی قاعدہ مردوں کے متعلق خصوصی معاملات میں بھی موجود

Marfat.com

تھا تو پھر گھریلو زندگی کا شعبہ اس سے کیسے مستثنیٰ رہ سکتا تھا؟ غور کرو کہ عقل و فکر زوجین میں سے گھر کی قیادت کا بوجھ کس کے سپرد کر سکتی تھی؟ کیا یہ قیادت عورت کے سپرد کی جاتی جو بچوں کی پرورش اور گھر کی آرائش و زیبائش کا بوجھ اٹھانے کی وجہ سے پہلے ہی اپنے نازک جذبات و احساسات کا بڑا حصّہ مصروف کر چکی ہوتی ہے؟ یا کیا یہ ذمّہ داری مرد کے سپرد کی جاتی جس پر اسلام نے انفاقِ مال کا بوجھ ڈالا ہے تاکہ عورت اپنی عظیم ذمہ داری کی ادائیگی کے لیے فارغ ہو سکے اور اس میں اپنی طاقت و وسعت کھپا سکے؟ پس اسلام نے یہ بوجھ مرد پر ڈالا تاکہ ایک طرف تو وہ اپنے اس نظام کو قائم رکھ سکے کہ ہر کام اور ہر عمل میں تنظیم و قیادت ضروری ہے، اور دوسری طرف اس لیے کہ مرد اپنی خلقت اور تجربے کی بنا پر دونوں فریقوں میں سے اس فریضے کی ادائیگی کا اہل تر تھا۔

یہ مسئلہ بڑا سادہ اور صاف ہے، جب اس طرح اسے اصل صورت میں پیش کیا جائے تو اس دور کے غیر ذمہ دار، بے راہرو مرد عورتوں کا وہ فضول شور و غوغا کھل کر سامنے آ جاتا ہے جو وہ اسلام کے معاشرتی و عائلی نظام کے خلاف مچاتے ہیں۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ بے مقصد زندگی، اور عقل و فکر کی بے لگامی ہی اس شور و شر کا باعث ہے۔ انہی وجوہ کے باعث یہ بحث و تمحیص اور گفتگو کا موضوع بنتا ہے۔ گھر کا یہ معاشرتی نظام اس لیے بنایا گیا ہے کہ اسلام اسے گھریلو سلامتی کے حلقوں میں سے ایک حلقہ بنانا چاہتا ہے، گھر میں نظم و ضبط اور امن و امان قائم رکھنا چاہتا ہے۔ لیکن بدبختی اور زوال کے زمانے میں جب کہ اہم امور کی طرف سے توجہ ہٹ جاتی ہے، معاشرہ صرف چھلکوں اور ریزوں پر ہی مطمئن ہو جاتا ہے!

اختلاطِ مرد و زن اور اظہارِ جمال

اسلام نے عورت کو جو آزادانہ اظہارِ جمال سے روکا ہے اور اختلاطِ مرد و زن پر پابندی لگائی ہے وہ اسی لیے ہے کہ گھر میں امن قائم رہے اور اس میں اعتماد و یقین کی فضا برقرار رہے۔ شرم و حیاء، وقار اور تحفّظ کے احکام بھی اسی لیے ہیں۔ ان احکام کی اہمیت ہمیشہ مسلّم رہی ہے حتیٰ کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آپ کی ازواج ـــــ مومنوں کی ماؤں ـــــ کو بھی

Marfat.com

یہی احکام دیئے گئے تھے۔ قرآن کہتا ہے :۔

یَآاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ ۔ (الاحزاب:۵۹)

”اے نبی! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی لمبی چادروں کا کچھ حصہ اوپر لٹکا لیا کریں۔“

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَیَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ ۝ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ ؕ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ؕ وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُیُوْبِهِنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْۤ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْۤ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُنَّ ؕ اَوِ التّٰبِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِیْنَ لَمْ یَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۪ وَلَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِهِنَّ ؕ وَتُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (النور ۳۰۔۳۱)

”مومنوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی آنکھیں جھکا لیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ ان کے لیے بہت پاکیزہ ہے، بے شک اللہ ان کے اعمال سے باخبر ہے اور مومن عورتوں سے کہو کہ اپنی آنکھیں جھکا لیں اور اپنے پردے کی حفاظت کریں اور اپنی آرائش اپنے خاوندوں یا باپوں یا سسروں یا بیٹوں یا سوتیلے بیٹوں یا بھائیوں یا بھتیجوں یا بھانجوں یا قریبی عورتوں یا غلاموں کے سوا کسی پر ظاہر نہ کریں، یا اُن مردوں پر جو عورت کی خواہش سے بے نیاز ہیں اور گھروں میں بطور ملازم پڑے رہتے ہیں، یا اُن بچوں پر جو ابھی عورتوں کے پوشیدہ مقامات پر مطلع نہیں ہوتے۔ اور اپنی پوشیدہ زینت کو ظاہر کرنے کی خاطر پاؤں زور سے زمین پر نہ ماریں۔ اور اے ایمان دارو! تم سب اللہ کی طرف رجوع کرو تاکہ فلاح پاؤ۔“

Marfat.com

مرد اور عورت میں سے ہر ایک کا یہ حق ہے کہ اپنے رفیق سے مطمئن ہو اور کسی ایسے اشتغال کی طرف متوجہ نہ ہو جس کے باعث اُس کے جذبات اُس کے ساتھی کی طرف سے پھر جائیں۔ گو یہ انحراف اسے گناہ اور لغزش پر مائل نہ کرے؛ تاہم یہ چیز معاشرتی زندگی کے مقدس قلعے کو ڈھا دیتی ہے اور اُس کی فضا سے پورے اعتماد اور اطمینان کو زائل کر دیتی ہے۔

جذبات کا یہ انحراف، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر لغزش، ہر لحظہ ان معاشروں میں واقع ہوتے رہتے ہیں جن میں مرد عورتیں آزادانہ میل جول رکھیں اور عورتیں زیب و زینت کے ساتھ حسن و جمال کی نمائش کرتی پھریں۔ ان عورتوں کے ساتھ فتنے اور اشتغال کے شیاطین آزادانہ چلتے پھرتے ہیں۔ واقعات اس فضول بکواس کی تکذیب کرتے ہیں جو آج کل ہر جگہ آوارہ مزاج مرد عورتوں کی زبان سے سرزد ہوتا رہتا ہے کہ آزادانہ میل جول خیالات کو مہذب بناتا ہے، دبی ہوئی طاقتوں کو بروئے کار لاتا ہے، دونوں جنسوں کو بات چیت اور معاشرت کے آداب سکھاتا ہے اور اس تجربے سے مسلح کرتا ہے جو لغزشوں سے بچا سکے۔ اور کامل تجربے ـــــ بلکہ گناہ کے عنصر ـــــ کے بعد جو شریک زندگی کا انتخاب کیا جاتا ہے وہ فریقین میں سے ہر ایک کو دوسرے کے ساتھ پورے طور پر منسلک کرنے کا کفیل ہوتا ہے، کیونکہ انہوں نے ایک دوسرے کو پوری رضامندی اور تجربے کے بعد پسند کیا ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ فضول بکواس ہے۔ واقعات اس کی تکذیب کرتے ہیں۔ دائمی انحرافات اور فریقین کے جذبات کی پے در پے تبدیلیاں، طلاق یا اس کے بغیر ہی گھروں کی بربادی اور آزادانہ میل جول کے مجمعوں میں جانے کے عادی زوجین کی باہمی خیانتیں اس بکواس کی صراحۃً تردید کرتی ہیں۔

طویل تجربے سے ثابت ہو چکا ہے کہ آزاد میل جول کی بدولت خاوند یا بیوی کی زندگی میں کسی زیادہ قوی، زیادہ کامل اور زیادہ جاذب شخصیت کا اُبھر آنا عین ممکن ہوتا ہے۔ جب یہ حادثہ ہو تو پھر انجام کیا ہوتا ہے؟ یہ کہ اس نئے عشق کی خاطر خاوند یا بیوی میں سے ایک ضرور پھسل جاتا ہے۔ اور اگر فرائضِ زوجیت کو بچانے کی خاطر وہ اس جذبے کا مقابلہ کرے تو قلق و حیرت اور اضطراب کا شکار ہو جاتا ہے۔ دونوں صورتوں میں اطمینانِ قلب غارت ہو جاتا

Marfat.com

ہے، روحانی اطمینان ختم ہوجانا اور خانگی امن برباد ہوجاتا ہے۔ رہا انسانیت کا بدکاری و بے حیائی میں گر جانا، حیوانیت کی گندگی سے آلودہ ہونا اور حیوانوں جیسی لاقانونی اور مطلق العنان خواہشات کا شکار ہوجانا، سو یہ سب کچھ اس پر مستزاد ہے۔

اب جہاں تک آزادانہ میل جول اور فریقین کی گفتگو سے تہذیب و شائستگی پیدا ہونے کی خرافات کا تعلق ہے تو اس کے متعلق امریکن ہائی سکولوں میں حاملہ لڑکیوں کے فی صدی اوسط سے پوچھنا چاہیئے۔ یہ اوسط ایک بڑے شہر میں ۴۸ فی صدی تک پہنچ گیا تھا۔ امریکہ میں آزاد میل جول اور کامل جانچ پرکھ کے بعد نکاح کرنے والے خوش قسمت گھرانوں سے یہ بھی دریافت کرنا چاہیئے کہ ان میں سے طلاق سے برباد ہونے والوں کا تناسب کیا ہے؟ جوں جوں بے قید اختلاط اور فریقین کی باہمی جانچ پرکھ بڑھ رہی ہے یہ تناسب بھی وقفے وقفے سے تیزی کے ساتھ بڑھ رہا ہے۔ یہ خوفناک تناسب ان خطوط پر ترقی پذیر ہے:

سال	فی صدی اوسط	سال	فی صدی اوسط
۱۸۹۰ء	۶ ٪	۱۹۳۰ء	۱۴ ٪
۱۹۰۰ء	۱۰ ٪	۱۹۴۰ء	۲۰ ٪
۱۹۱۰ء	۱۰ ٪	۱۹۴۶ء	۳۰ ٪
۱۹۲۰ء	۱۴ ٪	۱۹۴۸ء	۴۰ ٪

یہ تو طلاق کے مارے ہوئے گھروں کا حال تھا۔ آزادانہ اختلاط سے تباہ شدہ باقی گھر بے قید شہوتوں کے ہتھوڑوں کے نیچے پس جاتے ہیں، صبح شام بدلنے والی خواہشات اور باطنی قلق کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ایک بے قید معاشرے میں جذبات و احساسات کی نت نئی تبدیلی انہی شہوات کو بھڑکا سکتی ہے۔ اس معاشرے میں مردوں اور عورتوں کے لیے نت نئے جوڑوں میں نئی نئی خوبیاں ظاہر ہوتی ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مرد اور عورتیں ہر وقت جدید شکار کے ساتھ کھسک جاتی ہیں۔ جب کبھی مرد یا عورت کسی جدید شخصیت میں کوئی نئی چمک دیکھتے ہیں، خانگی زندگی آندھیوں کی زد میں آجاتی ہے، گویا کہ خاوند یا بیوی دنیائے فیشن میں گھریلو سامان کا ایک حصہ، ایک نکٹائی یا ایک نیا فیشن تھا!

Marfat.com

اب یقیناً وقت آچکا ہے کہ انسانیت ان کھوکھلے خیالی نظریات پر نظرِ ثانی کرے جو یہ کہا کرتے تھے کہ :۔ اختلاطِ مرد و زن ایک پاکیزہ، ہلکی پھلکی جزئی آزادی ہے، تجربہ رفیقِ زندگی کے انتخاب تک رہنمائی کرتا ہے اور یہ انتخاب تعلقاتِ زوجیت کی پختگی اور دوام کی راہ ہے، وغیرہ وغیرہ۔

یہ نظریات بظاہر منطقی نظر آتے ہیں مگر عملی تجربہ جو امریکہ میں اپنی انتہا کو پہنچ چکا ہے اس امر کے لیے کافی ہے کہ اس ظاہری چمک دار منطق کا مضحکہ اُڑائے۔ کیونکہ اختلاطِ مرد و زن کا نتیجہ ہلکی پھلکی آزادی نہیں نکلا بلکہ پوری حیوانیت کی صورت میں ظاہر ہوا ہے جو کسی حد بندی اور پابندی کے بغیر صرف جسمانی شہوات کے تقاضوں پر لبیک کہتی ہے۔ مرد و زن کے باہمی کامل تجربے اور انتخاب کا نتیجہ گھریلو نظام کی مضبوطی اور باہمی تعلقات کے دوام و ثبات کی صورت میں نہیں نکلا بلکہ دائمی تفریق، طلاقوں کی بھرمار، دائمی جنسی بھوک اور آتشِ شوق کے اشتعال کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔

اس باب میں امریکی تجربہ فرائڈ اور اس جیسے دوسرے لوگوں کے خیالات کی کھلی تکذیب کرتا ہے۔ وہ سُننے کا ارادہ رکھنے والوں کو چیخ چیخ کر بتاتا ہے کہ اختلاطِ مرد و زن کے دائمی اختلاط کا نتیجہ صرف دائمی اشتعال ہوتا ہے۔ اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں: یا تو یہ اشتعال اپنی آخری حد تک جا پہنچے تو پھر وقتی طور پر ٹھنڈا پڑ جاتا ہے اور وقتاً فوقتاً اس کے دَورے پڑتے رہتے ہیں۔ یا اس عملی و مادّی انتہا تک نہیں پہنچتا، سو اس صورت میں اس کا نتیجہ اعصابی گھٹن اور اس کی بعد کی متعدد بیماریوں کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

ان تمام نظریات پر امریکہ کے عملی تجربے کی روشنی میں صرف اسی صورت میں نظرِ ثانی ممکن ہے کہ خالص علمی انداز اختیار کیا جائے۔ یہ تجربہ گواہ ہے کہ جسمانی شہوات اتنی قوی اور گہری ہیں کہ اختلاطِ مرد و زن کی آزادی ———— بلکہ فریقین کے باہم سیر ہونے کی آزادی بھی اُنہیں بجھا نہیں سکتی۔ تم معدے کی بھوک کو صرف بھُنے ہوئے گوشت کی خوشبو سے نہیں مٹا سکتے، بلکہ وہ بھوک کی شدّت میں اضافہ کر دیتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس تم اس بُھوک کو بدہضمی پیدا کرنے والے مرغّن کھانے سے بھی صرف ایک محدود مدّت تک ہی مٹا سکو گے۔

Marfat.com

اس کے بعد جب دوبارہ اس کی طلب ہو گی تو پہلی طلب سے شدید تر ہو گی۔ جسم کی بھوک بھی معدے کی بھوک کی طرح ہے، یہ دونوں دائمی ہیں۔ یہ دوام اس قوت کے خالق کی مشیّت پر مبنی ہے۔ اس نے اسے اس لیے دوام بخشا ہے کہ اس قوت کے ساتھ زندگی کا پھیلاؤ وابستہ ہے۔ یہی وہ حقیقت ہے جسے نظریات اور خیال کے سامنے یہ امریکی تجربہ باآوازِ بلند بیان کر رہا ہے۔

اسلام کو ان تمام چیزوں کا اندازہ تھا۔ یہی سبب ہے کہ اُس نے حیاء اور وقار کا حکم دیا ہے، آزادانہ اختلاط سے روکا ہے، نگاہیں جھکانے کا حکم دیا ہے اور اظہارِ جمال اور آوارگی سے منع کیا ہے، وہ یہ چاہتا تھا کہ انسانی ضمیروں میں قرار، روحوں میں سکون اور گھروں میں امن پیدا ہو۔ وہ اس آشیانے میں امن وسلامتی چاہتا تھا جس کی دائمی ملکیت زوجین میں سے کسی کو حاصل نہیں، وہ دونوں تو اس گھر میں ننھے مُنے چوزوں کے نگران ہوتے ہیں۔ ان کی حیثیت ان نشوونما پانے والے بچّوں کے امین کی سی ہے۔ ان کا فرض ہے کہ امن وامان کے اس مرکز میں نئی پھوٹنے والی زندگی کی پوری حفاظت ونگرانی کریں۔

حدود و تعزیرات

اسلام معاشرے میں بدکاری وبے حیائی کے پھیلنے کو سخت ناپسند کرتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ (النور: ۱۹)

"جو لوگ پسند کرتے ہیں کہ ایمان داروں میں بے حیائی پھیلے، یقیناً ان کے لیے دردناک سزا ہے۔"

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَىٰ ۖ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا ۝

(بنی اسرائیل: ۳۲)

"اور زنا کے قریب نہ جاؤ بے شک وہ بدکاری ہے اور بُری راہ ہے۔"

معاشرے میں فحاشی پھیلنے کا بُرا اثر یہ ہوتا ہے کہ اُس کی بنیادیں ڈھے جاتی ہیں۔ لیکن اس مقام پر ہمیں اس کا جو اثر بیان کرنا مدِّنظر ہے اس کا تعلق گھر کے امن وسلامتی سے ہے۔

Marfat.com

اسلام اس سلامتی کو قائم رکھنے پر بڑا حریص ہے۔

جیسا کہ اوپر آ چکا ہے کہ اسلام سب سے پہلے بچاؤ کی تدبیریں اختیار کرتا ہے۔ وہ شرم و حیا کا حکم دیتا، آوارگی کو حرام ٹھیراتا، مرد و زن کے آزادانہ میل جول سے روکتا اور فتنے سے ڈراتا ہے۔ وہ فحاشی سے منع کرتا اور اُسے کفر و شرک کے ساتھ ملا دیتا ہے۔ استطاعت کی صورت میں اس کا حکم ہے کہ نکاح کے ذریعے سے پاکبازی کو آسان بنایا جائے۔ حتیٰ کہ وہ مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ نکاح کے خواہش مند کی مالی مدد کی جائے۔ اگر عذر کی وجہ سے نکاح کی استطاعت نہ ہو تو وہ جسم کے اشتعال کو ہلکا کرنے کے لیے روزہ رکھنے کی تلقین کرتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:-

يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ، فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ۔ (صحیح بخاری)

"اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو نکاح کی طاقت رکھتا ہو اُسے نکاح کر لینا چاہیے کیونکہ اس سے آنکھوں کی حیا اور شرم گاہ کی حفاظت حاصل ہوتی ہے، اور نکاح نہ کر سکے تو اسے روزہ رکھنا چاہیے کیونکہ یہ اس کے لیے بُرائی سے بچنے کا ذریعہ ہے۔"

اسلام نے ورزش اور شہسواری کی جو ترغیب دی ہے اس میں دوسرے فوائد کے علاوہ یہ فائدہ بھی مدِ نظر ہے جو ابھی بیان ہوا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام کی متوازن اور معتدل تربیت، جذبات کو بھڑکانے اور فتنے کے اسباب آوارگی کو حرام ٹھیرا کر بچانے کی تعلیم، عورتوں سے لوچ دار گفتگو کی ممانعت، شدید ضرورت کے بغیر اختلاطِ مرد و زن کی ممانعت، جسمانی ورزش اور روزہ رکھنے کے احکام اور استطاعت ہوتے ہی نکاح کر لینے کی ترغیب، ضبطِ نفس اور جسمانی کنٹرول کے ایجابی عوامل ہیں۔

آج کل کی نمائش پسند آزاد عورتیں اور بے قید مرد کہا کرتے ہیں کہ:- ضبط کی یہ تعلیم نفسیاتی گھٹن پیدا کرتی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ یہ لوگ معاشرے کی کسی ایسی صورت کا تصوّر

Marfat.com

بھی نہیں کر سکتے جو آزادانہ میل جول کی گندی صورت کے علاوہ ہو۔ یہ تصویر کیا ہے؟ یہ کہ ہیجان پسند نوجوان جذبات کو مشتعل کرنے والی نوجوان لڑکیوں کے ساتھ کھلے بندوں مل رہے ہیں، رانیں اور چھاتیاں ننگی اور کھلی ہیں، آنکھوں سے بدنظری ٹپک رہی ہے اور ہونٹوں پہ شہوت کھیل رہی ہے۔ فحش فلمی مناظر، جرائم کو ہوا دینے والے اخبارات و رسائل کی تصویریں، ریڈیو پہ عورت نما مردوں اور مرد نما عورتوں کی آوازیں جلتی پر تیل کا کام کرتی ہیں۔ اس سب کچھ پہ عیش پرستی اور فارغ البالی ایک طرف سے اور بے فکری و بے قیدی دوسری طرف سے مستزاد ہے۔ ان تمام چیزوں پر عزت و ناموس کے تاجروں اور مخنث خواتین کا اضافہ اور کر لیجیے!

جس معاشرے کی تصویر یہ ہے اس میں یقیناً ضبطِ نفس سخت مشکل ہے، کیونکہ اس میں فتنے کے سارے اسباب تلاطم خیز، سرکش اور بالکل آزاد ہیں۔ جس معاشرے کی تصویر یہ ہے اس میں انسانی نفوس کو شاذ و نادر ہی قرار مل سکتا اور گھریلو سلامتی کا وجود خال خال ہی ہوتا ہے۔ لیکن اسلامی معاشرہ اپنی بنیادی اینٹ سے ہی ان تمام چیزوں کے برعکس ہوتا ہے۔ یہ معاشرہ عیش کوشی کا مخالف ہے اور اسے حرام ٹھیراتا ہے، جنسی بے قیدی کا مخالف ہے اور اسے بند کر دیتا ہے، آزادانہ میل جول اور نمائشِ حسن و جمال کے خلاف جدّوجہد کرتا ہے، مخنث پنے اور زنخہ پن کے خلاف جہاد کرتا ہے۔ اس کے بعد وہ زندگی کی فراغت کو اللہ اور انسانیت کی راہ میں بڑی بڑی مصروفیتوں سے پُر کر دیتا ہے۔ وقت کی فراغت کو کام سے پُر کر دیتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس معاشرے میں ان بے کار مردوں اور عورتوں کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی جو اپنی زندگی کے خلاء کو پُر کرنے کے لیے کوئی شغل نہیں پاتے۔ انہیں اپنی توتیں صرف کرنے کے لیے صرف شہوات و خواہشات اور محفلوں اور شب بیداریوں میں فقط ننگی اور بے حیا عیش پرستی ہی ملتی ہے۔

اسلام یہ ہرگز برداشت نہیں کرتا کہ شراب کے جام رگوں میں خون کا ہیجان پیدا کریں، آوارہ گرد عورتوں کی چھاتیاں، پیاسے ہونٹ اور فاجر نگاہیں مردوں کو دعوتِ نظارہ دیں اور اس کے بعد وہ مردوں کو یہ حکم دے کہ اپنے جذبات پر قابو رکھیں اور اپنی شہوات کو دبائے

Marfat.com

رہیں! ہرگز نہیں۔ وہ معاملے کو اس کے تمام اطراف سے قابو میں لاتا ہے اور پہلے قدم سے ہی فتنہ کے اسباب کی راہ بند کر دیتا ہے۔ پھر لوگوں کو مشقت و جبر میں ڈالے بغیر ان احکام کا مکلف بناتا ہے جو بالکل ان کی وسعت و طاقت میں ہیں۔

اس کے بعد بھی اگر بدکاری واقع ہو جائے تو وہ خاندانی امن و سلامتی اور معاشرے کے توازن و تناسب کو برقرار رکھنے کی خاطر بدکار مرد و عورت کو عبرتناک سزا دیتا ہے۔

قرآن کا ارشاد ہے:

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۖ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۡ وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ○ (النور ۲-۳)

"زنا کار عورت ہو یا مرد ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ اور اگر تمہارا اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان ہے تو دین خداوندی کے بارے میں ان پر نرمی نہ کرو۔ اور ایمانداروں کی ایک جماعت کو ان کی سزا کے موقع پر موجود ہونا چاہیئے۔ زنا کار مرد زانی یا مشرک عورت ہی سے نکاح کرتا ہے اور زانی عورت زنا کار مرد یا مشرک سے ہی نکاح کرنا چاہتی ہے۔ اور یہ بدکاری مومنوں پر حرام کر دی گئی ہے۔"

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (شادی شدہ مرد یا عورت کو جب وہ زنا کا ارتکاب کرے) کوڑوں کی سزا نہیں دی بلکہ رجم (پتھروں سے مار دینا کی سزا دی ہے) حضورؐ کے بعد خلفائے راشدینؓ کا بھی یہی دستور العمل رہا ہے۔

نمائش پسند عورتیں اور آوارہ مزاج مرد ادھر ادھر کہتے پھرتے ہیں کہ یہ تو بڑی سنگدلانہ سزا ہے۔ جی ہاں سنگدلانہ! لیکن گھروں کی بربادی، دلوں کا قلق و اضطراب، نسب میں ملاوٹ، یہ چیزیں تو سنگدلانہ نہیں ہیں! یہ سزا سنگدلانہ ہے کیونکہ عیش پرست مرد عورتیں اور آوارہ مزاج بدکار مذکر و مونث جب اسے سنگدلی سے موصوف کرتے ہیں تو انہیں اپنی

Marfat.com

نرم و نازک اور ڈھیلی ڈھالی کھالوں پر کوڑے پڑنے کا تصور پیش نظر ہوتا ہے، اور وہ اپنے پھولے ہوئے نرم جسموں پر پتھر پڑنے کا احساس کرتے ہیں۔ وہ نام تو جدید مہذب قوانین کا لیتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ اسلامی سزاؤں کو سنگدلانہ یا وحشیانہ ٹھیرا کر اپنا دفاع کرتے ہیں۔ دراصل یہی وحشی لوگ ہیں جو پہلی وحشیانہ جنگلی زندگی کی طرف واپس جانا چاہتے ہیں۔

اس کے باوجود اسلام اس عبرت ناک سزا کو صرف ان خاص یقینی حالات میں نافذ کرتا ہے جن میں شک و شبہے کی گنجائش نہ ہو، اور یہ سزا صرف ان لوگوں کو دیتا ہے جو نکاح کے ذریعے سے محصن ہو چکے ہوں، کیونکہ اس صورت میں شدید حاجت کا تصور نہیں ہو سکتا، لیکن جو مرد عورتیں قیدِ نکاح میں نہیں آئے ان کی سزا نسبتاً ہلکی ہے اور کوڑوں سے تجاوز نہیں کرتی۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

اِدْرَأُوا الْحُدُوْدَ بِالشُّبُهَاتِ (مسند ابی حنیفہ للحارثی)

"شبہوں کے ساتھ سزاؤں کو موقوف کر دو۔"

وجہ یہ کہ جس جرم پر شبہ ہو وہ واضح، ظاہر اور شک و شبہے سے پاک جرم نہیں ہے۔ اس میں شفقت و تخفیف کی ضرورت ہوتی ہے۔ سزا کے ثبوت میں اس امر کی کافی گنجائش ہوتی ہے کہ صرف ڈھیٹ مجرم ہی پھنس سکے۔ کیونکہ حالتِ زنا میں چار گواہوں کا اسے دیکھنا، سب کا متفق اللسان ہو کر اس فعل کے وقوع کی گواہی دینا، ان میں سے ایک کا بھی شک و شبہ میں مبتلا نہ ہونا اور سب کا شرعاً قابلِ شہادت (عادل) ہونا شرط ہے۔ اگر ان میں سے ایک شرط بھی مفقود ہو تو رجم یا کوڑوں کی سزا خارج از بحث ہو گی۔

اس کے ساتھ جب ہم یہ بھی جان لیں کہ دروازے اور دیواریں پھاندنا اور رہائشی مکانوں میں بلا اجازت گھسنا ممنوع ہے، تو ثابت ہو جاتا ہے کہ سزا قائم کرنے کے لیے اس جرم کا قانونی ثبوت اور اسلام کی مقرر کردہ شرائط کے مطابق گواہوں کا اسے دیکھنا صرف بدنامی کی حد تک ڈھٹائی کے ساتھ اور عوامی مقامات پر کھلے بندوں ارتکاب کی صورت میں ہی ممکن ہے۔ یہی وہ چیز ہے جسے اسلام بدکاری اور بے حیائی کی اشاعت کہتا اور عزت و ناموس کو برسرِ عام بدمعاشی اور بیہودگی کی نذر کرنا ٹھیراتا ہے۔ درست فطرت اور سلیم الطبع لوگوں کے نزدیک ان

Marfat.com

کی سزا کو سنگدلی سے ہرگز تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔

جھوٹی سچی تہمتوں کی اشاعت کو روکنے کی خاطر اسلام ہر اس شخص کو کوڑے لگانے، آئندہ کو اعتماد و اعتبار سے محروم ہونے اور ناقابلِ شہادت ٹھیرانے کی سزا دیتا ہے جو کسی پاکباز عورت پر تہمت لگائے اور چار گواہ پیش نہ کرے۔ قرآن کا ارشاد ہے:

وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَةً وَّ لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (النور: ۴-۵)

"اور جو لوگ پاکباز عورتوں پر بہتان لگاتے ہیں اور پھر چار گواہ پیش نہیں کرتے انہیں اسّی دُرّے لگاؤ اور ان کی گواہی کو کبھی قبول نہ کرو اور اللہ کے نزدیک یہی لوگ فاسق ہیں۔ ہاں! جو اس کے بعد توبہ اور اپنی اصلاح کر لیں تو بلا شبہ اللہ غفور و رحیم ہے۔"

یہ حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ تہمت تراشی عام نہ ہو سکے اور لوگوں کے دلوں اور گھروں میں قلق و اضطراب نہ پھیلے۔ جس معاشرے میں بدگوئی پھیل جائے اس میں اعتماد اور وثوق مفقود ہو جاتا ہے اور اس کی جگہ شکوک و شبہات اور خوف کی فضا لے لیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:-

لَا یُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِیْعًا عَلِیْمًا ۝ (النساء ۱۴۸)

"مظلوم کے سوا کسی کی طرف سے اللہ تعالیٰ علی الاعلان بدگوئی کو پسند نہیں کرتا اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔"

جب یہ تہمت خاوند کی زبان سے ادا ہو اور اُس کے پاس گواہ نہ ہوں، تو گھروں کے حالات اور گواہوں کے متعذّر ہونے کو مدِّنظر رکھتے ہوئے اسلام اسے تہمت کی سزا نہیں دیتا بشرطیکہ وہ اپنی سچائی پر چار مرتبہ اللہ کی قسم کھائے اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہے۔ اسی طرح عورت بھی سزا سے بچ جاتی ہے اگر چار مرتبہ خاوند کے جھوٹا ہونے

Marfat.com

کی قسم کھائے اور پانچویں مرتبہ یہ قسم کھائے کہ اگر وہ سچا ہو تو اُس (عورت پر) اللہ کا غضب ہے۔

اس باب میں ارشادِ خداوندی ہے کہ :-

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝

(النور : ۶ - ۷)

"اور جو لوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگائیں اور اپنے سوا ان کا کوئی گواہ نہ ہو تو ان میں سے ایک کی شہادت یوں ہو گی کہ وہ چار مرتبہ قسم کھا کر شہادت دے گا کہ وہ سچا ہے، اور پانچویں قسم یوں کھائے گا کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت۔ اور عورت سے سزا کو یہ چیز دُور کر دے گی کہ وہ چار دفعہ گواہی دے کہ میرا خاوند جھوٹا ہے، اور پانچویں مرتبہ یہ قسم کھائے گی کہ اگر وہ سچا ہو تو مجھ پر خدا کا غضب نازل ہو۔"

طلاق

اب جہاں تک طلاق کا سوال ہے، سو وہ اس خلا میں امن و سلامتی کی مضبوطی کا باعث ہے۔ حلال چیزوں میں سے وہ اللہ کو سب سے زیادہ ناپسند ہے، مگر وہ ایک ایسی ناپسندیدہ چیز ہے جسے ضرورت جائز ٹھیراتی ہے۔ ضرورت کا مطلب یہ کہ جب گھر کا امن کسی طرح سے بھی قائم نہ رہ سکے تو اُس کی فضا میں حقیقی امن و سلامتی کو قائم کرنے کے لیے اس کی ضرورت پڑتی ہے۔ سلیم العقل لوگ اس حقیقت کا اپنی زبانوں سے ایسا کھلا اعتراف کرتے ہیں کہ اس کے انکار میں نام نہاد ماہرین کی ڈینگیں قطعًا بے فائدہ ہیں۔ اسی طرح شاعروں کے خواب بھی اس کے وجود کی نفی نہیں کر سکتے۔ زندگی میں بعض دفعہ ایسے واقعی حالات سے سابقہ پیش آتا ہے جن میں ازدواجی زندگی ناممکن ہو جاتی ہے۔ ایسے حالات میں زوجین کو زبردستی علاقۂ زوجیت کو قائم رکھنے

Marfat.com

پر مجبور کرنا کوئی اچھا نتیجہ پیدا نہیں کر سکتا، نہ اس سے امن و سلامتی پیدا ہو سکتی ہے۔

اسلام زوجیت کے مقدس رشتے کو پہلے ہی قدم پر اور اختلاف کے پہلے ہی ظہور پر قطع نہیں کر دیتا۔ وہ اس رابطے کو قوت سے تھامے رکھتا ہے، ناموافق حالات میں بھی اسے حتی الوسع ٹوٹنے نہیں دیتا۔ بڑی جد و جہد کے بعد جب اصلاح سے مایوسی ہو جائے اور ازدواجی تعلق کا قیام محال نظر آئے تبھی وہ اسے ہاتھ سے جانے کی اجازت دیتا ہے۔

اس نے مردوں کو علانیہ پکار کر کہا ہے:

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ۝ (النساء: ۱۹)

"اور عورتوں سے نیکی کے ساتھ گزارہ کرو، کیونکہ اگر تم ان کو ناپسند کرتے ہو تو ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں بڑی بھلائی پیدا کر دے۔"

وہ مردوں کو آہستہ روی کی تلقین کرتا اور ناپسندیدگی کی حالت میں بھی صبر سے گزارہ کرنے کا حکم دیتا اور ان کے سامنے یہ نامعلوم کھڑکی کھولتا ہے کہ:۔

فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ۝

"ہو سکتا ہے تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں بہت بھلائی رکھ دے۔"

یعنی انہیں کیا معلوم کہ ان ناپسند بیویوں میں کسی بڑی بھلائی کا پہلو بھی ہو، اللہ انہیں اس خیر کے خزانے سے مستفید کرنا چاہتا ہو لہٰذا جائز نہیں کہ وہ اسے ہاتھ سے کھو دیں۔ اگر وہ اسے مضبوط نہیں تھام سکتے اور اس کی قدر نہیں پہچان سکتے تب بھی کم از کم صبر و ثبات تو دکھائیں۔ وجدانی میلان کو حیاء پر آمادہ کرنے اور ابھارنے کے لیے اور ناپسندیدگی پر صبر کرنے اور اس کی تیزی کو بجھانے کے لیے اس سے بڑھ کر بلیغ انداز کوئی اور نہیں ہو سکتا۔

لیکن پسند اور ناپسند کا معاملہ جب تجاوز کر کے نفرت و بیگانگی تک پہنچ جاتے تو پھر اسلام کے پاس اس کا علاج صرف طلاق ہی نہیں ہے۔ بلکہ وہ کہتا ہے کہ اب اس معاملے کی ذمہ داری کچھ اور لوگ لیں اور بھلے انسان زوجین میں موافقت پیدا کرنے کی کوشش کریں:

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا

Marfat.com

مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿ النساء: ۳۵ ﴾

"اور اگر تمہیں زوجین میں جدائی کا خوف ہو تو ایک ثالث مرد کے گھر والوں کی طرف سے اور ایک ثالث عورت کے گھر والوں کی طرف سے مقرر کر دو۔ اگر یہ دونوں اصلاح چاہیں گے تو اللہ زوجین میں موافقت پیدا کر دے گا، یقیناً اللہ بہت علم والا خبردار ہے۔"

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۭ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۭ (النساء: ۱۲۸)

"اور اگر کوئی عورت اپنے خاوند کی طرف سے بے تعلقی یا اعراض سے ڈرتی ہو تو اس بات میں کوئی حرج نہیں کہ وہ دونوں آپس میں صلح کر لیں، اور صلح بہت اچھی چیز ہے۔"

اگر یہ ثالثی بھی مفید ثابت نہ ہو تو پھر معاملہ انتہا کو جا پہنچا۔ اب حالات ایسے پیدا ہو گئے ہیں کہ ان کے ساتھ زندگی میں استقامت اور قرار باقی نہیں رہ سکتا۔ زوجین کو اس حالت پر روکے رکھنا ایک کھوکھلی کوشش ہے اور جبر اس کے کھوکھلا پن میں مزید اضافہ کرتا ہے۔ عقل مندی کا تقاضا یہی ہے کہ واقعات کو تسلیم کیا جائے۔ اس قسم کی ازدواجی زندگی کو کراہت کے ساتھ ختم کرنا اسلامی تقاضا ہے کیونکہ اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ترین حلال چیز طلاق ہے۔ یہ بھی عین ممکن ہے کہ یہ تفریق زوجین کے دل میں زندگی کو از سر نو دوبارہ شروع کرنے کی جدید رغبت پیدا کر دے، کیونکہ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ جب کوئی چیز مفقود ہو جاتی ہے تو ہم اس کی تلاش کرتے ہیں اور جب اس سے محروم ہو جائیں تو اس کی اچھائیوں کو یاد کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ابھی موقع ضائع نہیں ہوا۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۠ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ۭ

(البقرة: ۲۲۹)

"طلاق دو مرتبہ ہے۔ پھر یا تو نیکی کے ساتھ روک لینا ہے یا احسان کے ساتھ رخصت کرنا۔"

جب زوجین کی ملاقات ہو چکی ہو تو پہلی طلاق کے بعد عدّت کا ذکر ہوتا ہے جو حمل نہ ہونے کی صورت میں تقریباً تین ماہ ہوتا ہے اور حمل کی صورت میں پیدائش تک۔ مرد کا فرض ہے کہ

Marfat.com

اس وقفے میں عورت کو نفقہ دے اور نفقہ میں کنجوسی نہ کرے۔ اس وقفے میں اگر وہ نادم ہو چکا ہو تو رجوع بھی کر سکتا ہے۔ رجوع کے بعد وہ دونوں جدید نکاح کے بغیر ہی از سرِ نو زندگی شروع کر سکتے ہیں۔ یہ طلاق رجعی ہے اور نہایت آسانی سے از سرِ نو تعلّقات کی بحالی کے قابل ہے۔

اگر عدت کا زمانہ رجوع کے بغیر گزار دیا جائے تو طلاق بائن ہو گئی۔ لیکن اس میں بھی ابھی موقع موجود ہے، کیونکہ زوجین اگر چاہیں تو جدید نکاح کے ذریعے سے از سرِ نو ازدواجی زندگی شروع کر سکتے ہیں۔

طلاقِ اوّل گویا زوجین کے لیے پہلا تجربہ ہے جو ان کے جذبات کی حقیقت کو کھول کر رکھ دیتا ہے اور جن اسباب سے ان میں جدائی ہوئی تھی ان کی قدر و قیمت بھی ظاہر ہو جاتی ہے۔ جب یہ اسباب بار بار پیدا ہوں یا کوئی اور سبب نیا پیدا ہو جائے اور خاوند دوسری مرتبہ طلاق دے دے تو اب صرف ایک فرصت ——— تیسری طلاق ——— باقی رہ گئی ہے، اور دوسری طلاق میں اس کا خطرناک پیغام موجود ہے۔ سو دوسری کے بعد بھی اگر زوجین محسوس کریں کہ نئے سرے سے زندگی شروع کرنے کی ان میں استطاعت باقی ہے ان کے جذبات و شعور میں محبّت کا کوئی بقیہ موجود ہے، دلوں کی گہرائی میں مدفون محبّت باقی ہے تو اپنی ازدواجی زندگی کو از سرِ نو شروع کر سکتے ہیں۔

مگر جب تیسری طلاق بھی واقع ہو گئی تو اب بیماری گہری ہو چکی اور علاج بے فائدہ ہے، اب ان دونوں کے لیے بہتر یہی ہے کہ اپنی اپنی راہ لیں۔ اگر خاوند ایک فعلِ عبث میں لگا ہوا تھا تو اب بہتر یہی ہے کہ وہ اس فعلِ عبث یا جلد بازی کا نتیجہ بھگتے۔

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ

(البقرہ: ۲۳۰)

"پھر اگر وہ تیسری طلاق بھی دے دے تو اس کے بعد یہ عورت اس کے لیے اس وقت تک حلال نہیں جب تک کسی اور خاوند سے نکاح نہ کر لے۔"

لیکن یہ نکاح اس حلالے کے طور پر نہ ہو جو عوام میں مشہور ہے۔ اسلام اسے تسلیم نہیں کرتا اور اس کا قانون اسے جائز قرار نہیں دیتا۔ بلکہ یہ نکاح حقیقی نکاح ہونا چاہیے کہ زوجین

Marfat.com

کی نیت اس میں ہمیشہ ساتھ رہنے کی ہو نہ کہ کسی مخصوص وقت تک کے لیے۔ اس کے بعد اگر کسی وجہ سے ایسا ہو جائے کہ اس نئے خاوند نے بھی اس عورت کو طلاق دے دی یا فوت ہو گیا تو اب شرعی احکام کی روشنی میں پھر یہ دونوں[1] باہم رجوع کر سکتے اور زندگی کا سفر از سرِ نو شروع کر سکتے ہیں۔

اس میدان میں ہمارے لیے جائز نہیں کہ اسلام نے ہر قدم اور ہر مرحلے پر باہمی حسنِ سلوک اور نان و نفقہ کی پوری ادائیگی کے جو احکام دیئے ہیں، انہیں نظر انداز کر دیں۔ وہ یہ احکام اس لیے دیتا ہے کہ عدت کے وقفے میں ایک دوسرے سے ہٹے ہوئے دلوں میں الفت پیدا کرے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ باہمی مودت پھر لوٹ آئے، فاصلے پٹ جائیں اور نئے سرے سے پاک صاف زندگی پھر شروع ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ ط وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا ط وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ط (البقرہ: ۲۳۱)

"اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت کے اختتام کے قریب پہنچ جائیں تو یا تو انہیں نیکی کے ساتھ روک لو یا نیکی کے ساتھ رخصت کر دو، اور انہیں نقصان پہنچانے اور تعدی کی خاطر مت روکو جس کسی نے ایسا کیا تو اُس نے اپنے اوپر ظلم کیا۔"

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ ط وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ ط لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِن بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَن يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ط وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا ط وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ط لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَٰلِكَ أَمْرًا ۝ فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنكُمْ

---

[1] یعنی یہ عورت اور اس کا پہلا خاوند۔ (مترجم)

Marfat.com

وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ط ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ط وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا o (الطلاق : ۱-۲)

"اے پیغمبر! جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کی خاطر دو اور عدت کو شمار کرو۔ اور اللہ، اپنے رب سے ڈرو، نہ تم انہیں ان کے گھروں سے نکالو اور نہ وہ خود نکلیں، ہاں! اگر وہ کھلی بدکاری کا ارتکاب کریں تو الگ بات ہے۔ اور یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں تم ان سے تجاوز مت کرو، اور جس نے اللہ کی حدوں سے تجاوز کیا تو اس نے اپنے اوپر ظلم کیا۔ تمہیں کیا معلوم شاید اللہ اس کے بعد کوئی اور امر پیدا کر دے۔ پھر جب وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو یا انہیں نیکی کے ساتھ روک لو یا نیکی کے ساتھ جدا کر دو۔ اور اپنے میں سے دو قابلِ اعتماد آدمیوں کی گواہی رکھ لو اور اللہ کے لیے گواہی کو قائم کرو۔ ان احکام کے ساتھ ان لوگوں کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، اور جو اللہ سے ڈرے تو اللہ اس کے لیے کوئی نکلنے کا راستہ بنا دے گا۔"

پھر یہ فراموش کرنا بھی جائز نہیں کہ عورت کو نکاح میں یہ شرط لگانے کی اجازت دی گئی ہے کہ اس کا معاملہ اس کے اپنے ہاتھ میں ہوگا۔ ایسی صورت میں جب زوجین کے باہمی اختلافات کے فیصلے کی نوبت آئے گی تو عورت کے حقوق بعینہٖ وہی ہوں گے جو اس ضمن میں مرد کو حاصل ہیں۔

سو اسلام میں طلاق کی یہ حیثیت ہے۔ یہ امن کی ایک پختہ دستاویز ہے کیونکہ اس کا استعمال صرف وہاں ہوتا ہے جہاں استعمال کے بغیر کوئی چارہ نہ رہے۔ اس کے بعد بھی ازدواجی رشتے کو بچانے کی خاطر یکے بعد دیگرے کئی کوششیں ہوتی ہیں، زوجین کو اصلاحِ حال اور باہمی رجوع پر بار بار مائل کیا جاتا ہے۔ زوجین کو ایک کے بعد دوسری فرصت ملتی ہے جس میں وہ اپنے جذبات و احساسات کا صحیح اندازہ کر سکیں، باہمی تعلقات میں جو غلطیاں رہ گئی تھیں ان کا ازالہ کر سکیں، ایک دوسرے کو سمجھنے اور طبیعت کو جانچنے میں اگر خطا ہو گئی تھی تو اس کا تدارک کر لیں، اپنی عقل و شعور کو غلط کاریوں سے بچانے کا عہد کر سکیں۔

Marfat.com

پس بتایئے کہ جاہل اور عبث کار لوگوں کے گلے اس نظام پر تنقید کرنے، اسے عیب دار ثابت کرنے اور مسخ کر کے پیش کرنے کی خاطر گرمی سے کیوں چلے جا رہے ہیں؟ وہ کہتے ہیں کہ یہ ایک ایسا نظام ہے جو مرد کے ہونٹوں سے نکلنے والے ایک لفظ سے عورت کو ہمیشہ مبتلا ئے خوف رکھتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا یہ نظام اپنی اسلامی حقیقت کے اعتبار سے ایسا ہی ہے؟ یا کیا یہ لوگوں کے دلوں کے اسلامی مرکزیت سے دُور ہونے کے باعث، معاشرے کے اسلامی نظام سے انحراف کی وجہ سے اور قوّت و حکومت کے اسلام کے ہاتھ سے نکل جانے کے سبب سے ایسا نظر آ رہا ہے؟

بلاشبہ اللہ کی نگاہ میں مکروہ ترین چیز طلاق ہے۔ یہ ایسی ناپسندیدہ شئے ہے جسے صرف ضرورت ہی مُباح کر سکتی ہے۔ لیکن جب دلوں میں فساد آجائے، اخلاق پست ہو جائیں، باہمی تعلقات کی اہمیت نہ رہے اور آوارگی کا دَور دَورہ ہو تو ذمہ داری بگڑے ہوئے معاشرے پر ہوگی نہ کہ اس بصیر و حکیم نظام پر۔ اب علاج کا طریقہ یہ نہیں کہ مُباح چیز پر پابندی لگا دی جائے اور حلال کو حرام ٹھیرا دیا جائے، بلکہ یہ ہے کہ حکومت، نظم و ضبط اور اداروں کا انتظام اسلام کو واپس لوٹایا جائے۔ جب ایسا ہوگا تو صرف اسی وقت اسلام سارے معاشرے کو اپنی تعلیمات کے رنگ میں رنگ لے گا۔ اسلامی قوانین اُس دنیا کے لیے ہیں جس کا حکمران اسلام ہو، اُس نظام کے لیے ہیں جس کی بنیاد اسلام پر ہو اور اُس معاشرے کے لیے ہیں جس کی تربیت اسلام نے کی ہو۔

اب تم حکومت کو اسلام کے سپرد کر دو، تاکہ وہ انسانی نفوس کی تربیت کرے، ضمیروں کو بیدار کرے، آوارہ گرد اور ڈھیٹ انسانوں کے ہاتھوں کو روک دے، اسلام کے کامل ارادے کو بروئے کار لائے جس کا ایک حصّہ اسلامی قوانین ہیں۔

اس کے باوجود مَیں فرض کیے لیتا ہوں کہ ایک ایسے معاشرے میں جو ہمارے گمراہ اور بیمار معاشرے کی مانند ہو، طلاق پر پوری پابندی لگا دی جائے۔ اب سوال یہ ہے کہ عورت اپنی جان اور عزّت و وقار کا کیا کرے گی؟ کیا وہ یہ چاہے گی کہ مرد تو اسے دل سے

Marfat.com

نکال پھینکے مگر قانون اسے جبراً روک رکھے؟ کیا وہ یہ چاہے گی کہ مرد تو اُس کی طلاق کو ایک کھلونا بنا لے مگر اُسے کسی صورت میں طلاق ہی نہ ہو؟ اس عبث کاری اور کھیل تماشے کا نتیجہ کیا یہ نہ ہوگا کہ عورت کو اس گھر میں زبردستی گھس آنے والی شمار کیا جائے گا؟ آہ! یہ بیکار آوارہ مزاج عورتیں عورت کو عزت واحترام کا کون سا مقام دلانا چاہتی ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے تو یہ چاہا تھا کہ عورتوں کو حقیقی عزت واکرام نصیب ہو، مگر انہوں نے اس کا انکار کیا، احکامِ الٰہی سے نکل بھاگیں اور بے وقعت ہو کر رہ گئیں۔

نکاح ایک پاکیزہ رابطہ ہے جو رضا وقبول پر ہی قائم ہوتا ہے اور باہمی رضامندی اور قبولیت پر ہی قائم رہ سکتا ہے۔ صرف طلاق کا نظام ہی اس امر کا کفیل ہے کہ یہ مقدس رابطہ اپنے اعلیٰ اصول پر قائم رہ سکے۔ ان سب چیزوں کے بعد بھی جب اُس کی زنجیریں کھل جائیں تو اس کا صاف مطلب یہ ہوگا کہ یہ بقاء کے قابل نہ تھے اور یہ کہ زوجین کے لیے اب بہتر اور باعزت تر یہی ہے کہ وہ ایک اور نئی زندگی کی طرف جھکیں۔ قرآن کہتا ہے:۔

وَإِنْ يَتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ط وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ۝ (البقرہ: ۱۰۳)

" اگر وہ دونوں جدا ہو جائیں تو اللہ ہر ایک کو اپنی گنجائش سے غنی کر دے گا اور اللہ بہت گنجائش والا بڑا دانا ہے۔"

تعددِ ازواج

تعددِ ازواج کی رخصت ایک اور ضرورت ہے جو اپنے دائرے میں امن کی مضبوطی کا فریضہ سرانجام دیتی ہے جیسا کہ طلاق کی ضرورت حسبِ اقتضاء یہی کام کرتی ہے۔ اسلام میں اس کی حیثیت محض ایک اجتماعی بچاؤ کی ہے جس کے ذریعے سے وہ افراد کی آمیزش اور بیویوں اور خاوندوں کی خواہشات سے زیادہ بڑے خطروں سے بچتا ہے۔

اس رخصت پر گفتگو کا مناسب موقع آئندہ فصل یعنی " معاشرے کا امن" ہے کیونکہ

Marfat.com

اس کا تعلق اُس فصل سے زیادہ قریبی اور زیادہ مناسب ہے۔ لیکن یہ فصل "گھر کا امن" جس میں کہ ہم اس وقت ہیں، یہ اس سے بھی بیگانہ اور غیر متعلق نہیں ہے۔ کیونکہ بلحاظِ واقعہ فرد، گھر، معاشرہ اور انسانیت سب ایک دوسرے میں داخل، باہم تعاون کرنے والے اور ایک نظم ونسق کے پابند ہیں۔ یہ حقیقت نہ صرف واقع میں ایسی ہے بلکہ زندگی کے بارے میں اسلام کا نظریہ بھی یہی ہے۔

تعدّدِ ازدواج کی اسلامی رخصت کے گرد ایک لمبا چوڑا بکواس پھیلا ہُوا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا معاشرے کی زندگی میں یہ رخصت واقعی ایک بہت بڑی آفت ہے؟ بلکہ کیا ممکن ہے کہ کسی وقت یہ اتنا بڑا خطرہ بن سکے؟ اور اسلام نے جو یہ رخصت دی ہے کیا اسے اس کے برعکس یا پابند کر ڈالنے والی قانون سازی کی ضرورت ہے؟

مَیں جوں جوں غور کرتا ہوں، یہ حقیقت واضح طور پر نظر آتی ہے کہ معاشرے کی ہر اُلجھن قانون سازی کی ایک حد تک دخل اندازی کی محتاج ہے، تاکہ اسے اعتدال پر لایا جائے یا پابند کیا جائے، لیکن تعدّدِ ازدواج کا مسئلہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ یہ اپنی الجھن کو خود بخود حل کر لیتا ہے اور اس کا وجود اسی وقت ہوتا ہے جب معاشرے کو اس کی حاجت ہو اور اس کے اوضاع واطوار اور ضرورتیں اس کا تقاضا کریں۔

یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں ریاضی کے ہندسوں کی فرمانروائی ہے نہ کہ نظریات و قوانین کی۔ مَیں نہیں جانتا کہ زبانوں کا اسے چبا چبا کر بیان کرنا کیونکر جائز ہُوا اور یہ مسئلہ ردّو اخذ اور کھود کرید کا موضوع کیونکر بنا!

ہر قوم میں مرد بھی ہوتے ہیں اور عورتیں بھی، اور جب قابلِ نکاح مردوں کی تعداد ــــــ جو اس کے لیے تیار اور خواہش مند ہوں ــــــ قابلِ نکاح عورتوں کی تعداد ــــــ جو نکاح کی طرف راغب ہوں ــــــ کے برابر ہو تو اس حالت میں عملی طور پر ناممکن ہے کہ ایک مرد ایک سے زیادہ عورتوں کو حاصل کر سکے۔ کیونکہ اس باب میں اصل فرمانروائی صرف حسابی ضروریات کو حاصل ہے!

Marfat.com

ایک مرد کے پاس ایک سے زیادہ عورت کو حاصل کرنے کی استطاعت ہونے کا مطلب دوسرے لفظوں میں یہ ہوتا ہے کہ وہاں کوئی زائد عورت موجود ہے جو اپنے مقابل کا جوڑا نہیں پاتی، اور اس باب میں ایسے مرد کا حقیقی یا حکمی طور پر غیر موجود ہونا برابر ہے۔ مطلب یہ کہ قابل نکاح عورتوں کی تعداد قوم میں مردوں کی تعداد سے زیادہ ہو، یا یہ کہ ایسے مردوں کی تعداد سے زیادہ ہو جو قابلِ نکاح ہوں اور ہر لحاظ سے اس پر قادر ہوں یا بصورتِ استطاعت انہیں نکاح کی رغبت بھی ہو۔

پس جب قابل نکاح عورتوں کی تعداد حقیقی یا حکمی طور پر مردوں سے زیادہ نہ ہو تو، جیسا کہ میں نے ابھی کہا ہے، ایک مرد کا ایک سے زائد عورت کو حاصل کر لینا ناممکن ہوتا ہے، چاہے وہ ایسا کرنا چاہے بھی! سو اس صورت میں یہ مسئلہ حسابی طور پر خود بخود حل ہو جاتا ہے!!

لیکن اس کے برعکس جب قومی توازن بگڑ جائے اور قابل نکاح مردوں کی تعداد عورتوں کی تعداد سے کم رہ جائے، چاہے یہ قلّت گنتی کے اعتبار سے ہو جیسا کہ جنگوں اور وباؤں کے بعد ہوتا ہے، جن کا شکار زیادہ تر مرد ہی ہوتے ہیں، یا کسی اور سبب سے ایسا ہو جائے، یا یہ قلّت معاشی، خاندانی یا عام اجتماعی اسباب کی بنا پر نکاح کی قدرت نہ ہونے کی وجہ سے ہو، تو فقط یہی ایک صورت ہے جس میں ایک مرد ایک سے زیادہ عورت کی استطاعت رکھ سکتا ہے!

اب ہم اس حالت کا ذرا تفصیلی جائزہ لیتے ہیں۔ آج کل اس کی قریب ترین مثال جرمنی ہے جس میں قابل نکاح تین جوان لڑکیوں کے مقابلے میں اسی عمر کا صرف ایک جوان آدمی پایا جاتا ہے (یعنی ۲۰ اور ۴۵ برس کی درمیانی عمر) اب ظاہر ہے کہ یہ اجتماعی بگاڑ کی ایک واضح حالت ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ قانون ساز جس کے پیش نظر معاشرے، مرد و عورت اور نفسِ انسانی سب کی مصلحت ہو، ایسی حالت میں اسے کیا کرنا چاہیئے؟ اس مسئلے کے صرف تین حل ممکن ہیں:

پہلا حل:

یہ ہے کہ ہر مرد صرف ایک عورت سے نکاح کرے اور باقی دو عورتیں نکاح سے خالی رہیں،

Marfat.com

زندگی بھر کسی مرد، کسی گھر، کسی بچے اور کسی خاندان کا منہ نہ دیکھیں!

دُوسرا حل:

یہ ہے کہ ہر مرد ایک عورت سے نکاح کرے اور اُسے بیوی کی حیثیت سے رکھے اور دوسری دو، یا ان میں سے ایک سے بھی ملاقات کرتا رہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ عورت اپنی زندگی میں مرد سے تو واقف ہو جائے گی مگر گھر یا بچے یا خاندان سے ناواقف رہے گی۔ اگر اس کے ہاں اپنے گہرے زنانہ جذبات کے سبب بچہ پیدا بھی ہوگا تو وہ اس سے ایک جرم کی راہ سے واقف ہوگی، اس بچے پر تہمت لگے گی اور وہ شکوک و شبہات کا ہدف بنے گا، وہ کسی معروف باپ کو نہ پہچان سکے گا۔ یہ عورت اور اس کا معصوم بچہ اس عار کو اُٹھائے پھریں گے اور ان کی قسمت میں صرف بدنصیبی ہوگی!

تیسرا حل:

یہ ہے کہ ایک مرد ایک سے زائد عورت سے نکاح کر لے اور اُسے شرف زوجیت پر فائز کر دے۔ نتیجتہً اس عورت کو خانگی امن، خاندانی ضمانت اور بچوں کی ذمہ داری حاصل ہو جائے گی۔ خود یہ مرد اپنے ضمیر کو جُرم کی آلودگی سے، گناہ کے قلق سے اور روحانی عذاب سے بچا لے گا۔ اس کے ساتھ وہ معاشرے کو لاقانونیت کی آلودگی، نسبوں کی آمیزش اور فحاشی کی زندگی سے محفوظ کر دے گا۔ وہ قوم کو ایک نئی نسل دے کر اس بحران سے بچ نکلنے کی فرصت مہیا کرے گا جس میں اس اختلال کے اسباب ——— جنگوں اور وباؤں ——— کے بعد پورا توازن پیدا ہو سکے گا۔

یہ تین حل آپ کے سامنے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اس حالت میں ان میں سے کون سا حل انسانیت کے زیادہ لائق، مردانگی کے لیے مناسب تر اور خود عورت کی عزت و آبرو کے لیے بہتر اور مفید تر ہے؟

یہ ایک ایسا مترقف ہے جس میں انتخاب کا سوال نہیں کہ یہ حل اپنا لو یا وہ دوسرا یا تیسرا اختیار کر لو۔ اس میں شاعروں کے جذبات یا افراد کی رغبتوں یا کھوکھلے بکواس کا کوئی مقام نہیں۔ یہ ایک اجتماعی، روحانی اور مادّی ضرورت ہے۔ اس کا مقابلہ عملی اور واقعاتی حدود

Marfat.com

کے اندر ہونا چاہیئے نہ کہ خیالات اور خوابوں سے۔ انہی حقائق کا تقاضا تھا کہ مسیحی جرمنی نے، جس کا مذہب تعدّدِ ازدواج کو ناجائز ٹھیراتا ہے، خوب غور و فکر کے بعد جو راہ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا ہے وہ وہی ہے جسے اسلام نے پیش کیا تھا! جرمنی اسلام کو بحیثیت دین تسلیم نہیں کرتا مگر مسئلے کا حل وہی مانتا ہے جو اسلام نے بتایا۔

ہو سکتا ہے کہ کوئی کہنے والا یوں کہنے لگے کہ: اب عورت روزی کمانے کے قابل ہو چکی ہے لہٰذا زندگی گزارنے کے لیے اُسے مردوں کی حاجت نہیں رہی۔

یہ بات کہنا کائنات اور انسان کے مزاج، فطرت اور واقعات کے خلاف سب سے بڑا جھوٹ ہے، اس لیے کہ عورت کو مرد کی ضرورت ——— اور اسی طرح مرد کو عورت کی حاجت صرف کھانے پینے تک، بلکہ صرف جسمانی مطالبات تک ہی محدود نہیں ——— گو یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ اس مطالبے کا بدل مال و دولت یا کھانے پینے کی چیزیں نہیں ہو سکتیں ——— بلکہ ہر عورت کے وجود میں ایک نفسیاتی، گہری حاجت موجود ہوتی ہے کہ وہ کسی مرد کو اپنا لے۔ عورت کو جس طرح اپنے وجود کا اعتراف ہے اسی طرح اس حاجت کا بھی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس مرد کا شعور بھی اس سے بعید نہیں ہے، کیونکہ اسی سبب سے کسی عورت کی کسی مرد پر فریفتگی اُس مرد کے نزدیک ایک بہت بڑی بات ہے۔ اس سے معاشی سبب کی وہ خرافات باطل ہو جاتی ہیں جسے بعض مادّی نظریات و مذاہب والے سطحی لوگ بیان کرتے ہیں کہ عورت کو مرد کی حاجت اس لیے ہے تاکہ وہ اس کی مادّی ضروریات کا کفیل بنے۔ کیونکہ مرد کو تو عورت کی مالی سرپرستی کی حاجت نہیں ہوتی لیکن اس کا کیا سبب ہے کہ جب کوئی عورت اسے پسند کرتی ہے کہ وہ ایسی فرحت و نشاط اور عزت افزائی محسوس کرتا ہے جو کسی اور چیز میں نہیں پاتا؟ یقیناً یہ قدرتِ خداوندی کا بلند ترین ارادہ ہے جس نے دونوں جنسوں میں یہ حاجت رکھ دی ہے تاکہ ان دونوں سے زندگی وجود میں آئے اور دونوں کو تعمیر اور نشوونما کے کام میں لگائے!

پس جب تک اس زمین پر ایسے اسباب و حالات پائے جائیں گے جن میں دونوں جنسوں کے درمیان توازن کم ہو جائے یا سرے سے معدوم ہو جائے، تو سب سے

Marfat.com

زیادہ باعزت حل ، بہترین علاج اور محفوظ ترین بچاؤ یہی رخصت ہے جسے اسلام نے رائج کیا ہے ، اور اسے ریاضی کے ہندسوں کے سپرد کر دیا ہے ۔ یہ رخصت اپنا علاج خود کر لیتی ہے کیونکہ یہ پائی ہی صرف اس وقت جاتی ہے جب کہ پختہ عددی واقعات اس کے وجود کا تقاضا کریں ۔ جب یہ ہندسی حساب والی ضرورت موجود نہ ہو گی تو اس رخصت کا وجود ہو ہی نہیں سکتا چاہے انسان اس کا ارادہ ہی کیوں نہ کرے ۔

اب میں ان بے لگام بکواسی مردوں اور عورتوں کی طرف بڑھتا ہوں جو بے معنی اور فضول گفتگو کیا کرتے ہیں اور بالکل واضح حقائق کو بھی نہیں پا سکتے ، میں آگے بڑھ کر ان سے پوچھتا ہوں کہ : کیا تم نے کبھی ایسا ہوتے دیکھا یا سنا ہے کہ ایک مصری نوجوان نکاح کرنا چاہتا تھا اور اسے کوئی جوان لڑکی اس سبب سے نہ مل سکی کہ وہاں ایک دوسرا لالچی اور شہوت پرست یا عیش پسند مالدار شخص موجود تھا جو ایک سے زیادہ بیوی حاصل کیے بیٹھا تھا ، پس اس نے اپنے ساتھی کو بیوی کے حصول سے محروم کر دیا کیونکہ نوجوان لڑکیوں کی وافر تعداد موجود نہیں ہے ؟

ہاں ! میں ایسے حالات بھی جانتا ہوں کہ جن میں فوری اشتعال یا اچانک حاصل ہو جانے والی دولت مندی یا حیوانی شہوت ہی اس چیز کا سبب بنی تھی کہ آدمی تعدد ازدواج کی جانب گردن اٹھاتا ——— اور اس بارے میں اسلام کا ایک خاص نظریہ ہے جسے ہم عنقریب واضح کریں گے ——— لیکن میں پوچھتا ہوں کہ : کیا اس شخص نے کسی دوسرے کے ہاتھوں سے عورت چھین لی ہے یا یہ صورت ہے کہ اس نے معاشرے میں ایک غیر منکوحہ عورت پائی جسے نکاح کے لیے کوئی مرد نہ ملتا تھا ؟ یقیناً اگر یہ شخص اس غیر منکوحہ عورت کو نہ پاتا تو کبھی حیوانی شہوانیت یا فوری اشتعال یا اچانک ملنے والی دولت کی گرمی کے تقاضے پر نکاح کے ذریعے سے لبیک نہ کہہ سکتا ! کیا اس بارے میں کوئی جھگڑا ہو سکتا ہے ؟

یہاں پر کہا جا سکتا ہے کہ : معاشی اور بعض دوسرے اجتماعی اسباب بعض مردوں کو ایک سے زیادہ عورتیں حاصل کر لینے کی زائد قوت بخشنے میں اثر انداز ہوتے ہیں اور

Marfat.com

دوسروں کو اس موقع سے محروم کر دیتے ہیں۔ کیونکہ غیر شادی شدہ عورتوں کا وجود اس بات کی دلیل نہیں کہ مردوں کی تعداد میں واقعی کمی ہے، بلکہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بعض مردوں کے پاس معاشی اور اجتماعی قوت میں کمی موجود ہے۔

یہ بات درست ہے، لیکن اس کا مناسب علاج یہ ہے کہ اُن اجتماعی اور اقتصادی احوال کو درست کیا جائے جو معاشرے کے جسم میں یہ بگاڑ پیدا کرتے ہیں۔ یہ علاج نہیں ہے کہ حقِ نکاح پر پابندی لگادی جائے۔ یہ ایک عارضی علاج ہے جو بیماری کے پوشیدہ اسباب کا قلع قمع نہیں کر سکتا۔

اگر اس معاملے کو اسلام پر چھوڑ دیا جائے تو وہ اس اجتماعی بگاڑ اور اقتصادی خلاء کو نہیں چھوڑے گا، کیونکہ وہ اپنے مزاج کے لحاظ سے معاشرے میں ہمہ جہتی تناسب اور توازن قائم کر دیتا ہے اور تمام ارکانِ معاشرہ کے لیے کافی ضمانتیں مہیا کرتا ہے۔ ان ضمانتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ عورت نکاح کے وقت یہ شرط رکھ لے کہ خاوند اُس پر دوسری بیوی لاکر اسے ضرر نہ پہنچائے گا۔ سو اس شرط کے مطابق یا تو مرد نکاحِ ثانی نہیں کر سکتا یا پہلی بیوی کو طلاق دے کر ہی ایسا کر سکتا ہے کیونکہ اسے طلبِ طلاق کا حق حاصل ہو چکا ہے۔

مطلب یہ نکلا کہ اسلام اس معاملے کا علاج مجموعی طور پر کرتا ہے، جزئیات خود بخود درست ہو جاتی ہیں۔ وہ ٹکڑے ٹکڑے کر کے الگ الگ اجزاء کے معمولی اور چھوٹے چھوٹے حل پیش کر کے علاج نہیں کرتا۔ یہ حل بالکل مختصر اور پیش پا افتادہ ہیں جیسا کہ نادان بے لگام مرد اور بکواسی عورتیں چاہتی ہیں۔

اسلام اس حقیقت سے بھی غافل نہیں کہ مردوں میں بعض غیر معمولی طبائع بھی ہوتی ہیں جو ایک عورت پر اکتفا نہیں کر سکتیں اور لازماً دوسری اور تیسری کی تاک جھانک میں رہتی ہیں۔ پس اگر انہیں دوسری عورتیں علانیہ شریفانہ نکاح کے ذریعے سے میسر نہ آئیں تو وہ کسی نہ کسی طرح انہیں عالمِ فسق و فجور میں پالیں گی۔ اس طرح نہ صرف معاشرہ بدامنی کا شکار ہوتا ہے بلکہ پہلی بیوی اور گھر بھی بے اطمینانی اور بدنظمی کا ہدف بن جاتے ہیں۔ گھر میں شکوک و شبہات پرورش پاتے ہیں اور ان کی فضا سے امن و امان رخصت ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

پس کیا احتیاط اور سچائی کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ ہم منظّم، شریفانہ ازدواج کے دائرے کو اس قسم کی طبائع کے لیے کچھ وسیع کر دیں؟ بجائے اس کے کہ انہیں چوری، سازشیں اور اپنے اور دوسروں کے نفوس کو گندگی سے آلودہ کرنے کے لیے چھوڑ دیں اور لوگوں میں فحاشی پھیل جائے۔ جیسا کہ یورپ میں فی الواقع ایسا ہو چکا ہے۔ یورپ نے شریفانہ تعدّدِ ازدواج پر پابندی لگائی تو ہر طرف حرام کاری اور غیر شریفانہ تعدّد کا اسے مقابلہ کرنا پڑ رہا ہے۔

اگر اس قسم کی خواہشات کا مقابلہ عملی زندگی میں مردوں اور عورتوں کی تعداد کے توازن میں بگاڑ کی صورت میں رُونما نہ ہوا کرتا تو اسلام کے لیے یہ نہایت آسان تھا کہ ان خواہشات کی قطعًا پروا نہ کرتا، انہیں دبا دیتا اور سزائیں مقرر کر کے ایک ہی عورت پر اکتفا کرواتا حتیٰ کہ یہ خواہشات بالکل مر جاتیں۔ لیکن جیسا کہ ہم پیچھے بتا چکے ہیں، معاملہ آخر کار حسابی اعداد پر آ رہتا ہے۔ اس باب میں فیصلہ کن چیز یہی ہے۔ محض حد بندی یا پابندی فیصلہ کن نہیں۔

ممکن ہے کہ یہاں بطورِ مجادلہ یوں کہہ دیا جاتے کہ: جب معاملہ یوں ہے جیسا کہ آپ نے بیان کیا، تو پھر اسلام نے تعدّدِ ازدواج کی آخری حد کیوں مقرر کی ہے؟ اور اُس نے معاملے کو سراسر زندگی کے مزاج اور حسابی فیصلے پر ہی کیوں نہیں چھوڑ دیا؟

یہ محض ایک جدلی اعتراض ہے۔ ورنہ ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ اسلام کے نزدیک یہ رُخصت ضرورت کی بناء پر ہے اور ضرورت کے مواقع حاجت پر ہی منحصر ہوتے ہیں، اور حاجت کی آخری مقدار چار ہے۔ وجہ یہ ہے کہ معاشرے کا عددی بگاڑ عادۃً اس حد سے زائد نہیں ہو سکتا، بلکہ اس حد تک بھی کم ہی پہنچتا ہے۔ نیز چار کی حد بندی یہ بھی ظاہر کرتی ہے کہ تعدّدِ ازدواج کی آزادی ضرورت کی خاطر ہے کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ملحوظ رہے کہ یہ رُخصت شرطِ عدل کے ساتھ مقیّد ہو کر آئی ہے:

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً ط (النساء : ۳)

"پھر اگر تمہیں خوف ہو کہ عدل نہ کر سکو گے تو ایک ہی پر اکتفاء کرو۔"

اور عدل سے یہاں یہ مراد ہے کہ نان و نفقہ میں، حُسنِ سلوک میں اور کفایت میں عدل کی سب اطراف ——— مالی، جسمانی اور نفسیاتی ——— کو ملحوظ رکھا جاتے لیکن

Marfat.com

شخصی قلبی میلان جو زندگی کے ظاہری اطوار پر اثر انداز نہ ہو اُس میں عدل انسان کی طاقت میں نہیں ہے۔ اس باب میں صرف یہ مطلوب ہے کہ اس میلان کا اظہار نہ کیا جائے مبادا دوسری عورت یوں رہ جائے گویا اُدھر لٹکی ہوئی ہے۔

"وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ۔ (النساء: ۱۲۹)

"اور گو تم کتنی بھی حرص کرو عورتوں کے درمیان ہر لحاظ سے کبھی عدل نہ کر سکو گے، پس پوری طرح ایک ہی طرف مت جھکو کہ دوسری کو اُدھر لٹکی ہوئی کی مانند چھوڑ دو۔"

جو لوگ اس معاملے کو صرف ایک زاویئے سے دیکھتے ہیں وہ غلطی کرتے ہیں۔ عین ممکن ہے کہ نکاح ثانی سے پہلی بیوی ضرر محسوس کرے۔ لیکن یہ بیوی ہرگز مُنصف نہ کہلا سکے گی جب تک اپنے آپ کو اس دوسری کی جگہ رکھ کر نہ سوچے جو نکاح کے بغیر تھی۔ اگر یہ اُس کی جگہ ہوتی تو کیا وہ اس مرد کو قبول نہ کر لیتی جو اسے باعزت شریف بیوی بنانے کے لیے اُس کی طرف بڑھتا اور اس کی حیثیت ایک چھنال، بدنام دوست کی نہ رکھتا؟ اسی طرح ہمیں اور کئی چیزوں کا لحاظ رکھنا بھی لازم ہے۔ مثلاً اس بیمار بیوی کے حالات پیش نظر رکھنے ہوں گے جس کا خاوند اسے طلاق بھی نہیں دینا چاہتا مگر اس کے ساتھ ایک اُستوار زندگی بھی بسر نہیں کر سکتا۔ اسی طرح وہ بانجھ عورت جو خاوند کو بہت عزیز ہے کہ نہ وہ اولاد کے قابل ہے نہ اسے طلاق دی جا سکتی ہے، وعلیٰ ہذا القیاس۔

اسلام نے تعدّدِ ازدواج کی رخصت دے کر امن و سلامتی کے قیام کا ارادہ کیا ہے، زندگی کو اس کے تمام احوال و متعلقات سمیت متوازن و منظم بنانے کا اہتمام کیا ہے، زندگی کی تمام آرزوؤں اور ضروریات کا صحیح اندازہ کیا ہے، رنج و الم اور تکالیف کا موازنہ کیا ہے اور سب سے ہلکے اور باعزت ضرر کو اختیار کیا ہے۔ غیر ذمہ دار مرد عورتیں اسلام کے حساب میں داخل نہیں کیونکہ وہ ان کی لایعنی باتوں سے بہت ارفع و اعلیٰ ہے۔

Marfat.com

خاندانی کفالت

اب ہم خاوند اور بیوی کی شخصیتوں سے آگے بڑھتے ہیں تو ہمیں دکھائی دیتا ہے کہ اسلام اس تمام خاندان کے امن و سلامتی کا اہتمام کرتا ہے جو ایک گھر میں سکونت پذیر ہو۔ وہ خاندان کے تمام افراد کے باہمی تعلقات کو منظم کرتا اور ان سب میں باہمی کفالت پیدا کرتا ہے۔ اس باہمی کفالت میں کچھ حقوق و فرائض ہوتے ہیں، کچھ آسائشیں اور ذمہ داریاں ہوتی ہیں۔ ان سب کا نتیجہ باہمی اعتماد، زندگی اور مستقبل کا سکون و اطمینان اور امن و قرار کا شعور ہوتا ہے۔

ویسے تو بچے کی پرورش اور نگہداشت میں صرف ماں کا جذبہ شفقت ہی کافی تھا، اور اس کی ضروریات کے اہتمام اور ماں کے اخراجات کیلیے باپ کا جذبہ پدرانہ ہی کافی تھا مگر اسلام اس گہرے جذبہ شفقت پر صریح احکام کا بھی اضافہ کرتا ہے۔ اس باب میں بھی اس کا رویہ زندگی کے دوسرے شعبوں کی مانند ہے۔ وہ عقیدے کو انسانی وجود میں پھیلاتا اور وجدان کو برانگیختہ کرتا ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی احکام کو بھی پوشیدہ اور مبہم نہیں چھوڑتا، نہ انہیں صرف وجدان اور احساس پر چھوڑ دیتا ہے۔ وہ انہیں نص کے ساتھ محدود کرتا اور قانون سازی کے ساتھ مؤید بناتا ہے۔ اسی طرح وہ بچوں کے حقوق کے متعلق بھی یہ سب کچھ کرتا ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے:۔

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ ۖ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۚ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَهُ بِوَلَدِهِ ۚ (البقرہ: ۲۳۳)

"اور مائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال تک دودھ پلائیں اس شخص کے لیے جو مدّتِ رضاعت کو پورا کرنا چاہتا ہے، اور دودھ پلانے والیوں کی خوراک اور لباس کی ذمہ داری معروف طریقے سے باپ پر ہے۔ کسی شخص پر صرف اتنا ہی بوجھ ڈالا جائے جتنی اس کی گنجائش ہو۔ نہ تو ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے ضرر دیا جائے اور نہ باپ کو اس کی

Marfat.com

اولاد کے سبب سے۔"

یہ تو والدین کے فرائض تھے۔ ان کے مقابلے میں ان کے کچھ حقوق بھی ہیں ——— اور اسلام میں ہر حق کے مقابلے میں ایک فریضہ ہے! ——— یہ حقوق ان کے فرائض کی نسبت کچھ زائد ہیں کیونکہ ان میں پدری و مادری احترام و اطاعت اور ادب بھی مناسب حد تک شامل ہیں۔ اس طرح بڑھاپے میں ان پر شفقت و عطوفت کا حال بھی ہے۔ قرآن ان معانی کو جن الفاظ میں ادا کرتا ہے ان سے مہربانی، رقت اور صفائی پھوٹی پڑتی ہے:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝

(الاسراء: ۲۳: ۲۴)

"اور تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اُس کے سوا کسی کی عبادت مت کرو اور والدین کے ساتھ نیکی کرو۔ اگر تیرے پاس ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں اُف تک نہ کہو اور انہیں مت جھڑکو اور ان سے عزت و احترام سے بات کرو۔ اور ان کے لیے رحمت کی وجہ سے عاجزی کا بازو جھکا دو اور کہو کہ اے پروردگار ان پر رحم فرما، جیسا کہ انہوں نے مجھے بچپن میں پالا تھا۔"

اور ماں کے لیے اس کی مزید مشقت اور شفقت کے باعث فرمایا ہے:

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝ (لقمان: ۱۴)

"اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے بارے میں وصیت کی ہے۔ اُس کی ماں نے دکھ پر دکھ اٹھا کر اسے پیٹ میں برداشت کیا اور پھر دو سال میں اس کا دودھ چھڑایا۔ ہم نے حکم دیا ہے کہ تو میرا اور اپنے والدین کا شکریہ ادا کر۔ میری ہی طرف واپسی ہونے

Marfat.com

والی ہے"۔

ان دو آیتوں کی طرف ایک اور لحاظ سے بھی التفات ضروری ہے۔ پہلی آیت میں والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک کو عبادتِ الٰہی کے ساتھ ملایا گیا ہے اور دوسری میں والدین کے شکریئے کو اللہ کے شکریئے سے مُتصل کیا گیا ہے۔ اس اتصال سے جس معنیٰ کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے وہ بالکل واضح ہے۔

یہ کفالتِ باہمی خاندان کے تمام افراد پر محیط ہو جاتی ہے۔ اس کے احکام پہلے قریبی رشتہ داروں (عصبات) پر عاید ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ دُور کے قرابت داروں (ذوی الارحام) کی باری بھی آ جاتی ہے۔ وراثت کا نظام بھی اسی طرح عصبات سے شروع ہوتا اور ذوی الارحام تک پہنچتا ہے۔ یہ اس لیے کہ خاندان کے اندرونی نظام میں ایک قسم کی اجتماعی ذمہ داری قائم ہو جائے۔ یہ کفالت ان اجتماعی ضمانتوں کے علاوہ ہے جو قوم اور حکومت پر فرض کی گئی ہیں۔ عنقریب مناسب موقع پر ان کا ذکر آئے گا۔

یہ وسیع خاندانی تکافل اور گھریلو معاملات کے لیے اوپر بیان شدہ اسلامی تنظیمیں، گھریلو مرکز میں امن و سلامتی کے ستون ہیں۔ ان کے متعلق اسلام کا شعار وہی ہے جسے ہم اس فصل کی ابتدا میں بیان کر چکے ہیں کہ:

"جو فرد اپنے گھر میں امن و سلامتی سے بہرہ ور نہیں ہوتا وہ امن و امان کی قیمت کو ہرگز نہیں جان سکتا اور کبھی اس کا مزہ نہیں چکھ سکتا۔ جب تک فرد کے اعصاب میں معرکہ بپا رہے گا، اس کی رُوح اضطراب کا شکار رہے گی اور وہ نفسیاتی قلق میں گرفتار رہے گا، وہ کبھی امن و سلامتی کا رکن نہیں بن سکے گا۔"

Marfat.com

معاشرے کا امن

معاشرے کے افراد کی مصلحتیں باہم گڈمڈ ہوتی ہیں، ان کی خواہشات میں مزاحمت ہوتی ہے، کھینچا تانی کی کثرت اور لین دین کی تکرار ہوتی رہتی ہے۔ اس میں افراد افکار و اشیاء کا تبادلہ کرتے ہیں، جماعتیں باہم تعامل کرتی ہیں، قوتیں مل جل کر کام کرتی اور تاثیر و تاثر کا کام انجام پاتا ہے۔ فرد، گھر اور خاندان سب معاشرے میں جذب ہوتے ہیں۔ معاشرے کی عظیم باڑ سب پر محیط ہوتی ہے، اس کا اثر سب پر چھایا رہتا ہے۔ ان سب کے مقاصد میں اس کی کارفرمائی ہوتی ہے۔ معاشرہ ان سب سے متاثر ہوتا اور سب پر اثر انداز ہوتا ہے۔

بعض اجتماعی مذاہب کا تصور یہ ہے کہ فرد اور فرد کے درمیان ہمیشہ مزاحمت اور بھاگ دوڑ کا تعلق ہوتا ہے، ایک طبقے اور دوسرے طبقے کے مابین ابدی تصادم اور عداوت کا علاقہ پایا جاتا ہے اور افراد اور اقتدار کے درمیان ہمیشہ جبر و اکراہ کا ہی تعلق ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف اسلام اعلان کرتا ہے کہ ان سب کے درمیان محبت و رحمت، باہمی ذمہ داری اور تعاون اور امن و سلامتی کا تعلق ہوتا ہے۔ وہ یہ قاعدہ مقرر کرتا ہے کہ وہ بنیاد جس پر ان سب کی زندگی قائم ہے وہ حقوق و فرائض کا باہمی توازن و تناسب ہے۔ منافع اور ذمہ داریوں کی عادلانہ تقسیم ہے اور محنت و معاوضے کے درمیان صحیح توازن ہے۔ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ ان سب کا آخری مقصد زندگی کی بقاء، اس کی نشوونما اور ترقی ہے، ان کے پیش نظر ہر

عمل و فعل اور فکر و نیت میں زندگی کے خالق، اللہ کی رضا ہونی چاہیئے۔

یہیں سے ہر انفرادی و اجتماعی عمل اور ہر تنظیم و نتیجہ خیزی کا رُخ کُلّی امن و سلامتی کی طرف پھر جاتا ہے۔ یہ کُلّی امن و سلامتی ہی ہے جو مختلف خواہشات و مقاصد، الگ الگ قوّتوں اور طاقتوں اور مختلف افراد اور جماعتوں کے درمیان نظم و نسق اور تناسب قائم کرتے ہیں۔ کیونکہ حسد کو اُبھارنے والے اور عداوتوں کی آگ تیز کرنے والے وقتی مصالح کے افق کے علاوہ یہاں ایک اعلیٰ تر اُفق بھی موجود ہے۔

مغربی مذاہب اس ماحول کا منطقی نتیجہ ہیں جس میں ان کی نشوونما ہوئی۔ یہ ماحول مغربی مادّی تہذیب کا ماحول ہے جو زندگی کی فوری اور قریب ترین مصلحت سے آگے کسی اور مصلحت کا ہرگز قائل نہیں۔ مغربی تہذیب ذات سے آگے سوچنے کے عنصر کی انسانیت سے نفی کرتی ہے۔ جب ساری زندگی پر یہ مادّی نظریہ فرماں روا ہو تو اس میں معاشرے کے مختلف طبقات کے سنگدلانہ تصادم کے سوا کسی چیز کی گنجائش نہیں رہتی، نہ معاشرے میں عمل اور پیدا آوری کے قوانین کے علاوہ کسی اور قانون کی گنجائش رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ طبقاتی جنگ کا مسئلہ ایک واقعی مادّی حقیقت بن چکا ہے جس سے علیٰحدگی ممکن نہیں، نہ اس سے اجتناب کی کوئی اُمید ہے، اور اسی طرح اس سے تجاہل اختیار کرنے کی بھی کوئی راہ نہیں۔

لیکن جب اسلامی نظریہ زندگی کا حاکم ہو، اسلام کے اجتماعی تصوّرات عملی نفاذ کی شکل اختیار کریں اور اللہ کا قانون اس طور پر نافذ ہو جس طرح کہ اللہ تعالےٰ چاہتا ہے، نہ اُس طور پر جیسا کہ پیشہ ور مذہبی اجارہ دار اس کی تفسیر کرتے ہیں، اس وقت مادّی جبریّت اور طبقاتی جنگ کا ناگزیر ہونا ایسے مسائل ثابت ہوں گے جنہیں دھینگامُشتی سے صحیح کہا جاتا ہے، حالانکہ حقیقت میں ان کا واقعیت اور عقل و منطق سے کوئی واسطہ نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ان مسائل کی فرمانروائی ایک اور ماحول میں ہے، یہ ایک اور نظام تیار کرتے ہیں۔ اُس ماحول میں مادّی افکار کی بالادستی ہے لہٰذا ان مسائل کو اُنہی سے غذا ملتی ہے۔ یہ مادّی نظریات زندگی کے اعلیٰ ترین مقاصد کی نفی کرتے ہیں۔

Marfat.com

اِسلام اس امن کی بنیاد صرف فرد، صرف جماعت یا صرف کسی خاص طبقے کی مصلحت پر نہیں رکھتا، نہ اس کے پیشِ نظر محض ایک خاص سیاسی نظریئے کا تسلّط و اقتدار ہے۔ وہ اس امن کو ان سب کی خاطر اور سب کے اوپر قائم کرتا ہے۔ وہ ہر محنت کش کو اس کی مزدوری دیتا ہے، ہر فرد، ہر جماعت اور ہر تسلّط و اقتدار کے لیے چند حدود کھینچ دیتا ہے، کہ بطورِ نتیجہ بے لاگ عدل و انصاف قائم ہو سکے۔ اسلامی قانون جسے کسی فرد، طبقے یا سیاسی گروہ نے نہیں بنایا، صرف وہی ایک ایسا قانون ہے جو افراد کی طرف میلان طبقاتی جانبداری اور سیاسی رو رعائیت سے پاک ہے، یہی سبب ہے کہ وہ قانون ایک طبقے پر دوسرے کے ظلم وستم کے درمیان رکاوٹ ہے۔ طبقاتی جنگ جسے آجکل کے مادی مذاہب ایک ناگزیر ضرورت سمجھتے ہیں، اس سے بچاؤ کا فقط یہی ذریعہ ہے۔ ان مادّی نظریات نے چونکہ مغرب میں طبقاتی جنگ کو ناگزیر ضرورت پایا ہے، بلکہ اسلام کے مدعی معاشروں میں بھی ایسا ہی پایا ہے —— حالانکہ اسلام ان سے بری ہے! —— لہٰذا وہ ایسا سمجھنے لگے ہیں۔ حالانکہ گہری نظر سے دیکھیں تو یہ ایک خاص قسم کے ماحول کے لیے عارضی اور محدود چیز ہے، اور یہ ماحول اپنے بنیادی اجزاء کے اعتبار سے اِسلامی زندگی کے بنیادی اجزاء سے یکسر مختلف ہے۔

اب ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ اسلام دائرۂ حیات میں کامل و مکمّل عدل پر قائم ہونے والے امن کے بارے میں اپنے کُلّی فکر کو کس طرح بروئے کار لاتا ہے؟

محبّت ورحمت کا وجدان

اسلام معاشرے کی بنیاد سب سے پہلے افراد کی ضمیروں اور وجدان میں رکھتا ہے، وہ وہاں روح کی گہرائیوں میں محبت کا بیج بوتا اور رحمت کی بادِ نسیم چلاتا ہے یہ خالص انسانی محبت اور بے لوث انسانی رحمت ہے، اسلام لوگوں کو ان کی اوّلیں پیدائش کی طرف متوجہ کرتا ہے جو ایک جان سے ہوئی تھی۔ وہ ان کے وجدان میں نسب اور رشتے کا شعور بیدار کرتا ہے اور انہیں یاد دلاتا ہے کہ اللہ کی ایک مخلوق ہونے میں، نشوونما میں

Marfat.com

اور خدا کی طرف واپسی میں وہ سب بھائی بھائی ہیں۔ جب ان لطیف جذبات سے ان کے دل نرم ہو جاتے ہیں تو وہ باہمی فیاضی کے زیادہ قریب آجاتے ہیں، اس طرح وہ امن و سلامتی سے قریب تر ہو جاتے ہیں، مخالفت اور نزاع کے اسباب بہت کم رہ جاتے ہیں اور ان تنظیمات و قوانین کی کامیابی کا امکان پیدا ہو جاتا ہے جنہیں وہ اس امن کے قیام کے لئے تیار کرتا ہے، یہ وجدان قوانین و ضوابط کے لئے ضمانت کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کے ذریعے سے زندگی کی گاڑی آسانی اور رفق و سماحت کے ساتھ رواں ہو جاتی ہے۔

يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ○ (النساء: ۱)

"اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا، اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں اور اللہ ہی سے ڈرو جس کے واسطے سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رشتہ داریوں کے معاملے سے ڈرو، یقیناً اللہ تم پر نگران ہے"

اس طرح ساری انسانیت ایک نسب میں اور ایک معبود میں پروئی جاتی ہے تنازعے کے اسباب اور اختلافات مخفی ہو جاتے ہیں تاکہ وہ سب سے بڑا اور گہرا تعلق ظاہر ہو جائے جو اختلافاتِ اقوام و مذاہب کے باوجود سب انسانوں پر حاوی ہے۔ اس میں مختلف جنسوں، رنگوں، زبانوں اور ادیان کا کوئی امتیاز نہیں۔

جہاں تک اہل ایمان کا تعلق ہے، تو یہ بالکل ظاہر ہے کہ وہ باہمی رشتے کے لحاظ سے ایک دوسرے کے قریب تر ہیں، ان کی اخوت عقیدۂ توحید الٰہی کے باعث نہایت ہی پختہ ہے ان کا باہمی رابطہ اس عقیدے کے باعث مضبوط ہے جسے اسلام خونی رشتوں اور نسبی تعلقات سے مضبوط تر ٹھہراتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

Marfat.com

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ إِخْوَةٌ (الحجرات : ۱۰)

"یقیناً ایماندار آپس میں بھائی بھائی ہیں"

جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ"

مَثَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ إِذَا اشتكى منه عضو تداعى له سائر الجسد بِالسَّهَرِ والْحُمّٰى ۔ (بخاری و مسلم)

باہمی قرب و محبت میں ایمانداروں کی مثال ایک جسم کی مانند ہے، جب اس میں سے کسی عضو کو تکلیف ہو تو سارا جسم بیداری اور بخار میں اس کا ساتھ دیتا ہے"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مومنوں سے ارشاد فرمایا"

لا تباغضوا ولا تحاسدوا ولا تدابروا وكونوا عِبَادَ اللّٰهِ إِخْوَانًا ۔ (بخاری و مسلم)

"ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو، باہم حسد مت کرو، اور ایک دوسرے سے رُو گردانی مت کرو، اے خدا کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ"

ایمان ان میں محبّت کا ایسا رابطہ پیدا کر دیتا ہے کہ آدمی اپنی جان اور اپنے بھائی میں فرق نہیں کرتا۔

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِأَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ (بخاری و مسلم)

"تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کے لئے وہی کچھ پسند نہ کرے جو اپنے لئے کرتا ہے"

وہ تین دن سے زیادہ قطع تعلق کو ان پر حرام قرار دیتا ہے، اس عرصے میں ان کا غصّہ فرد ہو جاتا ہے اور وہ پھر محبّت و قرابت کی طرف لوٹ آتے ہیں۔

حضور کا ارشاد ہے،

لَا يحل لمسلم ان يهجر اخاه فوق ثلاث ليالٍ، يلتقيان فيعرض هٰذا وَيُعرض هٰذا ، وَخَيْرُهما الذی

یبدأ بالسلام۔ (بخاری و مسلم، ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

"کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں کہ تین دن سے زیادہ اپنے بھائی کو چھوڑے رکھے کہ جب وہ آپس میں ملیں تو یہ اس سے اور وہ اس سے منہ پھیر لے اور ان میں سے بہتر وہی ہے جو سلام میں پہل کرے"

رحمت محبت کا جوڑا ہے، اللہ تعالےٰ بار بار اور تکرار کے ساتھ اپنے آپ کو اس سے موصوف فرماتا ہے اور اپنے پیغمبر پر اسی باعث احسان جتاتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اس کے دل میں رحمت ڈال دی ہے اور آپ نرم خو اور شفیق ہیں"

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ط (آلِ عمران ۱۰۳)

"سو یہ اللہ کی کتنی بڑی رحمت ہے کہ آپ ان کے لئے نرم ہیں، اگر آپ تند خو سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے ارد گرد سے بکھر جاتے"

اور وہ مسلمانوں پر احسان جتاتا ہے کہ ان کی طرف اس رحیم و کریم پیغمبر کو مبعوث فرمایا،

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ (التوبہ: ۱۲۸)

"بلاشبہہ تمہارے پاس تم میں سے ہی ایک پیغمبر آیا ہے، تمہاری تکلیف اس پر بہت شاق گزرتی ہے، وہ تمہاری ہدایت پر حریص ہے اور مومنوں کے لئے شفیق و مہربان ہے"

اور اس نے سنگدلی کو کفر اور تکذیب دین کی علامت قرار دیا ہے۔

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝ (الماعون ۱-۳)

"کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جو دین کی تکذیب کرتا ہے؟ سو یہ وہی شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا اور محتاج کو کھانے کی ترغیب نہیں دیتا"

اور رحمت صرف اہلِ اسلام ہی کے لئے مطلوب نہیں بلکہ سب انسانوں کیلئے ہے

اِرْحَمُوْا اَهْلَ الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَآءِ۔

(ابو داؤد، ترمذی)

Marfat.com

"تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کریگا"

صرف یہی نہیں بلکہ اسلام رحمت کے وجدان کے ساتھ اپنا سب سے بڑا قدم اٹھاتا ہے اور عالم انسان سے گزر کر تمام ذی حیات اشیاء پر اسے پھیلا دیتا ہے۔ وہ ہر زندہ چیز کے بارے میں قلب انسانی کے اندر اس وجدان کی بشاشت و رقت اور نرمی ڈال دیتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

بینما رجل یمشی بطریق اشتدّ علیه العطش فوجد بئراً فنزل فیها فشرب ثم خرج فاذا کلب یلهث یأکل الثریٰ من العطش، فقال الرجل لقد بلغ هٰذا الکلب من العطش مثل ما بلغ بی فنزل البئر فملأ خُفّهٗ، ثُمّ امسکهٗ بفیه فسقیٰ الکلب، فشکر الله له فغفرله - قالوا یا رسول الله! وَاِنّ لنا فی البهائم اجرا؟ قال نعم، فی کل ذات کبدٍ رطبةٍ اجرٌ۔ (بخاری ومسلم)

"ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک آدمی کسی راستے پر جا رہا تھا، اسے سخت پیاس لگی ہوئی تھی اس نے ایک کنواں دیکھا اور اس میں اتر کر پانی پیا پھر وہ باہر نکلا تو دیکھا کہ ایک کتا زبان نکالے ہوئے کانپ رہا تھا اور پیاس کی شدت سے گیلی مٹی چاٹ رہا تھا اس آدمی نے دل میں کہا کہ پیاس کے مارے اس کتے کا وہی حال ہے جو میرا تھا، پس وہ کنویں میں اترا اور اپنا موزہ پانی سے بھر لیا۔ پھر اسے اپنے منہ سے تھاما اور کتے کو پلایا۔ اللہ نے اس کی نیکی قبول کر لی اور اسے بخش دیا۔ لوگ کہنے لگے یا رسول اللہ کیا ہمیں جانوروں کے ساتھ نیکی کا بھی اجر ملتا ہے؟ حضور نے فرمایا ہاں! ہر زندہ جان والے کے بارے میں اجر ملتا ہے"

جذبہ رحمت کو ابھارنے کی یہ آخری حد ہے۔ یہاں تک صرف وہی عقیدہ پہنچ سکتا ہے جو تمام ذی روح چیزوں کے اندر اعلیٰ رشتوں پر ایمان رکھتا ہو اور اس لیے پورے عالم وجود میں خالق کی وحدانیت اور مخلوق کی وحدت کا قائل ہو۔ یہی وہ عقیدہ ہے جو نفس انسانی پر محیط ہونے کا مستحق ہے۔ کیوں کہ انسان تمام ذی روح اشیاء میں سے زیادہ ترقی یافتہ اور

Marfat.com

اللہ کی زمین میں سب زندوں پر اس کا نائب ہے۔

انفرادی و اجتماعی آداب

اسلام لوگوں کے دل و جان میں محبت اور صفائی پیدا کرنے کی خاطر اسلام مسلمانوں کو کچھ انفرادی اور اجتماعی آداب سکھاتا ہے تاکہ وہ اس مقصد میں ممد و معاون بن سکیں۔ وہ اس بات سے منع کرتا ہے کہ نفوس میں کینے بھڑکیں اور قلوب پر بغض و عداوت کا قبضہ ہو جائے وہ قوانین و ضوابط کی مدد لینے سے پہلے ان عظیم آداب شفقت سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ گو ضرورت کے وقت وہ قانون و تعزیر سے بھی مدد لیتا ہے۔ لیکن اس کا اصل زور اخلاق و آداب پر ہوتا ہے، کیونکہ مہذب رویہ، خوب صورت آداب، اور بہتر معاملہ سب ایسی چیزیں ہیں جو اجتماعی زندگی میں خوش دلی، باہمی رضا، اور سکون و اطمینان پھیلا دیتی ہیں اور ضابطے قانون کی ضرورت کم ہی پیش آتی ہے۔ وہ دوسروں پر بڑائی جتانے اور فخر و تکبر کو ناپسند کرتا ہے قرآن کا حکم ہے۔

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ۝ وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ ۝ (لقمان: ۱۸ - ۱۹)

"اور اپنا رخسار لوگوں کے سامنے مت پھلا اور زمین میں اکڑ کر مت چل، یقیناً اللہ کسی مغرور فخر جتانے والے کو پسند نہیں کرتا۔ اور اپنی چال میں میانہ روی اختیار کر اور اپنی آواز کو پست رکھ، بلاشبہ سب سے ناپسند آواز گدھوں کی آواز ہے"

وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا ۝ (الاسراء: ۳۷)

"اور تو زمین میں اٹھلا کر نہ چل۔ یقیناً تو نہ تو زمین کو پھاڑ سکتا ہے اور نہ کبھی پہاڑوں کی بلندی کو پا سکتا ہے"

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے،

Marfat.com

اِنَّ اللّٰہَ اوحی الی ان تواضعو حتّٰی لا یبغی احد علی احدٍ وَلَا یفخر احدٌ علیٰ اَحَدٍ ۔ (مسلم ۔ ابوداؤد)

"اللہ تعالیٰ نے مجھے وحی بھیجی ہے کہ تم تواضع اختیار کرو حتّٰی کہ کوئی کسی دوسرے پر زیادتی نہ کرے، نہ کسی پر بڑائی جتائے"

اسلام اس باب میں طبائع کا لحاظ رکھتا ہے۔ لوگوں کی طبیعتیں متکبروں کو ناپسند کرتی مغروروں سے بغض رکھتی اور فخر و مباہات کرنے والوں سے تنگی محسوس کرتی ہیں، ان صفات والے لوگ گو کسی کو ذاتی طور پر برائی کا نشانہ نہ بنائیں تاہم انسانی طبیعت ایسے لوگوں کے خلاف غیظ و غضب اور عداوت کے جذبات محسوس کرتی ہے، وجہ یہ ہے کہ ایسے اخلاق والے لوگوں کا صرف ان صفات کا اظہار ہی دوسروں میں تکبر کے جذبات بھڑکا دیتا ہے اور انہیں غیر شعوری طور پر جواب دینے اور اظہار فخر پر برانگیختہ کر دیتا ہے۔

اسلام جب فخر اور نمود و نمائش کو ناپسند کرتا ہے، جو عین ممکن ہے کہ دوسروں کی اذیت کا باعث نہ بنیں، تو وہ دوسروں کے احساسات اور عزت و ناموس کو زخمی کرنے کو کیونکر برداشت کر سکتا تھا؟ یہی وجہ ہے کہ اس نے دوسروں کے جذبات کو کچلنے، ان کی عزت نفس پر ہاتھ ڈالنے اور ان کے شعور و اقدار سے کھیلنے کی حرمت کو یوں بیان کیا ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُنَّ خَیْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضًا ۭ اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَکَرِهْتُمُوْهُ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ ۝ (الحجرات: ۱۱ - ۱۲)

"اے ایماندارو! کوئی قوم دوسری قوم سے تمسخر نہ کرے، شاید وہ ان سے بہتر ہوں

Marfat.com

اور نہ عورتیں دوسری عورتوں سے ٹھٹھا بازی کریں، ممکن ہے وہ ان سے بہتر ہوں، اور ایک دوسرے کی عیب چینی مت کرو، نہ کسی کے برے نام پکارو، ایمان کے بعد بدکاری برا نام ہے، اور جو توبہ نہ کریگا تو ایسے لوگ ہی ظالم ہیں۔ اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں، اور ایک دوسرے کی جاسوسی نہ کرو اور باہم غیبت مت کرو کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ اس کو تو تم سخت ناپسند کرتے ہو اور اللہ سے ڈرو، بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا رحیم ہے۔"

اسلام نفس انسانی کے باریک ترین احساسات کا بھی لحاظ رکھتا ہے حتیٰ کہ وہ اس بات سے بھی روکتا ہے کہ تیسرے شخص کی موجودگی میں دو آدمی کوئی خفیہ بات کریں جس میں وہ شامل نہ ہو

اِذَا كَانَ ثَلٰثَةٌ فَلَا يَتَنَاجٰى اثْنَانِ دُوْنَ الثَّالِثِ فَاِنَّ ذٰلِكَ يُؤْذِيْهِ۔ (بخاری۔ مسلم۔ ابوداؤد۔ ترمذی)

"جب کسی جگہ تین آدمی ہوں تو دو آدمی تیسرے کو چھوڑ کر کوئی سرگوشی نہ کریں کیوں کہ اس سے اس کو اذیت ہوگی"۔ یہ ایک بلند اور لطیف نفسیاتی ادب ہے۔

اپنی نیکی اور صدقہ جتانا بھی اسی قبیل سے ہے، لہٰذا اس سے بھی منع کر دیا گیا۔ کیونکہ نیکی جتانا فی نفسہ ایک کمینہ عادت ہے اور اس سے ان لوگوں کو اذیت ہوتی ہے جن سے نیکی کی گئی ہو، یہی سبب ہے کہ اس سے صدقہ مٹ جاتا اور نیکی برباد ہو جاتی ہے اور شکر و اعتراف کے بجائے ناراضگی اور کینہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ

(البقرہ : ۲۶۴)

"اے ایمان والو! اپنے صدقات احسان جتا کر اور تکلیف دیکر ضائع مت کرو، اس شخص کی مانند جو اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ اور قیامت کے

Marfat.com

دن پر ایمان نہیں رکھتا، تو اس کی مثال ایک صاف چٹان کی طرح ہے، جس پر کچھ مٹی ہو پھر اسے موسلا دھار بارش پہنچی تو اسے صاف کر جائے۔ ایسے لوگ اپنے اعمال میں سے کسی چیز کے مالک نہیں اور اللہ ناشکرے لوگوں کو راہ نہیں دیتا۔"

ان آداب کے متعلق اسلام صرف سلبی حدود تک ہی نہیں رہتا بلکہ محبت کے شعور اور الفت کے احساس کو برانگیختہ کرنے کے لئے ایجابی صورت اختیار کرتا ہے اس مقصد کے لئے وہ لوگوں میں اچھی باتوں کی اشاعت کی دعوت دیتا ہے۔"

وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ ط (الاسراء : ۵۳)

"اور میرے بندوں سے کہو کہ وہ بات کہیں جو احسن ہو"

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا۔ (البقرہ : ۸۳)

"اور لوگوں سے اچھی بات کہو"

وَاِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّۃٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْھَا اَوْ رُدُّوْھَا ط (النساء : ۸۶)

"اور جب تمہیں سلام کیا جائے تو اس سے بہتر سلام کہو یا اسی کے مانند جواب دو"

وہ ہر جگہ اور ہر انسان تک سلامتی پھیلانے کا حکم دیتا ہے، چاہے اس سے جان پہچان ہو یا نہ ہو، تعارف کے طور پر صرف انسانی رابطہ ہی کافی ہے، اسی طرح تالیفِ قلوب کے لئے اور اطمینان کی اشاعت کی خاطر سلام و دعا کے لئے یہی تعلق کافی ہے۔ حضور کا ارشاد ہے

یسلم الصغیر علی الکبیر والمار علی القاعد والقلیل علی الکثیر۔ (بخاری)

"چھوٹا بڑے کو سلام کہے، گزرنے والا بیٹھے ہوئے کو اور تھوڑے زیادہ لوگوں کو سلام کہیں" جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ :

ایُّ الاسلام افضل؟ قال : تطعم الطعام وتقرأ السلام علی من عرفت ومن لم تعرف۔ (بخاری)

"اسلام میں کون سی خصلت سب سے بڑھیا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ تم کھانا کھلاؤ

Marfat.com

اور جان پہچان والے یا بے گانہ شخص ہر ایک کو سلام کہو" وہ برائی کا مقابلہ نیکی سے کرنے کی دعوت دیتا ہے۔

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ○ (فُصِّلت: ۳۴)

"احسن طریقے سے دفاع کرو تو تم دیکھو گے کہ جن لوگوں کے ساتھ تمہاری عداوت تھی وہ بھی گرم جوش دوست بن جائیں گے۔"

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ○ (الفرقان: ۶۳)

"اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر دھیمے انداز میں چلتے ہیں اور جب نادان ان سے مخاطب ہوں تو سلام کہتے ہیں۔"

اور وہ برائی سے درگزر کرنے اور غصے کے وقت ضبطِ نفس کا حکم دیتا ہے، وہ کہتا ہے کہ نفس کو عفو و درگزر اور بخشش کا عادی بنا ڈ نہ کینے اور عداوت کا۔ اس طرح اس کا تاثر زائل ہو جائے گا اور صحت مندی و فیاضی اس کی جگہ لے لیگی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ○ (الشوریٰ: ۴۳)

"اور بلاشبہ جس نے صبر کیا اور بخش دیا تو یقیناً یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔"

وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○

(التغابن: ۱۴)

"اور اگر تم معاف کر دو، درگزر کرو اور بخش دو تو بلاشبہ اللہ غفور و رحیم ہے۔"

وَالْكٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ (آلِ عمران: ۱۳۴)

"اور مومن غصے کو پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں"

وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ یَغْفِرُوْنَ ○ (الشوریٰ: ۳۷)

"اور جب کبھی وہ غضب ناک ہوں تو بخش دیتے ہیں"

وہ خرید و فروخت اور قرض کے تقاضے کے معاملات میں وسیع الظرفی کی دعوت دیتا

Marfat.com

ہے۔ حضور کا ارشاد ہے۔

رَحِمَ اللّٰہُ رجلا سَمحًا اِذا بَاعَ وَاِذا اشتریٰ واذا تقضیٰ

(بخاری و ترمذی)

"بیع و شراء اور تقاضے میں وسیع القلب آدمی پر اللہ تعالےٰ رحم فرماتا ہے" وہ لین دین میں امانت داری کا حکم دیتا ہے قرآن مجید کا ارشاد ہے۔

فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُکُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِی اؤْتُمِنَ اَمَانَتَہٗ۔

(البقرہ: ۲۸۳)

اگر تم میں سے کوئی دوسرے کو امانت دے تو امانت رکھنے والا اس کی امانت کو واپس ادا کردے۔" اور تجارت میں خیر سگالی کا حکم دیتا ہے۔ حضور نے اس سلسلے میں فرمایا:

اَلْبَیِّعَانِ بالخیار ما لم یتفرقا، فان صدقا وبیّنا بورک لھما فی بیعھما وان کتما وکذبا مُحِقَتْ بَرَکَۃُ بیعھما

(بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ترمذی)

"خرید و فروخت کرنے والے فریقین کو فسخ کا اختیار ہے جب تک کہ جدا نہ ہو جائیں اگر وہ سچ بولیں اور حقیقت ظاہر کردیں تو ان کے سودے میں برکت ہوگی، اگر حقیقت کو چھپائیں اور جھوٹ بولیں تو ان کے سودے کی برکت ضائع کردی جائے گی۔"

عداوتیں بھڑکانے اور کینے پیدا کرنے والی چیزوں سے وہ مسلمانوں کو دور رہنے کا حکم دیتا ہے، جیسا کہ جوئے بازی کی مجلسیں جن میں حرام کمائی اور منفعدی نقصان کے باعث دلوں میں عداوتوں کا اتار چڑھاؤ ہوتا ہے اور جیسے کہ شراب کی محفلیں جن میں جذبات اور یکواس پر عقل و ارادے کا کوئی کنٹرول نہیں ہوتا۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطَانُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَیَصُدَّکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَعَنِ الصَّلٰوۃِ ط فَھَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَھُوْنَ ۝ (المائدہ: ۹۱)

"یقیناً شیطان چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے سے تمہارے اندر عداوت اور بغض ڈال دے

Marfat.com

اور تمہیں خدا کی یاد اور نماز سے روک دے، سو کیا تم باز آجاؤ گے"؟

انفرادی اور اجتماعی ادب اس طرح زندگی کی فضا کو صاف کرتے اور دلوں میں محبت و الفت کی اشاعت کرنے میں اپنا کام کرتا ہے، اور واقعات و شعور کی دنیا میں معاشرے کی بنیاد امن و سلامتی پر رکھنے میں مدد دیتا ہے۔

تعاون اور باہمی ذمہ داری کا شعور

پھر اس کے بعد اسلام معاشرے میں افراد کو مشترک مصالح کے رابطے میں منسلک کرتا ہے۔ ان کے دلوں میں تعاون اور باہمی ذمہ داری کے شعور کو اور عمومی مصالح کے لئے ان پر عائد ہونے والے فرائض کے شعور کو قوی کرتا ہے، انفرادی آزادی کی حدود کو مشترک مصلحت کے پیشِ نظر قائم کرتا ہے، سب لوگوں میں یہ احساس پیدا کرتا ہے کہ معاشرے کے کچھ مشترک مقاصد ایسے ہیں جنھیں فرد اکیلا پورا نہیں کر سکتا لہٰذا انہیں سب تک پہنچانے کے لئے تعاون ناگزیر ہے، حضور نے فرمایا ہے کہ:

کُلُّکُمْ راعٍ وکُلُّکُمْ مسئولٌ عن رعیتہ، الامام راعٍ ومسئول عن رعیّتہ، والرّجل راعٍ فی اَھْلِہٖ ومسئول عن رعیتہ وَالْمَرأۃُ راعیۃ فی بیت زوجھا ومسئولۃ عن رعیتھا، والخادم راعٍ فی مال سیدہٖ ومسئول عن رعیتہ، والرجل راعٍ فی مال ابیہ ومسئول عن رعیتہ، فکلکم راعٍ ومسئول عن رعیتہ

(بخاری، مسلم، ابو داؤد، نسائی، ترمذی)

تم سب ذمہ دار ہو اور سب سے ان کی ذمہ داریوں کی بابت پوچھ گچھ کی جائے گی حاکم ذمہ دار ہے اور اسے اپنی ذمہ داری کی جواب دہی کرنی ہوگی۔ اور مرد اپنے گھر میں ذمہ دار ہے اور اسے اپنی جواب دہی کرنی ہوگی، اور عورت اپنے خاوند کے گھر میں ذمہ دار ہے، اور اس سے ذمہ داری کا سوال کیا جائے گا، اور نوکر اپنے آقا کے مال میں ذمہ دار ہے اور اپنی ذمہ داری کا جوابدہ ہے اور مرد اپنے باپ کے گھر میں ذمہ دار ہے اور اسے اپنی جواب دہی

Marfat.com

کرنی پڑے گی۔ پس تم میں سے ہر ایک ذمہ دار ہے اور اپنی ذمہ داری کے لئے جوابدہ ہے"۔

مثل القائم علی حدود اللہ والواقع فیھا کمثل قوم استھموا علی سفینۃ فاصاب بعضھم اعلاھا و بعضھم اسفلھا فکان الذین فی اسفلھا اذا استقوا مرّوا علی من فوقھم، فقالوا لو انا خرقنا فی نصیبنا خرقاً ولم نؤذ من فوقنا! فان ترکوھم وما ارادوا ھلکوا، وان اخذوا علی ایدیھم نجوا ونجوا جمیعًا

(بخاری و ترمذی)

"اللہ کی حدود پر قائم ہونے والے اور انہیں توڑنے والے کی مثال یوں ہے کہ جیسے کچھ لوگوں نے ایک جہاز پر قرعہ اندازی کی بعض کو اوپر کا حصہ ملا اور بعض کو نچلا حصہ، اب نیچے والے جب پانی لینے کو آتے تو اوپر والوں کے پاس سے گزرتے پھر انہوں نے کہا کہ اگر ہم اپنے حصے میں چھید کر لیں تو ہماری وجہ سے اوپر والوں کو تکلیف نہ ہوگی۔ پس اگر اوپر والے ان کو اپنا ارادہ پورا کرنے دیں گے۔ تو ہلاک ہو جائیں گے، اور اگر ان کے ہاتھ پکڑ لیں تو وہ بھی بچ جائیں گے اور باقی سب بھی نجات پا سکیں گے"۔

اور جماعت اپنے اندر کمزوروں کی نگہداشت، ان کی کفالت اور ان کی جانی و مالی حفاظت کے لئے جوابدہ ہے اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝

(الضحیٰ: ۹ - ۱۰)

"تم یتیم پر سختی مت کرو اور سائل کو مت جھڑکو"

اَرَاَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ ۝ فَذٰلِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ ۝ وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ ۝ (الماعون: ۱ - ۳)

"کیا تو نے اس کو دیکھا جو دین کی تکذیب کرتا ہے سو یہ وہ آدمی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کے کھانے کی ترغیب نہ دیتا ہے"

وَابْتَلُوا الْیَتٰمٰی حَتّٰی اِذَا بَلَغُوا النِّکَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْ...

Marfat.com

رُشْدًا فَادْفَعُوْا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَا اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۚ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ (النساء : ۶)

"اور یتیموں کی آزمائش کرو حتیٰ کہ جب وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں تو اگر ان میں صلاحیت پاؤ تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو اور انہیں اسراف سے اور اس خوف سے مت کھا جاؤ کہ یہ بڑے ہو جائیں گے اور جو غنی ہے اسے بالکل بچنا چاہیئے اور جو محتاج ہے اسے معروف طریقے سے کھانا چاہیئے"

اور حدیث میں ہے کہ:

مَنْ كَانَ عِنْدَهُ طَعَامُ اثْنَيْنِ فَلْيَذْهَبْ بِثَالِثٍ وَاِنْ اَرْبَعٌ فَخَامِسٌ اَوْسَادِسٌ (متفق علیہ)

"جس شخص کے پاس دو کا کھانا ہے وہ تیسرے کو ساتھ لے جائے جس کے پاس تین کا کھانا ہے وہ چوتھے کو لے جائے، جس کے پاس چار کا کھانا ہے وہ پانچویں کو اور پانچ کے کھانے والا چھٹے کو ساتھ لے جائے"

مَنْ كَانَ مَعَهُ فَضْلُ ظَهْرٍ فَلْيَعُدْ بِهِ عَلٰى مَنْ لَا ظَهْرَ لَهُ، وَمَنْ كَانَ لَهُ فَضْلُ زَادٍ فَلْيَعُدْ بِهِ عَلٰى مَنْ لَا زَادَ لَهُ (مسلم۔ ابوداؤد)

"جس کے پاس فالتو سواری ہے وہ اس شخص کو دے دے جس کے پاس کوئی سواری نہیں اور جس کے پاس فالتو سفر خرچ ہے وہ اس میں اس شخص کو حصہ دار بنائے جس کے پاس زادِ راہ نہیں"

تعاون کا مقصد حاصل کرنے کی خاطر اسلام نے سود کو حرام کر دیا ہے، کیونکہ وہ جماعت میں عداوتیں بھڑکاتا ہے، وجہ یہ ہے کہ اس بات سے زیادہ کینہ مشتعل کرنے والی اور کوئی بات نہیں ہوتی کہ کوئی حاجت مند مالدار کا تعاون حاصل کرنے کے لئے اس کے پاس جانے پر مجبور ہو مگر وہ مالدار اس فرصت کو اور ضرورت کو غنیمت جانے اور اپنے ضرورت مند بھائی پر ایک حرام ٹیکس کا بوجھ لاد دے اور اس سے قرض کی قیمت وصول کرنے لگے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

Marfat.com

اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ط (البقرہ : ۲۷۵)

"جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ اس طرح اُٹھتے ہیں جس طرح شیطان کے چھُونے سے مخبوط الحواس شخص اُٹھتا ہے۔"

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ط

(البقرہ: ۲۷۸)

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو باقی سود رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم مومن ہو۔ پھر اگر ایسا نہ کرو گے تو اللہ اور اس کے رسولؐ سے جنگ کو تیار ہو جاؤ۔"

ضرورت مندوں کو مال بطور قرض کسی فائدہ کے بغیر دینا واجب ہے تاکہ معاشرے میں مودّت و رحمت کی رُوح پھیلے اور تعاون اور باہمی ذمّہ داری کی رُوح ترقی کرے۔

وَاِنْ کَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰی مَیْسَرَةٍ ط (البقرہ : ۸۳)

"اور اگر مقروض تنگ دست ہے تو اسے فراخی تک مہلت دے دو۔"

قرض کے تقاضے میں وسیع الظرفی کا مفہوم لازم ہے تاکہ مقروض پر تنگی اور جبر نہ ہو۔ انسانی جماعت کے لائق یہی اخلاق ہے۔

علیٰ ہٰذا القیاس مذکورہ بالا مقصد کو پُورا کرنے کی خاطر اسلام نے ذخیرہ اندوزی حرام ٹھیرائی اور ذخیرہ اندوزوں پر لعنت کی ہے، کیونکہ یہ لوگ حالات کی نزاکت سے فائدہ اُٹھانے والے ہیں۔ برباد شدہ لوگوں کے خون سے ناجائز منافع حاصل کرتے ہیں، ان کی غیرت کو بھڑکاتے، جماعت میں باہمی بُغض کی رُوح کو پھیلاتے اور تعاون کے بیج کو کچلتے ہیں۔ حضورؐ کا ارشاد ہے:

من احتکر فھو خاطئ (مسلم، ابوداؤد، ترمذی)

"جو شخص ذخیرہ اندوزی کرے وہ سخت گناہ گار ہے۔"

اور اُس نے فریب دہی کو اور ناپ تول میں کمی کرنے کو حرام کیا ہے۔

Marfat.com

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ○ اَلَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ○
وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ○ (التطفیف: ۱-۳)

"ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے سخت عذاب ہے، جو لوگوں سے لیتے وقت تو پورا لیتے ہیں لیکن انہیں ناپ کر یا تول کر دیتے وقت نقصان پہنچاتے ہیں۔"

مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا (مسلم۔ ابوداؤد۔ ترمذی)

"جو ہمیں فریب دے وہ ہم میں سے نہیں۔"

اور اس نے یہ بھی حرام ٹھیرایا ہے کہ لوگوں کی اشیاء کا نقصان کیا جائے اور جو قیمت لینے کے وہ حقدار ہیں اس سے کم دی جائے۔ اس نے اس چیز کو "فساد فی الارض" شمار کیا ہے:

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ

(ہود: ۸۵)

"اور لوگوں کی چیزوں کا انہیں خسارہ مت ڈالو اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔"

پھر اس نے اہلِ اسلام کو حکم دیا کہ مل کر خدا کی رسّی کو تھام لیں، اسی محور پر باہم ملیں اور اسی کڑے کو پکڑ لیں۔ یہ حکم ان میں یہ شعور پیدا کرتا ہے کہ وہ اللہ کی توحید کے بارے میں ایک ہیں، اس کی راہ میں انہیں تعاون کرنا ہوگا اور اُس کی اطاعت میں باہم اکٹھے رہنا ہوگا:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ

(آلِ عمران: ۳: ۱۰۳)

"اور تم سب مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لو اور جُدا جُدا مت ہو جاؤ، اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو جب کہ تم دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی پھر تم اس کے انعام سے بھائی بھائی بن گئے، اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے

Marfat.com

پھر اس نے تمہیں اس سے باہر نکالا۔"

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ط (المائدہ :

"اور آپس میں نیکی اور تقوی پر تعاون کرو اور گناہ و تعدی پر تعاون مت کرو۔"

یہ تمام مرکزوں کا مرکز اور سب رابطوں کا رابطہ ہے جس پر سب آملتے ہیں، پھر وہ اُسی وحدت کو محسوس کرتے ہیں جو انہیں اکٹھا کرتی ہے اور اس ذریعے کا احساس کرتے ہیں جو انہیں دھکیل کر لاتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اجتماعی امن و سلامتی کی عمارت میں ایک اینٹ ہے، ایسی اینٹ جس کی اس عمارت میں بڑی قیمت ہے۔

زندگی کے اعلیٰ مقاصد

ان سب چیزوں کے بعد ——— یا سب سے قبل ——— اسلام اپنے معاشرے میں فرد اور جماعت کے لیے ایک انقلاب لا کر امن و سلامتی کو قائم کرتا ہے۔ وہ اُسے محدود ذات کے جہان سے اُٹھا کر اس سے بلند تر اور وسیع تر دنیا میں لے جاتا ہے۔ معاشرے میں تصادم اکثر اس وجہ سے رُونما ہوتا ہے کہ فرد کی دبی گھُٹی ہوئی طاقت کو کوئی مصرف نہیں ملتا۔ اس طاقت کے سامنے مسابقت کے ناقابل ایک تنگ میدان ہوتا ہے۔ یہی وہ وقت ہوتا ہے کہ نفس کے اُفق تنگ ہو جاتے ہیں، زندگی کے مقاصد گھٹیا ہو جاتے ہیں۔ فرد کا چھوٹا سا عملی جہان یا جماعت کی محدود دنیا ہی عمل کا میدان، اور خیال اور فکر و نظر کی جولانگاہ بن جاتی ہے۔

اسلام اس ساری صورتِ حالات کو اچھی طرح سمجھتا ہے۔ وہ فرد اور جماعت کو چھوٹے چھوٹے محدود مقاصد کی گود سے نکال دیتا ہے تاکہ انہیں آزاد زندگی کے اعلیٰ مقاصد کی فضا میں لے جا کر آزادی بخشے، فرد کی مختصر زندگی کی تنگ نائے سے نکال کر اُسے اجتماعی زندگی کی بڑی فضا میں پہنچائے اور قومیت کے تنگ نظریئے کی گھٹن سے انسانیت کے بلند اور جامع نظریئے تک رہنمائی کرے۔

Marfat.com

اس وقت فرد محسوس کرنے لگتا ہے کہ وہ اپنی ذات کے لیے نہیں بلکہ ساری انسانیت کی خاطر زندہ ہے۔ اس وقت جماعت بھی یہ محسوس کرتی ہے کہ وہ فقط اسی نسل کے لیے زندہ نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لیے ہے۔ اس وقت مسلمان محسوس کرتے ہیں کہ وہ زمین پر اللہ کے وصی اور خلیفہ ہیں، ان کی ہستیاں ان کی اپنی ملکیت نہیں، ان کی جدّو جہد صرف اپنی خاطر نہیں اور ان کی زندگی مقصد کا ذریعہ ہے خود مقصد نہیں۔ جب صورت احوال یہ ہے اور اعلیٰ اور کامل مقاصد سب انسانوں کو محیط ہیں، تو محدود انفرادی تصادم کی گنجائش کہاں نکل سکتی ہے!

اسلام مسلمانوں سے کہتا ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ط (آلِ عمران : ۱۱۰)

"تم ایک بہترین اُمت ہو جسے لوگوں کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے، برائی سے روکتے اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔"

اور وہ ان سے کہتا ہے:

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ط يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ قف وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ ط (التوبہ : ۱۱۱)

"یقیناً اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور مال جنّت کے بدلے میں خرید لیے ہیں۔ وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں، پھر دشمنوں کو قتل کرتے اور قتل ہوتے ہیں۔ اللہ کے ذمّہ تورات و انجیل اور قرآن میں برحق وعدہ ہے۔"

اور یہ بھی فرماتا ہے:

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ○ (آلِ عمران : ۱۰۴)

"اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیئے جو بھلائی کی دعوت دے، نیکی کا حکم دے

Marfat.com

اور بُرائی سے روکے اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں ۔"

اس طرح وہ ان کے سروں اور آنکھوں کو زمین سے اعلیٰ تر چیزوں کی طرف اُٹھاتا ہے اور ان کے اشخاص اور مصالح سے انہیں بلند کر دیتا ہے ۔ وہ اعلیٰ مقاصد کیا ہیں؟ عام عالمی اصلاح، نیکی کی اشاعت اور بُرائی کا قلع قمع اور ساری انسانیت کی جامع مصلحت کو بروئے کار لانا ۔ رہ گئے ان کے مال، جانیں اور محدود و قریبی مصلحتیں، سو یہ انہوں نے فیاضانہ طور پر بیچ ڈالی ہیں ۔ بلکہ یہ سودا انہوں نے ایک بہترین اور زیادہ باقی رہنے والی چیز کے ساتھ کیا ہے ۔ اس بیع کا خریدار خود اللہ تعالیٰ ہے ۔

ایمان داروں کو اس امر کا مکلف بنایا گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں تاکہ اللہ کا کلمہ سرفراز ہو جائے اور زمین امن و سلامتی کا گہوارہ بن جائے کہ اس میں کوئی فتنہ باقی نہ رہے ۔ اس بلند مقصد کی راہ میں افراد کی شخصیتوں، مصلحتوں، آرزوؤں اور خواہشات کی کوئی قیمت نہیں ہے ۔ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے:

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ط

(الانفال ۳۹)

"اور دشمنوں سے اس وقت تک جنگ کرو کہ فتنہ نہ رہے اور اطاعت ساری صرف اللہ کی ہو جائے ۔"

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مَنْ جَاهَدَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ترمذی)

"جس شخص نے صرف اس لیے جہاد کیا کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو جائے تو وہی اللہ کی راہ میں لڑتا ہے ۔"

لَا يَدَعُ قَوْمٌ الْجِهَادَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِلَّا ضَرَبَهُمُ اللّٰهُ بِالذُّلِّ

(ابوبکر صدیق رضؓ)

"جو قوم اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ترک کر دے گی، اللہ تعالیٰ اس پر ذلت مسلّط کر دے گا ۔"

Marfat.com

مومنوں کو یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ وہ کمزوروں کی حمایت کریں، ان سے اذیتوں کو ہٹائیں اور امن و امان مہیا کریں۔ خواہ وہ کسی جنس سے ہوں، ان کا کوئی عقیدہ بھی ہو، جب تک وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہوں ان کی حمایت فرض ہے۔ نیز ان پر زیادتی اور بغاوت کرنے والا خواہ کوئی سا باغی و سرکش ہو! ارشادِ خداوندی ہے:

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ نَصِيرًا ۝ (النساء: ۷۵)

"اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں قتال نہیں کرتے ہو اور ان کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کی راہ میں نہیں لڑتے ہو جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں اس آبادی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں، اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی دوست اور مددگار مقرر فرما دے۔"

اور ایمان دار اس بات کے بھی مکلف ہیں کہ بدی کو مٹا دیں، خواہ وہ کسی حاکم کی طرف سے واقع ہو خواہ رعیت کی طرف سے، کسی فرد سے اس کا ارتکاب ہو یا جماعت سے، کیونکہ مومن اس زمین میں اللہ کا نمک ہیں اور اصلاح انہی پر موقوف ہے۔ زمین سے گناہوں کو مٹانے کی ذمہ داری انہی پر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

من رأى منكم منكراً فليغيره (بخاری)

"تم میں سے جو کوئی کسی برائی کو دیکھے تو اسے مٹا دے۔"

ورنہ ان پر تباہی اور عذاب نازل ہو گا۔ حدیث میں ہے:

إن الناس إذا رأوا الظالم فلم يأخذوا على يديه أوشك أن يعمهم الله تعالى بعقابه (ابوداود۔ ترمذی)

"لوگ جب ظالم کو دیکھیں اور اس کے ہاتھوں کو ظلم سے نہ روکیں تو ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنا عذاب نازل کر دے۔"

Marfat.com

حضورؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے:

واللہ لتأمرنّ بالمعروف ولتنھونّ عن المنکر و لتأخذنّ علی یدی الظالم ولتأطرنّہ علی الحق اطرًا ولتقصرنّہ علی الحق قصرًا، او لیضربنّ اللہ بقلوب بعضکم علی بعض۔

(ابوداؤد۔ ترمذی)

"واللہ تمہیں ضرور نیکی کا حکم دینا ہوگا، برائی سے روکنا ہوگا، ظالم کے ہاتھ پکڑنے ہوں گے اور اسے حق کی طرف موڑ دینا اور حق پر مجبور کرنا ہوگا، ورنہ اللہ تعالیٰ تم سب کے دلوں کو ایک جیسا کر دے گا۔"

اور اسلام جب مسلمانوں کو ان عظیم احکام کا مکلف کرتا ہے تو ان کے نفوس اور مقاصد کو بھی بلند کر دیتا ہے اور ان کی پوشیدہ صلاحیتوں کو پوری انسانیت کے میدان میں آزاد کر دیتا ہے، صرف انفرادی میدان تک محدود نہیں رکھتا اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ یہ کھلی آزادی انہیں معاشرے کی چھوٹی چھوٹی عداوتوں سے بلند تر کر دیتی ہے وہ لالچ اور سرکشی کی ابھاری ہوئی دشمنی سے بالاتر ہو جاتے ہیں وہ بالکل ابتدا سے ہی ان مقاصد کو ترازو کے ایک پلڑے میں اور ان ذاتی خواہشات اور آرزؤں کو دوسرے پلڑے میں رکھ کر انہیں انتخاب کا اختیار دیتا ہے۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآءُكُمْ وَاَبْنَآءُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ (التوبہ: ۲۴)

"کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ، بیٹے، بھائی، بیویاں، خاندان جمع کردہ مال، کاروبار جس کے نقصان سے تم ڈرتے ہو اور رہائش گاہیں جو تمہیں پسند ہیں اگر یہ سب تمہیں اللہ، اس کے رسول اور خدا کی راہ میں جہاد سے پسندیدہ تر ہیں تو انتظار کرو جب تک کہ اللہ اپنا

حکم نافذ کردے۔ اور اللہ نافرمان قوم کو راہ نہیں دیتا"

یہ احکام انسانیت پر وصی بنانے کی خاطر ہیں یہ وصایت اللہ تعالے نے اس امت کا حصہ قرار دیا ہے۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِؕ (الحج : ۴۱)

"یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار دے دیں تو نماز قائم کریں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور بدی سے روکیں گے"

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۰ (البقرہ : ۱۴۳)

"اور اسی طرح ہم نے تمہیں درمیانی امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور پیغمبر تم پر گواہ ہو" عبادت الٰہی کا یہی وہ فریضہ ہے جو زندگی کو ایک اعلیٰ افق کے ساتھ وابستہ کر دیتا ہے اللہ تعالے کا ارشاد ہے

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۰ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ۰ (الذاریات : ۵۶ - ۵۷)

"اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اسی لئے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔ نہ تو میں ان سے رزق کا طالب ہوں اور نہ اس کا کہ وہ مجھے کھانا کھلائیں"۔

اسی قسم کی فضا میں فرد انفرادی نزاع اور تصادم کے بغیر اور اندرونی کشمکش اور بغض و حسد کے بغیر اپنی ذات کی تکمیل کر سکتا ہے اور اپنی اندرونی سرفرازی کی رغبت کو ثابت و قائم کر سکتا ہے اس میدان میں سب کی بھاگ دوڑ کی گنجائش ہے کیوں کہ زمین میں زندگی کا اتنا سامان موجود ہے جو مرغوں کو تصادم سے روک سکے۔!

نظام حکومت

گزشتہ صفحات میں ہم وجدان اور احساس وشعور کی بات کرتے رہے ہیں، جن

Marfat.com

پر اسلام معاشرے میں امن و سلامتی کی بنیادیں قائم کرتا ہے۔ یہ ایسے عوامل ہیں جن کی قیمت میں کوئی شک نہیں اور جن کے انکار کی مجال نہیں ہو سکتی، لیکن اسلام صرف ان ہی پر اعتماد نہیں کرتا اور ان کی وجہ سے اجتماعی زندگی کی عمومی تنظیم سے دست بردار نہیں ہوتا، وجہ یہ ہے کہ اسلام ہمیشہ حکم اور رضامندی، قانون سازی اور ترغیب کو اکٹھا رکھتا ہے وہ معاشرے کو نظم و قانون بھی دیتا ہے اور ترغیب و تحریص سے بھی کام لیتا ہے، اجتماعی امن و سلامتی کے میدان میں بھی اسلام اسی طریقے پر عمل کرتا ہے۔ وہ نظام حکومت بھی قائم کرتا ہے، قانونی عدل و انصاف کی ضمانتیں بھی مہیا کرتا ہے، اور امن و سلامتی کی ذمہ داریاں بھی لیتا ہے۔ جیسا کہ معاشی اور عام اجتماعی توازن کی ضمانتیں بھی مہیا کرتا ہے، وہ ان تمام چیزوں کو معاشرہ میں قانون سازی اور تنظیم کی راہ سے امن قائم کرنے کے وسیلے ٹھہراتا ہے۔

اسلام میں حکومت کا نظام اس بات کا ذمہ دار ہے کہ حاکم و محکوم کے درمیان سلامتی اور عدل و اطمینان کے علاقے قائم کئے جائیں، انہی تعلقات پر اجتماعی امن و سلامتی کی عمارت صحیح و سالم اور مضبوط بنیادوں پر تعمیر ہو سکتی ہے۔

حاکم اپنے درجے اور مقام پر صرف ایک طریقے سے پہنچ سکتا ہے، یعنی عوام کی آزادانہ رغبت اور ان کی آزاد مرضی اور اختیار سے۔ اور صرف وہی حکومت لوگوں کے دلوں میں اعتماد اور سکون و اطمینان پھیلا سکتی ہے جو رضامندی اور اختیار پر قائم ہو۔ یہ حکومت قلوب میں امن و سکون بکھیر دیتی ہے اس لیے اس سے سرتابی کی مجال نہیں ہو سکتی، نہ اس سے کوئی تنگ دل ہو سکتا ہے، نہ اس کے خلاف بغاوت کی بات سوچی جا سکتی ہے، شرط صرف یہ ہے کہ وہ اپنی ذمہ داریاں اس طور پر نبھائے جو اسلام نے مقرر کیا ہے اور ان حدود میں رہ کر کام کرے جو اسلام نے ٹھیرادی ہیں۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلام میں قیام حکومت کا طریقہ کیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ وہ شوریٰ کا طریقہ ہے۔ قرآن کہتا ہے:

وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ط (الشوریٰ: ۳۸)

"اور ان کے معاملات باہمی مشورے سے طے ہوتے ہیں۔"

Marfat.com

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ط (آل عمران : ۵۹)

"اور ان سے معاملات میں مشورہ کرو۔"

اور چونکہ شریعت نے شوریٰ کا کوئی معیّن طریقہ نہیں بتایا لہٰذا یہ اس چیز کو ہر زمانے کی ضرورتوں اور تقاضوں اور طریقِ زندگی پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ لیکن بنیادی نظریہ مقرر ہے اور نظامِ حکومت کا طریقہ متعیّن ہے۔ اس کا بنیادی تقاضا یہی ہے کہ لوگوں کو اپنے معاملات کی تدبیر میں شریک کیا جائے، جب وہ تدبیر میں خود شریک ہوں گے تو ان کی ناراضگی کا سوال خارج از بحث ہے۔

اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ حکومت کے لیے اسلامی مقاصد کیا ہیں؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اس حکومت کا مقصدِ اعلیٰ یہی ہے کہ اسلامی قانون کو نافذ کیا جائے جسے اللہ نے اپنے سب بندوں کے لیے بنایا ہے۔ اُس نے اس قانون میں ایک فرد کی دوسرے پر فضیلت مدِّنظر نہیں رکھی، نہ ایک طبقے کی مصلحت کو دوسرے طبقے کی مصلحت پر ترجیح دی ہے اور نہ ایک جماعت پر دوسری کو قربان کیا ہے۔ اس میں حاکم و محکوم کا امتیاز بھی نہیں۔ سب اللہ ہی کے بندے ہیں اور شریعت اللہ کا قانون ہے۔ سب لوگ اس کی نظر میں برابر ہیں۔

لوگوں کے لیے حاکم کی اطاعت کرنا صرف اس شریعت کی اقامت اور اس قانون کے نفاذ کی شرط سے مشروط ہے۔ جب وہ اس حد سے نکل جائے گا تو اس کی اطاعت ساقط ہو جائے گی۔ جنابِ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

اِسْمَعُوْا وَاطِيعوا وَاِنِ اسْتُعْمِلَ عَلَيْكُمْ عبدٌ حَبَشِيٌّ كَاَنَّ رَاْسَهُ زبيبةٌ ما اقام فيكم كتاب الله تعالىٰ ۔ (صحیح بخاری)

"سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تم پر کوئی حبشی غلام حاکم بنا دیا جائے جس کا سر کشمش کے دانے کی مانند ہو، جب تک کہ وہ تم میں اللہ کی کتاب کو قائم رکھے۔"

اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اطاعت کو کتاب اللہ کی اقامت کے ساتھ مشروط کیا ہے، کوئی دوسری شرط نہیں لگائی۔ جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی کتاب کے

Marfat.com

مطابق حکومت اور فیصلے نہیں کرتے قرآن نے صریحاً ان پر کفر کا حکم لگایا ہے:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ ۝

(المائدہ: ۴۴)

"اور جو اللہ کی نازل کردہ کتاب کے مطابق حکومت اور فیصلہ نہ کریں تو وہی کافر ہیں"

اسی طرح اسلام کے احکام اس باب میں بھی واضح ہیں کہ کافر سے جہاد واجب ہے اور مسلم کے لیے اس کی اطاعت مطلقاً حرام ہے۔

چونکہ الٰہی قانون کسی سے جانب داری نہیں برتتا، کسی فرد یا طبقے کے لیے کوئی امتیاز قائم نہیں کرتا ـــــ چاہے وہ فرد حاکم ہو یا محکوم اور خواہ وہ طبقہ دولت مند ہو یا مفلس ـــــ لہٰذا اس قانون کا نفاذ اس بات کا کفیل ہے کہ معاشرے میں امن و سلامتی کو قائم کر دے گا، کیونکہ وہ سب لوگوں کو تمام معاشرے کی مصلحت کی خاطر چلاتے گا۔

جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے نمائندہ اور مسلمانوں کے سب سے بڑے حاکم ہونے کے باوجود اپنی ذاتِ اقدس کو بھی بدلہ لینے کے لیے پیش کیا کرتے تھے جیسا کہ جناب عمرؓ بن الخطاب نے بیان کیا ہے۔ اور آپؐ اپنے گھر والوں سے فرماتے تھے:

یا معشر قریش اشتروا انفسکم لا اغنی عنکم من اللہ شیئاً، یا بنی عبد مناف لا اغنی عنکم من اللہ شیئاً، یا عباس بن عبد المطلب لا اغنی عنک من اللہ شیئاً، و یا صفیۃ عمۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا اغنی عنک من اللہ شیئاً، و یا فاطمۃ بنت محمدؐ سلینی ما شئت من مالی لا اغنی عنک من اللہ شیئاً

"اے قریش کی جماعت! اپنے آپ کو اللہ کی ناراضگی سے بچاؤ، میں خدا کے ہاں تمہارے کام نہ آؤں گا۔ اے بنی عبد مناف! میں خدا کے مقابلے میں تمہارے کام نہ آؤں گا۔

اے عباسؓ بن عبدالمطلب میں اللہ سے تمہیں بچا نہیں سکوں گا۔ اے صفیہؓ! رسول اللہ کی پھوپھی!! میں اللہ کے ہاں تیرے کسی کام نہ آؤں گا۔ اے محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ! مجھ سے یہاں میرے مال میں سے جو چاہو مانگ لو مگر خدا کے ہاں میں تمہارے کام نہیں آؤں گا!"

ابوبکر صدیقؓ خلیفۂ اوّل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست اپنی بیعت کے اختتام پر کھڑے ہو کر فرمانے لگے:

اما بعد ایھا الناس فانی قد ولّیت علیکم ولست بخیرکم فان احسنت فاعینونی وان اسأت فقوّمونی .... اطیعونی ما أطعت اللہ ورسولہ، فان عصیت اللہ ورسولہ فلا طاعۃ لی علیکم۔

"حمد و صلوٰۃ کے بعد، اے لوگو! مجھے تمہارا حاکم بنایا گیا ہے حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں اچھا کام کروں تو میری مدد کرو۔ اور اگر غلطی کروں تو مجھے سیدھا کر دو"

یہاں تک کہ آپؓ نے فرمایا: "جب تک میں اللہ و رسولؐ کی اطاعت کروں تم میری اطاعت کرنا، لیکن اگر میں خدا اور رسولؐ کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت واجب نہ ہوگی"

یوں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حکومت اور اس کی حدود کی بنیاد مقرر فرما دی۔

یہ اسلامی نظام حکّام کی درستی اور رعیت کی رضامندی کا کفیل ہے۔ وہ اس بات کا ذمّہ دار ہے کہ حکّام اور عوام میں امن قائم اور مضبوط رہے۔ لیکن یہ کام رضامندی اور قبولیت و اطاعت سے ہوگا، جبر و تشدّد اور قہر و اکراہ سے نہیں، نہ سنگدلی اور زبردستی سے اور نہ خوف اور ذلّت سے ہوگا۔ یہ رضامندی اور قبولیت و اطاعت دل کی گہرائیوں سے پھوٹتی ہیں نہ کہ ریاکاری و نفاق اور فریب کاری اور جھوٹ سے!

یہ نظام وسائلِ استقرار میں سے ایک وسیلہ ہے۔ کوئی اور ذریعہ نہ اس سے بہتر ہے نہ اس کے مساوی۔ یہ کامل امن و سلامتی کے حلقوں میں سے ایک حلقہ ہے جو زندگی کے بارے میں اسلام کے عظیم نظریئے کی مضبوط زنجیر سے جدا نہیں ہے۔

Marfat.com

قانونی عدل کی ضمانتیں

اسلامی حکومت اپنے عدل کو سب سے پہلے تو خود قانون سے حاصل کرتی ہے۔ اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ اسلامی قانون کسی ایک فرد یا جماعت کا بنایا ہوا نہیں کہ اس میں بدگمانیاں راہ پا سکیں، نہ یہ خوف ہے کہ کسی کی خواہشات نفس کے مطابق ڈھل جائے۔ نہ خود اس میں خطاء کی ملاوٹ ہوتی ہے کہ جس کے باعث صحیح عدل قائم نہ ہو سکے۔

جہاں تک اس قانون کے مطابق فیصلہ کرنے کا سوال ہے سو اسے اسلام نے قانون کی وضاحت اور صفائی، قاضی کے ضمیر اور جماعت کی نگرانی کے ساتھ متعلق کر دیا ہے۔ یہ نگرانی اسلامی جماعت کے ہر فرد سے متعلق ہے۔ اس کا فرض ہے کہ جب ظلم واقع ہو تو اسے دُور کرے، جب حاکم زیادتی کرے تو اُسے تنبیہ کرے اور جب قاضی فیصلے میں غلطی کر جائے تو اُسے بتائے۔ اگر وہ شہادت کو چھپائے گا، خطا پر خاموش رہے گا اور اسے دیکھ کر تنبیہ نہ کرے گا تو گناہ گار ہوگا۔

اور جس عدل کو اسلام چاہتا ہے وہ بے لاگ عدل و انصاف ہے جو نہ تو محبت سے متاثر ہوتا ہے نہ عداوت سے، نہ مال و جاہ سے دبتا ہے اور نہ حکام سے۔ قرآن پاک میں عدل کی آیات دو ٹوک، واضح اور جامع ہیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ ۚ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا ۖ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَن تَعْدِلُوا ۚ وَإِن تَلْوُوا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ۝ (النساء: ۱۳۰)

"اے ایمان والو! انصاف کو خوب قائم کرنے والے اللہ کے لیے گواہی دینے والے بنو، اگرچہ اپنے خلاف یا والدین اور قرابت داروں کے خلاف ہی کیوں نہ پڑے۔ اگر کوئی دولت مند یا مفلس ہو گا تو اللہ ان دونوں کو زیادہ جانتا ہے، پس تم عدل کرنے میں ہوائے نفس کے پیچھے مت چلو۔ اور اگر جھکو گے یا اعراض کرو گے تو اللہ تمہارے اعمال سے پورا باخبر

Marfat.com

ہے۔"

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○ (المائدہ: ۸)

"اے ایمان والو اللہ کے لیے عدل قائم کرنے والے انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بنو۔ اور تمہیں کسی قوم کی عداوت اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ بے انصافی کرو، بلکہ ہر حال میں عدل کرو، یہی تقویٰ سے قریب تر ہے۔ اور اللہ سے ڈرو، اللہ تمہارے اعمال سے خوب خبردار ہے۔"

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ○ (الانعام: ۱۵۲)

"اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر اس طریقے سے جو احسن ہے، جب تک کہ وہ جوانی کو پہنچ جائے۔ اور ناپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا کرو۔ کسی جان کو صرف اسی قدر تکلیف دی جاتی ہے جتنی اس کی گنجائش ہو، اور جب تم بات کرو تو عدل کرو اگرچہ کوئی رشتہ دار ہو۔ اور اللہ کے عہد کو پورا کرو، یہ اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے، تاکہ تم نصیحت پاؤ۔"

وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ (المائدہ: ۴۲)

"اور اگر تو ان میں فیصلہ کرے تو انصاف سے فیصلہ کر، بلاشبہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۔ (الشوریٰ: ۱۵)

Marfat.com

"پس تو اسی کے لیے دُعا کر اور استقامت اختیار کر جیسا کہ تجھے حکم دیا گیا ہے، اور ان کی خواہشات کے پیچھے نہ چل اور کہہ کہ اللہ نے جو بھی کتاب اُتاری میں اس پر ایمان لایا اور مجھے حکم ملا ہے کہ تمہارے درمیان عدل کروں۔"

وَلَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ

(البقرہ: ۱۸۸)

"اور اپنے مال باہم ناجائز طریقے سے مت کھاؤ اور انہیں حکام تک نہ پہنچاؤ تاکہ تم لوگوں کے مال کا ایک حصہ گناہ کے ساتھ کھا جاؤ حالانکہ تم جانتے ہو۔"

اور حدیث میں ہے کہ:

اَحَبَّ النَّاسُ الی اللہ یَوْمَ القیٰمۃ واقربھم منہ مجلسًا اِمَامٌ عادلٌ، وَابغض الناس الی اللہ یوم القیٰمۃ وابعدھم مِنْہُ مَجْلِسًا امامٌ جائرٌ (ترمذی)

"قیامت کے دن اللہ کو سب سے زیادہ محبوب اور مجلس کے لحاظ سے اس کے قریب ترین عادل حاکم ہوگا۔ اور قیامت کے دن اللہ کو سب سے زیادہ ناپسند اور مجلس کے لحاظ سے بعید ترین ظالم حاکم ہوگا۔"

اسلامی تاریخ نے لاتعداد مثالیں اور نمونے اس بے لوث عدل کے محفوظ رکھے ہیں جسے اسلامی حکومت نے قائم کیا تھا حتیٰ کہ ان دنوں میں بھی جن میں نام نہاد خلفاء اسلامی تعلیمات سے منحرف ہو چکے تھے، کیوں کہ قاضیوں کے ضمیر اور جماعت کی بیداری عدل و انصاف کے نگران تھے، وہ اپنے اقتدار کو اللہ کے خوف اور اس کے عذاب کے ڈر سے حاصل کرتے تھے، انہیں ہر وقت دھڑکا لگا رہتا تھا کہ اگر عدل و انصاف میں سہل انگاری یا دھوکے فریب سے کام لیا یا ظلم و جور پر خاموش رہے تو اللہ کا عذاب آکر رہے گا،

یہاں یہ موقع نہیں کہ ہم اسلامی عدل و انصاف کو تفصیل سے بیان کریں، صرف

اسلامی تاریخ میں محفوظ ہونے والے واقعات میں سے بطور نمونہ دو واقعات بیان کئے جاتے ہیں۔

(۱) جناب علی رضی اللہ عنہ نے اپنی زرہ ایک عیسائی کے پاس دیکھی، اسے قاضی کے پاس لائے اور فرمایا کہ یہ میری زرہ ہے جو میں نے کسی کو ہبہ کی تھی اور نہ فروخت کی تھی، قاضی شریح نے اس عیسائی سے پوچھا کہ تمہیں اس بارے میں کیا کہنا ہے؟ اس نے کہا کہ یہ زرہ یقیناً میری ہے، گو میں امیرالمومنین کو جھوٹا نہیں کہتا، اس پر قاضی نے حضرت علیؓ کی طرف دیکھا اور پوچھا کہ اے امیرالمومنین کیا آپ کے پاس گواہ موجود ہیں، جناب علیؓ ہنس پڑے اور فرمایا: شریح نے درست کہا، میرے پاس کوئی گواہ نہیں ہے!

اس پر قاضی شریح نے زرہ کا فیصلہ عیسائی کے حق میں دیدیا۔ اس نے وہ زرہ لے لی اور چلا گیا، لیکن چند ہی قدم جانے کے بعد واپس آگیا اور بولا، میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ نبیوں کے فیصلے ہیں۔ امیرالمومنیں مجھے قاضی کے پاس لائیں اور فیصلہ میرے حق میں ہو! اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ اے امیرالمومنین! یہ زرہ یقیناً آپ ہی کی ہے جب آپ مقام صفین سے واپس آرہے تھے تو میں لشکر کے پیچھے تھا تب یہ زرہ آپ کے مٹیالے رنگ کے اونٹ سے نیچے گر گئی تھی! حضرت علیؓ نے فرمایا! اب جب کہ تم اسلام لے آئے ہو تو یہ زرہ تمہیں ہی مبارک ہو۔

(۲) قاضی ابو یوسفؒ مجلس قضاء میں بیٹھے تھے کہ ان کے سامنے فیصلے کے لئے ایک شخص کا مقدمہ ایک باغ کے بارے میں پیش ہوا، اس کا جھگڑا عباسی بادشاہ ہادی کے ساتھ تھا، امام یوسفؒ نے دیکھا کہ حق تو اسی آدمی کا ہے، لیکن اس کے باوجود ہادی کے پاس اس کے گواہ موجود ہیں، امام ابو یوسف نے فرمایا کہ فریق ثانی چاہتا ہے کہ ہادی قسم کھائے کہ اس کے گواہ سچے ہیں! اس پر ہادی نے قسم کھانے سے انکار کر دیا، کیوں کہ وہ اس میں کچھ ذلت محسوس کرتا تھا۔ پس امام ابو یوسفؒ نے باغ دوسرے شخص کے سپرد کر دیا۔

جب معاشرے کے افراد کو اطمینان ہو گا کہ جس قانون کے مطابق ان کے فیصلے کئے جاتے ہیں، وہ ان کے عادل معبود کا بنایا ہوا ہے اور جو حاکم ان کا سربراہ کار ہے اس کے

Marfat.com

خوف کے پیش نظر کرتا ہے تو ان کے دل مضبوط اور مطمئن ہو جائیں گے اور اجتماعی امن وسلامتی اپنے ایک مضبوط ترین رکن پر قائم ہو جائے گی، یعنی حکومت اور قضاء میں عادلانہ ضمانتوں کا رکن،

امن وسلامتی کی ضمانتیں

- جب تک کسی جماعت میں عام امن اور تمام افراد کے لئے سلامتی وافر نہ ہو اس وقت تک اس میں سکون واطمینان قائم کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ اور پر ہم سلامتی ضمیر کی فصل میں بتا چکے ہیں کہ اسلام فرد کے لئے اس کی اجتماعی زندگی میں امن وسلامتی کی ضمانت دیتا ہے، تاکہ اس ذریعے سے اس کے فکر وضمیر میں سکون اطمینان پیدا کرے

یہ امن اور سلامتی معاشرے کی ذمہ داری بھی ہے کیونکہ از روئے اسلام فرد اور جماعت باہم دشمن اور مخالف نہیں ہیں بلکہ یک جان و دو قالب ہیں، فرد کی دو حیثیتیں ہیں؛ فرد کی انفرادی حیثیت اور اس کی جماعتی حیثیت۔ یہ صورت اسلام کے مزاج سے اور اس حقیقت سے پیدا ہوئی ہے کہ وہ اپنے قانون کو اللہ سے لیتا ہے نہ کہ کسی انسان سے۔ از روئے اسلام نہ تو فرد جماعت کے لئے قانون بناتا ہے اور نہ جماعت فرد کے لئے۔ فرد اور جماعت دونوں اس الٰہی قانون کے سامنے جھکتے ہیں۔ جو ان سب کی نگہداشت کرتا ہے۔

جب یہ حقیقت بالفعل قائم ہو جائے تو فرد کا شخصی وذاتی امن جماعت کا کلّی امن بن جاتا ہے ان دونوں میں کوئی تعارض اور جدائی نہیں رہتی۔

عام اجتماعی امن کے پھیلانے میں ہر صحت مند فرد کی اپنی عملی مصلحت موجود ہے کیوں کہ اس امن کی موجودگی میں اس پر جبر واکراہ نہیں ہو سکتا، کوئی اس کی راہ نہیں روک سکتا، نہ کوئی اس کی جائز غرض اور اچھے مقصد میں حائل ہو سکتا ہے، جماعت جب اپنے تمام افراد کو امن وسلامتی اور اطمینان بخش کر اپنے سائے میں لے لے تو گویا اس نے اپنا مقصد پورا کر دیا، افراد پر ظلم وستم اور جبر واکراہ کرنے میں اس کی کوئی مصلحت نہیں

Marfat.com

ہوتی، نہ ان کی راہ روکنے میں اس کا کوئی فائدہ ہے۔

خلافِ فطرت استثنائی احوال وظروف کو مندرجہ بالا وصف سے موصوف نہیں کیا جاسکتا، کیوں کہ ان میں خلل اندازی کرنے والے انسانی اور زمینی قانون کے پیرو کار ہوتے ہیں۔ یہ قانون کسی فرد یا طبقے نے اپنی مصالح کی خاطر بنایا ہوتا ہے۔ ایسے لوگ اللہ اور اس کے قانون کے باغی ہیں، حالانکہ وہ انہی کی انفرادی واجتماعی مصلحتوں کی خاطر بنائے گئے ہیں، جب ان قوانین کے مطابق انہیں سزا ملے گی تو کسی فرد یا جماعت کے نام سے ایسا نہیں ہوگا، بلکہ اللہ کے نام سے اور اسی کے قانون کے مطابق ملے گی، ان کی سزا کا مطلب یہ نہیں ہوگا کہ جماعت کے ہاتھ سے انہیں انتقام کا نشانہ بنایا جارہا ہے، کیوں کہ وہ جماعتی مصالح کے خلاف بغاوت کرتے ہیں، بلکہ وہ اللہ کا حکم پورا کرنے اور مصلحت عامہ کی خاطر ہوگا جسے اللہ پورا کرنا چاہتا ہے، یہ سزا کتنی بھی سخت ہو اس میں انتقامی معنی کا سایہ تک موجود نہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ قانون بناتے وقت اپنی کسی خاص مصلحت کو پیش نظر نہیں رکھتا۔ اس کے پیش نظر تو محض بندوں کی عام مصلحت ہوتی ہے اور وہ اسی مصلحت کے خلاف پیدا ہونے والے فساد کے اسباب کا ازالہ کرنا چاہتا ہے، اس میں کسی خاص مصلحت کی رعایت یا کسی مخفی خواہش کو پورا کرنا مدّنظر نہیں ہوتا۔

جن ذمہ داریوں کو اللہ تعالیٰ نے سب لوگوں پر فرض کیا ہے ان میں یہی نظریہ کارفرما ہے ان میں سے زمین میں گڑبڑ کرنے والوں کو جو سزائیں ملتی ہیں، ان میں بھی یہی فکر پایا جاتا ہے کہ ان لوگوں نے عام بھلائی پیدا کرنے والے خداوندی حکم کے خلاف فسق وتجاوز کا ارتکاب کیا ہے۔

امن کی ان ضمانتوں میں سے اعلیٰ ترین زندگی کی ضمانت ہے۔

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ۔ (الانعام: ۱۵۱)

"جس جان کا قتل اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے اسے حق کے سوامت قتل کرو" اس حکم میں ہر نفس دوسرے کی مانند ہے اور اسے بلا قید وشرط حفاظت کا حق حاصل ہے، ہاں! قتل حق ہو تو وہ ایک الگ مسئلہ ہے، ایک نفس کا قتل تمام انسانوں کے قتل کے برابر ہے کیوں کہ یہ حق حیات کی ذات کے خلاف تعدّی ہے، قتل کا مطلب یہ ہے کہ زندگی کا حق دینے اور

Marfat.com

رکھنے والے کے خلاف تعدّی کی گئی ہے، اللہ کی دائمی شریعت میں ہر زمانے کے اندر یہ اصول کارفرما رہا ہے۔

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا، وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا (المائدہ: ۳۲)

"اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ حکم فرض کیا کہ جو کوئی کسی جان کو قصاص کے علاوہ یا زمین میں فساد کے بغیر قتل کرے تو گویا اس نے سب انسانوں کو قتل کر ڈالا اور جس نے اسے زندہ رکھا تو گویا اس نے سب انسانوں کو زندہ رکھا"

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا (النساء: ۹۲)

"اور جس نے عمداً کسی ایماندار کو قتل کیا تو اس کی سزا دوزخ ہے وہ اس میں لمبا عرصہ رہے گا، اور اللہ نے اس پر غضب و لعنت کی اور اس کے لئے بڑی سزا تیار کردی ہے"

اس قسم کے بنیادی حق کے لئے اسلام نے فقط ضمیر کی ضمانت ہی نہیں رکھی، نہ صرف آخرت کے عذاب سے ڈرانے کی ضمانت مقرر کی ہے، بلکہ اس نے وضاحت و تفصیل کے ساتھ اس کی قانونی ضمانتیں بھی ٹھہرائی ہیں، پس عمداً قتل کی صورت میں قصاص مقرر کیا اور خطاء کی صورت میں خون بہا اور فدیہ کا حکم دیا ہے، اور قصاص کو اس تعدّی کا بدلہ قرار دیا ہے جو زندگی پہ کی گئی ہے، سو اگر تعدّی قتل تک جا پہنچی ہو تو اس کا بدلہ قتل ہوگا، اور اگر زخم تک محدود رہی ہو تو قصاص بھی اس کی مانند اور مطابق ہوگا،

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى (البقرہ: ۱۷۸)

"اے ایمان والو! مقتولوں کے بارے میں تم پر قصاص فرض کیا گیا۔"

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ (البقرہ: ۱۷۹)

"اور اے عقلمندو! تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے تاکہ تم بچ جاؤ"

Marfat.com

اور بنی اسرائیل کو دیے گئے احکام تورات کے سلسلے میں فرمایا ہے،

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ ط (المائدہ: ۴۵)

"اور ہم نے ان پر تورات میں فرض کیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ ناک کے بدلے ناک، دانت کے بدلے دانت اور دوسرے سب زخموں کا بھی قصاص ہوگا"

حضور کا ارشاد عالی ہے،

من قتل عبدہٗ قتلناہ ومن جدع عبدہ جدعناہ

(بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

"جو اپنے غلام کو قتل کرے گا، ہم اسے قتل کریں گے جو اپنے غلام کی ناک کاٹے گا، ہم اس کی ناک کاٹ دیں دیں گے"

وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِفْ فِي الْقَتْلِ إِنَّهُ كَانَ مَنْصُورًا ٥ (الاسراء: ۳۳)

اور جو شخص ظلم سے قتل کیا جائے ہم نے اس کے ولی کو اختیار دیدیا ہے سو وہ قتل میں زیادتی نہ کرے، بیشک اس کی مدد کی جائے گی" قتل کی مختلف اقسام کے بارے میں فرمایا ہے"

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَأً ط وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَى أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ يَصَّدَّقُوا ط فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ ط وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ فَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَى أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ ط فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِنَ اللَّهِ ط وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ٥ (النساء: ۹۲)

"اور کسی مومن کو روا نہیں کہ دوسرے مومن کو قتل کرے، سوائے قتل خطا کے، اور

Marfat.com

جس نے خطاء سے کسی مؤمن کو قتل کر دیا تو ایک مومن غلام کو آزاد کرنا ہے اور خون بہا دینا ہے جو مقتول کے وارثوں کے سپرد ہوگا، سوائے اس صورت کے کہ وہ معاف کر دیں۔ اور اگر مقتول ایسی قوم سے تھا جو تمہاری دشمن ہے، مگر وہ مومن تھا تو ایک مومن غلام کو آزاد کرنا ہوگا، اور اگر وہ اس قوم سے تھا کہ ان میں اور تم میں معاہدہ ہے تو اس کے وارثوں کو خون بہا سپرد کرنا ہوگا، اور ایک مومن غلام کو آزاد کرنا پڑے گا، اور جو غلام نہ پائے تو متواتر دو ماہ کے روزے ہیں، یہ اللہ کی طرف سے بطور توبہ مقرر کیا گیا ہے اور اللہ تعالےٰ خوب جاننے والا دانا ہے"۔

اور زندگی کی ضمانت کے بعد عزت اور مال کی ضمانت کا نمبر آتا ہے حضوؐر کا ارشاد ہے

کل المسلم علی المسلم حرام دمه وعرضه وماله

(بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

مسلمان کا سب کچھ دوسرے مسلمان کے لئے لائق احترام ہے اس کا خون بھی اور عزت و مال بھی"!

خون کی ضمانت کا بیان تو اوپر گزرا۔ اب رہی عزت و آبرو کی ضمانت، تو زنا اور بہتان تراشی کی سزائیں اس کو مشتمل ہیں

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَلَا تَأْخُذْكُم بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝

(النور: ۲)

زانی عورت ہو یا مرد، ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ، اور اللہ کے دین میں تمہیں ان پر کوئی شفقت نہ آئے، اگر تم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو اور چاہیئے کہ ایمانداروں کی ایک جماعت ان کی سزا کے وقت موجود ہو"

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا ۚ

Marfat.com

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ (النور : ۴)

"اور جو لوگ پاکباز عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں، پھر چار گواہ پیش نہیں کرتے تو انہیں اسّی درے لگاؤ، اور کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو اور وہی لوگ فاسق ہیں"

رہی مال کی ضمانت ـــــ مال سے مراد ان طریقوں سے کمایا ہوا حلال مال ہے جنہیں اسلام جائز تسلیم کرتا ہے، نہ کہ دھوکے، سود، ذخیرہ اندوزی، چوری اور لوٹ کھسوٹ وغیرہ سے حاصل کیا ہوا مال! ـــــ سو اس کی ذمہ داری غیر اضطراری حالت میں چوری کرنے والے کی سزا میں موجود ہے، ارشادِ خداوندی ہے

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (المائدہ : ۳۸)

"اور چوری کرنے والے مرد اور عورت کے ہاتھ ان کے فعل کی سزا میں خدا کی طرف سے سزا اور عبرت کے طور پر کاٹ دو اور اللہ غالب ہے دانا ہے"

جان و مال اور آبرو کی ضمانتوں کے بعد رہائش گاہ کے احترام کا معاملہ آتا ہے کسی کی اجازت کے بغیر اس کے گھر میں نہیں گھسا جا سکتا، نہ اس کی کھڑکی، روشن دان یا دیوار کو پھاندا جا سکتا ہے، قرآن کہتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ط ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ط وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝ (النور : ۲۷-۲۸)

اے ایمان والو! اپنے گھروں کے علاوہ دوسرے گھروں میں اجازت مانگے اور گھر والوں کو سلام کہے بغیر مت داخل ہو، یہی تمہارے لئے بہتر ہے، تاکہ تم نصیحت پاؤ۔ پھر اگر تم ان گھروں میں کسی کو نہ پاؤ تو بھی جب تک اجازت نہ ملے ان میں مت داخل ہو، اور اگر کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو واپس چلے جاؤ۔ یہی تمہارے لئے پاکیزہ ہے۔ اور اللہ تمہارے

Marfat.com

اعمال کو خوب جانتا ہے" اور ایک جگہ فرماتا ہے کہ:

وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○

(البقرہ : ۱۸۹)

"اس فعل میں کوئی نیکی نہیں کہ تم گھروں میں ان کی پشت کی طرف سے آؤ، بلکہ نیکی اس کی ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرے، اور گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ، اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم فلاح پالو۔"

پھر شخصی آزادی کی ضمانت ہے کہ جس کے خلاف جاسوسی کرنے کی نگرانی کو فرض نہیں کیا جا سکتا۔ ارشادِ الٰہی ہے،

وَلَا تَجَسَّسُوْا (الحجرات)

"اور ایک دوسرے کی ٹوہ میں مت رہو" اور غیبت سے امن کی ضمانت ہے۔

وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا (الحجرات)

"اور ایک دوسرے کی غیبت مت کرو" اور ایک دوسرے کے روبرو عزت واحترام کی ضمانت ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۚ (الحجرات)

"اے ایمان والو! کوئی قوم دوسری قوم سے تمسخر نہ کرے ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں سے ٹھٹھا کریں ممکن ہے وہ ان سے اچھی ہوں اور ایک دوسرے کی عیب جوئی مت کرو، اور برے ناموں سے مت پکارو۔"

قرآن مجید نے ان زیادتیوں کی سزائیں بیان نہیں کیں، مگر اسلامی شریعت تعزیر مقرر کرتی ہے اور تعزیر سے مراد وہ سزائیں ہیں جو حدود سے کم تر ہیں۔ انہیں جزئی قانون سازی پر اور حسب ضرورت قاضی پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

Marfat.com

لیکن وہ گروہ جو زمین میں عام فساد برپا کرتے ہیں، اور اجتماعی صورت میں جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں تو اسلام نے معاشرے کو یہ ضمانت دی ہے کہ وہ ان کے لئے سخت سزائیں مقرر کر کے ان سے بچا رہے یہ سزائیں افراد کے انفرادی جرائم سے سخت تر ہوتی ہیں کیوں کہ فساد کے بارے میں اجتماعی خطرہ ایک خاص قسم کا خطرہ ہوتا ہے، جو خاص سزا کا طالب ہوتا ہے چنانچہ اللہ کا فرمان ہے:

إِنَّمَا جَزَآءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ط ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ (المائدہ: ۳۳)

"یقیناً جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں، اور زمین میں فساد مچاتے پھرتے ہیں ان کی سزا یہی ہے کہ انہیں خوب قتل کیا جائے، یا سولی پر لٹکایا جائے، یا مخالف اطراف سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں یا انہیں ملک سے نکال دیا جائے، دنیا میں ان کے لئے رسوائی ہے، اور آخرت میں ان کے لئے بڑی سزا ہے،

اس کے بعد یہ بھی یاد رکھئے کہ اسلام نے تہمت طرازی سے بھی ضمانتیں مہیا کی ہیں اس میدان میں ان ضمانتوں کی بہت بڑی اہمیت ہے کیوں کہ لوگوں کا باطل تہمتوں سے بچا رہنا، محض شکوک و شبہات کی وجہ سے گرفت سے محفوظ رہنا اور غیر یقینی دلائل کی بنا پر زیادتی سے محفوظ رہنا بھی نہایت ضروری ہے، اس سلسلے میں اسلام ایسے مضبوط قواعد پیش کرتا ہے کہ جن کی بنیاد پر جرائم کی تحقیقات بہت آسان ہو جاتی ہے۔

اس ضمن میں بنیادی اصول یہ ہے کہ کسی کو محض وہم و گمان کی بناء پر نہ پکڑا جائے گواہی دینے والے کا قابل اعتبار ہونا لازم ہے۔ دلیل واضح ہونی چاہیئے، اور شبہہ کی وجہ سے سزا موقوف ہو جاتی ہے، اسی بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ ط إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا۔ (الحجرات: ۱۲)

Marfat.com

"اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو، کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور باہم جاسوسی مت کرو۔" اور فرمانِ الٰہی ہے کہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ ۝ (الحجرات: ۶)

"اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اچھی طرح تحقیقات کر لیا کرو مبادا لاعلمی کی حالت میں کسی قوم پر حملہ کر دو اور بعد میں اپنے کئے پر پشیمان ہو۔" اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

اِدْرَأُوا الحدود بالشبہاتِ (مسند ابی حنیفہ للحارثی)

"شبہات کے باعث حدوں کو موقوف کر دو۔"

اور ہم اوپر دیکھ چکے ہیں کہ زنا کی حد چار عادل گواہوں کا مطالبہ کرتی ہے، اور جو شخص کسی پاک باز عورت پر تہمت لگائے اور چار گواہ پیش نہ کرے، اسے اسّی کوڑے مارے جائیں گے جہاں تک اعتراف کا سوال ہے، اسلام اسے دلیل و حجت مانتا ہے، بشرطیکہ اس پر کوئی شبہہ نہ قائم ہو جائے، شبہہ کی صورت میں معاملہ پہلے مرحلے کی طرف لوٹ جائے گا، اور سزا نافذ نہ کی جا پائے گی، حدیث میں ہے کہ ماعز بن مالک نے جناب رسول اللہ صلی اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر جرم زنا کا اعتراف کیا اور اپنے اوپر حد کا مطالبہ کیا۔ حضورؐ نے جب تک اس سے پختہ اعتراف نہ کرا لیا، اس کے اعتراف کو قبول نہ کیا، چار مرتبہ آپؐ نے اسے رد کیا، وہ واپس آتا اور اعتراف کرتا رہا، چوتھی مرتبہ جب اعتراف کر چکا تو حضورؐ نے سوال کیا کہ کیا یہ شخص مجنوں ہے؟ بتایا گیا کہ ایسا نہیں۔ پھر دریافت فرمایا کہ کیا اس نے شراب تو نہیں پی رکھی ہے؟ اس پر ایک شخص اٹھا، اس کے منہ کو سونگھا اور بتایا کہ شراب کی بدبو اس کے منہ سے نہیں آتی، پھر حضورؐ نے اس سے دریافت فرمایا کہ کیا تو نے زنا کیا ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں! جب اس قدر وضاحت اور پختگی ہو چکی تو پھر ہی حضورؐ نے اسے سزا دی، کیونکہ اب اس کے اعتراف کی صحت میں کوئی شبہہ باقی نہیں رہ گیا تھا۔

اسلامی قانون کے مطابق اضطرار ایک رخصت کی حالت ہے جس میں حدود کا قائم کرنا

ممنوع ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے،

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ - (البقرہ: ۱۷۳)

"جو شخص مجبور ہو، باغی اور عادی نہ ہو تو اس پر گناہ نہیں"

جناب عمرؓ بن الخطاب نے مشہور قحط رمادہ میں بالعموم چوری کی حد کو معطل کردیا تھا اسی طرح آپؓ نے حاطبؓ بن ابی بلتعہ کے غلاموں کے ایک اونٹنی چرانے کے واقعہ میں ——— جو ایک انفرادی واقعہ تھا ——— بھی چوری کی حد معطل کردی تھی، کیونکہ آپ پر یہ حقیقت واضح ہوگئی تھی کہ ان کا آقا انہیں کافی کھانے کو نہیں دیتا، سو آپ نے فیصلہ یہ کیا کہ اونٹنی کی دگنی قیمت آقا پر بطور تاوان ڈال دی اور چور غلاموں کو رہا کردیا۔

غرض اسی طرح فرد اور جماعت کے لئے جان و مال، عزت اور تمام حقوق میں اسلام نے بہت سی ضمانتیں مہیا کی ہیں اس کے ساتھ ساتھ ان ضمانتوں کی صحیح ادائیگی کا حق اور تہمت کے وقت دلیل کی صحت کا حق بھی موجود ہے، معاشرے کے دائرے میں یہ ضمانتیں اجتماعی امن و امان کی عمارت کی اینٹوں کی حیثیت رکھتی ہیں یہ ذمہ داریاں اسلام کے اس قانون میں دی گئی ہیں۔ جو سب کے لئے بنایا گیا ہے اور اس میں کوئی غرض، ہوائے نفس یا جانبداری نہیں۔

اقتصادی زندگی کی ضمانتیں

اسلام فرد اور جماعت کی زندگی میں معاشی و اقتصادی شعبے کو اس کی تمام ضروریات اور متعلقات سمیت پوری اہمیت دیتا ہے۔ وہ اس کی اہمیت و اہتمام میں کسی مادّی مذہب سے بھی پیچھے نہیں، صرف اتنا فرق ہے کہ وہ انسان کو صرف اسی میں محبوس نہیں کر دیتا کہ وہ اسی کا ہو کر رہ جائے، وہ زندگی کے دوسرے اطراف جوانب اور جذبات و احساسات سے بھی غافل نہیں ہوتا۔ اسلام اور ان اقتصادی مذاہب کے درمیان یہی فرق و امتیاز ہے اسلام انسان کو انسان ہونے کی حیثیت سے ہی پہچانتا ہے وہ اس کی ضروریات کے باب میں انسان کے وجود میں ان کی گہرائی اور اس کی طبیعت و فطرت میں ان کی اہمیت و اصالت کو بھی جانتا ہے، اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اس کے جذبات اور تمنائیں

Marfat.com

اس کے وجود میں کتنی گہری اور اس کے مزاج میں کس قدر پیوست ہیں، یہی سبب ہے کہ وہ اس کے جذبات اور ضروریات کا پورا خیال رکھنے اور انہیں صحیح مقام دینے کا بڑا اہتمام کرتا ہے ان کی گہرائی اور پوشیدگی کا پورا لحاظ رکھتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ زندگی کے متعلق اس کے اندازے بالکل برمحل اور انسانیت کے بارے میں اس کی تفسیریں نہائیت سچی ہوتی ہیں علیٰ ھٰذا القیاس ان کے لئے اس کی احتیاط نہائیت مکمل اور ان کے تقاضوں کا جواب ہر لحاظ سے پورا ہوتا ہے۔

اسلام اس بات سے بھی غافل نہیں کہ اگر فرد کو اس کی ضروری معاشی کفائیت حاصل نہ ہو تو سب قوانین اور ساری ضمانتوں کا ضائع ہو جانا عین ممکن ہوتا ہے، اگر اسے معاشی آسودگی حاصل نہ ہو تو اس کے روحانی جذبات اور تمنائیں مٹ جائیں گی اور اس کی ذہنی چمک دمک بجھ کر رہ جائے گی، اس لئے وہ پہلے تو معاشی آسودگی کو عام کرنے کے لئے ترغیبات کے ساتھ ساتھ ضمانتیں مقرر کرتا ہے اور آخر میں پورے اجتماعی توازن کو برپا کرنے کے لئے تدبیریں بروئے کار لاتا ہے۔

اس وقت ہمیں ان معاشی ضمانتوں کا ذکر کرنا ہے۔ سو ہمیں غور سے دیکھنا چاہیئے کہ اسلام انہیں کس طرح پھیلاتا اور ان کی ذمہ داری بہم پہنچاتا ہے۔

اسلامی نقطۂ نگاہ سے زندگی گزارنے کا پہلا ذریعہ کاروبار اور محنت ہے۔ اسلام محنت کو تقدس بخش کر اسے بلند قرار دیتا ہے اور محنت کشوں کا درجہ اونچا کر دیتا ہے امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں اس مضمون کی ایک حدیث درج کی ہے اس میں حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ:

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ العبدَ المومنَ المحترفَ (تفسیر قرطبی)

"بے شک اللہ تعالےٰ کام کاج اور کوئی پیشہ اختیار کرنے والے مومن بندے کو محبوب رکھتا ہے۔" ایک اور حدیث میں ہے۔

مَا اَکَلَ اَحَدٌ طعامًا قطُّ خَیْرًا مِنْ عَمَلِ یَدِہٖ (صحیح بخاری)

"اپنے ہاتھ کے کام سے بہتر کھانا کسی نے نہیں کھایا۔

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تاکید فرماتے ہیں کہ مزدور کا پسینہ خشک ہونے

Marfat.com

سے پہلے اس کی مزدوری ادا کر دی جائے، اور پوری مزدوری دی جائے۔ فقہ مالکی کے بعض فقہاء کی رائے ہے کہ مزدور کی مزدوری کام کے نفع سے نصف ہونی چاہیئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر کے ساتھ نصف غلے کی بنیاد پر معاملہ طے فرمایا تھا۔

بہرحال اسلام محنت کو ہی ملکیت کا سبب شمار کرتا اور اسے اقتصادی زندگی کی ضمانت کا ذریعہ گردانتا ہے۔ جب فرد کسی سبب سے کام سے عاجز ہو جاتے تو حکومت کے خزانے کا فرض ہے کہ اس کی کفالت کرے۔

جناب عمر رضی فاروق نے بچے کے لئے ایک سو درہم وظیفہ مقرر کیا تھا جب وہ ذرا بڑا ہو جاتا تو دو سو درہم ملتے، اور جب وہ جوان ہو جاتا تو وظیفہ اور بڑھا دیتے تھے۔ لاوارث بچے کے لئے ایک سو درہم اور اس کی پرورش کرنے والے کا ماہوار خرچ مقرر کر دیا جاتا تھا، اس کے دودھ پلانے کی اجرت اور دیگر اخراجات بیت المال کے ذمہ ہوتے تھے۔ جب وہ بچہ بڑا ہو جاتا تو اسے دوسرے بچوں کے مساوی قرار دیتے تھے۔ یہود و نصاریٰ کے محنت سے عاجز لوگ جو بڑھاپے یا بیماری وغیرہ کے باعث بے کار ہو جاتے تھے، ان کے لئے مسلمانوں کے خزانے سے وظیفہ مقرر کرتے تھے کیوں کہ وہ انہیں معاشرے کا رکن شمار کرتے تھے،

جب کسی کا کاروبار اور محنت اس کی ضروریات پوری نہ کر سکے تو بیت المال اس کا بھی کفیل ہے۔ جیسا کہ فقیر کے معاملے میں ہے۔ فقیر وہ شخص ہے جس کے پاس زکوٰۃ کے قابل نصاب نہ ہو اور مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو، اور مسافر وہ ہے جو اپنے مال سے دور ہو، مقروض وہ ہے کہ قرض اس کے سارے مال پر چھا جائے، بشرطیکہ اس نے مال کو کسی معصیت میں خرچ نہ کیا ہو، ان سب لوگوں کو مصارف زکوٰۃ مشتمل ہیں۔ زکوٰۃ کو مالکوں سے حکومت اگاہتی اور ضرورت مندوں پر حسب حاجت خرچ کرتی ہے۔

اسلام نے فرد کے لئے یہ بھی جائز رکھا ہے کہ کوئی شخص اگر کسی سے اس کا کھانا پانی چھین لے تو مالک اگر اس سے قتال کرے، حتیٰ کہ اسے قتل تک کر دے تو جائز ہوگا، بشرطیکہ اسے اس کی سخت ضرورت ہو، وجہ یہ کہ یہ چیز بھی زندگی کا دفاع کرنے کے حق کی مانند ہے۔ امام ابن حزم رح نے کہا ہے کہ اگر ایک محلہ کے اندر ڈاکو کسی شخص سے اس کا سامان حیات چھین لے جائیں اور وہ

Marfat.com

بھوکوں مرجائے، تو اس کا خون بہا اہلِ محلہ کے ذمہ ہوگا، اس کا سبب یہ ہے کہ جماعت اپنے ہر فرد کی کفالت کی ذمہ دار ہے۔ یہ ذمہ داری بطورِ احسان نہیں بلکہ بطورِ الزام (وجوب) ہے۔

علاوہ ازیں اسلام میں خاندانی کفالت کا بھی ایک حکم واضح طور پر موجود ہے، جو شخص کھانے سے معذور اور محتاج ہو اس کے قریبی رشتہ داروں پر اس کے اخراجات کی ایک مقدار واجب کی جائے گی، تاکہ اس کی ضروریات کا انتظام ہو سکے، اس لحاظ سے خاندان کی عام ثروت اپنے ہر ہر فرد کے جائز اخراجات کی کفیل ہے۔ یہ بھی بطورِ صدقہ و احسان نہیں، بلکہ بطورِ حکم و التزام ہے۔

اب تک جو کچھ بیان ہوا، یہ حکومت کا حق (یعنی ٹیکس وغیرہ) نہیں تھا، ورنہ حکومت افراد کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے حسبِ ضرورت اور حسبِ منشا ٹیکس تجویز کر سکتی ہے، اس مقصد کے لئے کارخانے، کمپنیاں اور دیگر اجتماعی ادارے قائم کر سکتی ہے، تاکہ لوگوں کے لئے کام کے مواقع بہم پہنچائے اور ان کی روزی کا انتظام کرے۔ حکومت اور بھی کئی اقدامات کر سکتی ہے، جن کا تفصیلی ذکر ہم آگے چل کر "اجتماعی توازن" کی فصل میں کریں گے۔

یہاں ہمارے پیشِ نظر یہ بیان کرنا ہے کہ اسلامی تنظیمات قوم کے ہر ایسے فرد کی معاشی کفالت کی ذمہ دار ہیں جو محنت پر قادر نہ ہو، یا محنت سے عاجز ہو، یہ عجز چاہے کامل ہو یا دائمی ہو اور چاہے جزئی اور وقتی ہو، ہم یہ بھی ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اس کفالت میں معاشرے کے اندر امن و سلامتی قائم ہوتی ہے اور بھوک پیاس کے پیدا کئے ہوئے اضطراب ختم ہو جاتے ہیں

رہے وہ اضطراب جو عام ثروت کی تقسیم میں عدمِ توازن سے جنم لیتے ہیں، فوائد اور نقصانات کی تقسیم سے پیدا ہوتے ہیں اور جماعت کے دائرے میں حقوق و فرائض کو ایک عام شکل کے ساتھ تقسیم کرنے میں پیدا ہوتے ہیں، سو ان کا بیان آئندہ فصل میں آرہا ہے

اجتماعی توازن

اسلامی نظام کی رُو سے ہر فرد کے لئے رزق کی کفالت اور سب افراد کے لئے معاشی آسودگی صرف پہلا اور ابتدائی قدم ہے، یہ پہلا قدم ایک بنیادی اسلامی اصول پر قائم ہوتا ہے، سیدنا عمرؓ بن الخطاب کا قول ہے۔

Marfat.com

الرّجل وبلائہٗ والرّجل وحاجتہٗ

"آدمی کو راہِ حق میں پہنچنے والی مصیبتیں مدنظر رکھی جائیں گی، اور اس کی ضروریات کا بھی خیال رکھا جائے گا،" یہ اصول جس پر جناب عمرؓ فاروق نے پہلے اسلامی دور میں مالِ فیٔ کو تقسیم فرمایا تھا، انسانیت آج تک اس مقام تک پہنچنے کی کوشش میں لگی رہی ہے لیکن ناکام ہے، کیوں کہ وہ اس کی دونوں جانبوں کو نہیں پکڑتی، اس کے مذاہب میں سے ہر مذہب اس کی کسی ایک طرف کو اختیار کرتا رہا ہے اور دوسرا مذہب دوسری طرف کو، نتیجہ یہ ہے کہ اسلام نے اپنے کلّی اور جامع طریقہ سے زندگی کے مسائل کو حل کرنے کے لئے جو جامعیت اختیار کی ہے وہ ان میں سے کسی کو نہیں ملتی۔

بہرصورت، جیساکہ میں نے کہا، کامل اجتماعی عدل کو قائم کرنے کی راہ میں یہ اسلامی اقدامات میں سے صرف ایک قدم ہے۔ یہ اقدامات پورے اجتماعی امن کو قائم کر دیتے ہیں، اسلام جس عظیم بنیاد پر اجتماعی عدل کی عمارت کھڑی کرتا ہے وہ اجتماعی توازن ہے اسلام کے اس اجتماعی عدل کی اساس پر اجتماعی امن وسلامتی قائم ہوتی ہے، اس فصل میں جن ضمانتوں اور ذمہ داریوں کا ذکر اوپر گزرا ہے، وہ اس توازن کو ایک کامل صفت کے طور پر قائم کرنے کے مقدّمات اور اسباب تھے،

یہ توازن نظامِ حکومت اور طرزِ حکومت میں بھی ملحوظ ہے، قانون سازی اور فیصلہ کرنے کے طریقوں میں بھی اور امن اور رزق کی کفالت میں بھی، لیکن عام اقتصادی شعبے کی جانب میں وہ اپنی انتہائی بلندی پر پہنچ جاتا ہے۔ اس سے ہماری مراد معاشرے میں عام ثروت کی تقسیم اور اس کے قواعد وضوابط ہیں۔ وہ اس بلند چوٹی پر مختلف وسائل سے پہنچتا ہے، جن میں سے اہم تر اور واضح تر وسائل کو ہم یہاں مختصراً بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں، کیونکہ یہ کتاب "عالمی امن اور اسلام" کے موضوع کے ساتھ خاص ہے۔ اسلام میں اجتماعی عدل کا بیان اس میں مدّنظر نہیں ہے[1]۔

---

[1] اس موضوع پر مفصل بحث کیلئے ہماری کتاب "اسلام کا نظام عدل" اور "اسلام و سرمایہ داری کا معرکہ" کا مطالعہ کیا جائے (مؤلف)

Marfat.com

اسلام اس توازن کو کئی عام بنیادی اصولوں پر قائم کرتا ہے۔ وہ ان اصولوں کو مالی شعبے میں اپنے نظریات کے طور پر مقرر کرتا ہے۔

۱۔ پہلا اصول یہ کہ مال ضرورت مندوں کو چھوڑ کر صرف دولت مندوں کے ہاتھوں میں نہ پھرتا رہے، اسلام نے اسے ایک صریح اور واضح آیت کے ساتھ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرفات میں سے ایک عملی تصرف کی علت بتاتے ہوئے یوں پیش کیا ہے۔

كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ (الحشر: ۷)

"تاکہ یہ مال صرف تمہارے دولت مندوں میں ہی ہر پھر کر نہ رہ جائے"۔ پس یہ حکم ایک عام اصول کی حیثیت اختیار کر گیا ہے، یہ اس طرح کہ یہودِ بنی نضیر سے حاصل ہونے والا مالِ فئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے کا پورا ضرورت مند مہاجروں کو دیا تھا، انصار کو نہیں جو کہ غنی تھے۔ ہاں! ان میں سے صرف دو ضرورتمند آدمیوں کو وصفِ احتیاج میں مہاجرین کے ساتھ شریک ہونے کی بناء پر ان ہی کے ساتھ ملا دیا تھا، اس سے غرض یہ تھی کہ اس وقت میں مسلمانوں کے دو فریقوں کے درمیان اقتصادی توازن قائم کر دیا جائے۔ باوجودیکہ ان انصار نے مہاجرین کو پناہ دی تھی، اپنے مالوں، گھروں اور ساز و سامان میں انہیں شریک کیا تھا، اور ان کے ساتھ ایک کامل بھائی چارہ قائم کر لیا تھا۔ جو نسبی اخوت کا قائم مقام بن گیا تھا، حالانکہ یہ سب کچھ ان پر از روئے احکام اسلام فرض نہ تھا، صرف اتنا تھا کہ اپنے ضرورت مند بھائیوں کے ساتھ رضا کارانہ طور پر انہوں نے اللہ کی دی ہوئی دولت میں از خود مقاسمہ (بٹائی) کر لیا تھا!

اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عزم و صراحت نے بھی اس اصول کو مزید واضح اور پختہ کر دیا ہے، گو دھوکے اور فریب کے ساتھ لگائے ہوئے مہلک زخم نے انہیں اس ارادے کو پورا کرنے کی مہلت نہ دی، لیکن انہوں نے بر سرِ عام اسے وضاحت سے پیش کیا، اور کسی مسلمان نے بھی اس بارے میں ان پر گرفت نہیں کی، لہٰذا یہ ایک عام اسلامی اصول کی شان حاصل کر گیا، انہوں نے فرمایا:

Marfat.com

لَوِ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ اَمْرِیْ مَا اسْتَدْبَرْتُ لَاَخَذْتُ مِنَ الْاَغْنِیَاءِ فُضُوْلَ اَمْوَالِهِمْ فَرَدَدْتُهَا عَلَی الْفُقَرَاءِ

"جو کچھ مجھے بعد میں معلوم ہوا ہے اگر پہلے معلوم ہوتا تو میں دولت مندوں سے زائد مال لے لیتا اور ضرورت مندوں کو دے ڈالتا"۔ آپ کا ارادہ یہ تھا کہ اس کا تدارک آئندہ سال کریں گے، اور اس کے ساتھ مالِ فئے سے مسلمانوں کے عطیات کو مطلقاً برابر کر دیں گے۔

اس اصول پر امتِ اسلامیہ میں ثروت کی تقسیم کا قاعدہ بنایا جا سکتا ہے۔ اگر بعض وقفوں میں یہ اصول معطل رہا تو اس کی اتنی اہمیت نہیں کیونکہ یہ بات مسلم حکومت کے اختیار میں ہے کہ ہر زمانے میں اقتصادی احوال و اطوار کے تقاضے کے مطابق اسے نافذ کر دے اور ہر دور میں ہر مقام کے اندر اجتماعی امن و سلامتی کے تقاضوں کو ملحوظ رکھے۔

یہ اصول انفرادی ملکیت کے حق کی تخصیص کرتا اور اسے بعض شرائط کا پابند کر دیتا ہے نیز اسے سلطنیہ احوال و ضروریات کے مطابق دولتِ عامہ کی تقسیم کے لئے حکومت کے اقتدار و تسلط[1] کا مطیع بنا دیتا ہے۔

دوسرا اصول

مصالح مرسلہ کا اصول: مصالح مرسلہ سے مراد وہ عام مصلحتیں ہیں جن کے بارے میں کوئی خاص نص (آیت یا حدیث صحیح) وارد نہیں ہوئی لیکن اسلام انہیں حکومت کے لئے چھوڑ دیتا ہے۔ بلکہ اس پر واجب قرار دیتا ہے کہ وقت اور تقاضوں کے مطابق ان کا لحاظ رکھے، میں نے مصالح مرسلہ کو اپنی کتاب "اَلْعَدَالَۃُ الْاِجْتِمَاعِیَّۃُ فِی الْاِسْلَام" میں شرح و بسط کے ساتھ بیان کر دیا ہے یہاں صرف مجھے صراحت کرنی ہے کہ اس اصول کے مطابق حکومت کے ذمہ واجب ہے کہ — بقول امام مالک — دولت مندوں کے اصل مالوں میں سے نہ کہ صرف ان کے نفع سے یا بطور ٹیکس! مسلمانوں کی عام حاجات و مصالح پر خرچ

---

[1] یعنی اسلام انفرادی ملکیت کی نفی تو نہیں کرتا لیکن اسے بے لگام بھی نہیں چھوڑتا حسبِ ضرورت اسمیں کمی کی جا سکتی ہے۔ (مترجم)

Marfat.com

کرنے کے لیے اس قدر سے جتنا کہ عام خزانے کو ضرورت ہو، معاشرے کے بچاؤ اور دفاع کے لیے اور اسلامی وطن کے دفاع کے لیے جس قدر مطلوب ہو اور حکومت کے عام اور غیر ہنگامی وسائل و ذرائع اسے پورا نہ کر سکتے ہوں حاصل کرلے۔ یہ جو کچھ بوقت حاجت حکومت حاصل کرے گی اس کی واپسی بھی ضروری نہیں۔

اس اصول میں بھی انفرادی حقِ ملکیت کی تحدید و تقیید ہے۔ یہ اصول اسے ہمیشہ حکومت کی عام ضروریات — یعنی بالفاظ دیگر عوامی ضروریات — کے ماتحت اور سلطنت و اقتدار کے احکام کا پابند بناتا ہے۔ اس میں صرف عمومی اجتماعی حاجات کی قید ہے، اس کے سائے میں حکومت اقتصادی توازن قائم کرنے کا اختیار رکھتی ہے، نہ صرف ٹیکس کے طور پر بلکہ انفرادی ملکیت میں سے معقول حصے نکال کر اور ان کا معاوضہ دینا یا واپس کرنا بھی لازم نہیں۔ غرض فقط یہ ہے کہ جماعت کے عام مصالح پر انہیں خرچ کیا جائے۔

تیسرا اصول سدِ ذرائع کا اصول ہے، ذریعہ سے مراد یہاں وسیلہ ہے۔ اور سدِ ذرائع سے مراد ہے بدی کے ذرائع و وسائل کو دور کرنا، اور ان پر پابندی لگانا۔ اور نیکی کے ذرائع و وسائل کو واجب ٹھہرانا۔ خلاصہ کلام اس بارے میں یہ ہے کہ حرام کا وسیلہ بھی حرام ہے، اور واجب کا وسیلہ بھی واجب ہے پس بدکاری حرام ہے۔ اور اسی طرح اجنبی عورت کے پردے کی طرف نگاہ ڈالنا بھی حرام ہے۔ کیونکہ وہ بدکاری کا وسیلہ ہے۔ نماز جمعہ فرض ہے۔ لہٰذا اس کی طرف سعی کرنا بھی فرض ہے۔ اور سعی کی خاطر کاروبار کو ترک کرنا بھی فرض ہے۔ اور بیت الحرام کا حج اس لئے فرض ہے کہ وہ خدا کا گھر ہے۔ اور حج کی تمام عبادات اسی کے لئے فرض ہیں سدِ ذرائع کے اعتبار میں اصل چیز افعال کے انجام

ا؎ تفصیل کیلئے دیکھئے پروفیسر ابوزہرہ (آف لاء کالج فواد الاوّل یونیورسٹی) کی کتاب "مالک" فصل: المصالح المرسلہ۔

Marfat.com

پر نظر کرنا ہے اور یہ دیکھنا ہے کہ یہ افعال فی الجملہ کسی نتیجے پر ختم ہوتے ہیں اگر ان کا رخ بنی آدم کے باہمی معاملات میں سے ان مصالح کی طرف ہے جو مقاصد اور غایات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ تو اس حد تک مطلوب ہوں گے جس حد تک خود ان مقاصد کی مطلوبیت ہے، گو یہ مطلوب ہوتے ہیں ان کے مساوی نہ ہوں۔ لیکن اگر ان کا مآل مفاسد کی طرف رُخ رکھتا ہے تو یہ بھی اس حد تک حرام ہوں ہوں گے۔ جس حد تک ان اصل مفاسد کی تحریم کے ساتھ مناسبت رکھتے ہوں گے[1]۔

اجتماعی توازن کے باب میں یہاں ہمارے نزدیک جو چیز اہم ہے۔ وہ یہ ہے کہ ثروت عامہ کی تقسیم میں عدمِ توازن کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بہت سے اجتماعی مفاسد پیدا ہو جائیں۔ ان میں سے یہ مفسدہ بھی کوئی کم تر نہیں ہے کہ یہ چیز افراد اور جماعتوں کے درمیان کینے اور عداوتیں پیدا کرتی ہے، اور خطرے کے وقت دفاع سے کم ہمتی کا ظہور ہونے لگتا ہے کیوں کہ جو وطن محروم لوگوں پر ظلم و محرومی لایا ہے اس کے دفاع سے انہیں کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟ اور اس کی خاطر قربانی میں انہیں کیا فائدہ نظر آسکتا ہے؟

پس حکومت کے لئے واجب ہے کہ اس وسیلے کا سدِّ باب کرے جو یقینی طور پر خطرناک اور تباہ کُن نتائج پیدا کر سکتا ہے۔

اور پہلے دو اصولوں کی مانند ہم یہاں بھی انفرادی ملکیت پر وہی شروط و قیود دیکھتے ہیں، جو اوپر گزر یں، یہاں بھی ہم حکومت کے ہاتھ میں یہ اصول اور اختیار پاتے ہیں کہ ضرر کو دُور کرنے کے لئے اور مصلحت کو قائم کرنے کی خاطر ضروری دخل اندازی کرے۔ ورنہ احتیاط نہ کرنے کے باعث وہ قصور وار اور گنہ گار ٹھہرے گی۔ معاشرے کا بھی فرض ہے کہ حزم و احتیاط سے کام لے، اپنے مصالح کی نگہداشت کرے اور قصور وار حکومت کو اس کے فریضے کی حدود کی طرف اور قوانین کو نافذ کرنے کی طرف پھیر دے۔

چوتھا اصول: حرمتِ سُود۔ اسلام ایک یہ اصول مقرر کرتا ہے۔ کہ مزدوری

---

[1] کتاب "مالک" (پروفیسر ابوزہرہ)

Marfat.com

صرف جد و جہد اور محنت پر ہے۔ چوں کہ راس المال فی نفسہ محنت نہیں ہے (بلکہ محنت کا پھل ہے!) لہذا وہ خود بخود بڑھ نہیں سکتا۔ یہ نفع اور ہو سکتا ہے۔ کیونکہ نفع کے حصول کا طریقہ تو فقط محنت ہے۔ اس اصول کا نتیجہ یہ نکلا کہ کسی مالدار کے پاس صرف مال کا ہونا اس مال کی زیادتی کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔ پس قرض دے کر جو اس میں ایک نفع کا اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ وہ ناجائز ٹھہرا۔

اسلام کا یہ بنیادی اصول مال کے خود بخود دگنی گنا ہو جانے اور بڑھنے کے راستے میں حائل ہو جاتا ہے۔ آج کل کے سرمایہ دارانہ نظام میں یہی چیز کارفرما ہے۔ پس اسلام سود کو حرام ٹھہرا کر افراد کی مالی ضروریات کے بل پر دولت کو بڑھاتے پر ایک بڑی پابندی لگا دیتا ہے، لوگ اپنی ضروریات کے باعث ہی سودی قرض لینے پہ مجبور ہوتے ہیں، (اپنی خوشی سے تو کوئی سود نہیں دیتا!) سود کو حرام قرار دے کر اسلام نے سامراجیت اور آج کل کی قومی اور بین الاقوامی جنگوں کو بھی روکا ہے۔ وہ پیداآوری کے میدان میں محنت کو اس کا صحیح مقام دیتا ہے، حقیقی محنت اور اس کی مزدوری کے درمیان عدل قائم کرتا ہے، اور بیٹھے رہنے والے بیکار اور سست لوگوں کو ناجائز طور پر کسی کی محنت کا پھل حاصل کرنے سے منع کرتا ہے۔ یہ سیٹھ لوگ سرمایہ دارانہ نظام میں صرف اپنے مال بنکوں وغیرہ میں دیکر حصہ بٹا لیتے ہیں اس طرح بیٹھے بٹھائے حرام منافع کے حقدار بن جاتے ہیں۔ ان کی دولت اور سرمایہ دگنا، چوگنا بلکہ کئی گنا ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہ سرمایہ دارانہ ذہنیت جس کا اس گندے سرمایہ پرستانہ نظام میں مشاہدہ ہو رہا ہے!، یہ ذہنیت اقتصادی اور اجتماعی توازن میں خلل انداز ہوتی ہے۔

پانچواں اصول: ذخیرہ اندوزی کی حرمت: ہمارے امتیازی سود سے بھی ذخیرہ اندوزی کے ضمن میں آتے ہیں، ذخیرہ اندوزی کا فعل ذخیرہ اندوز کے ہاتھ میں ایک سرکش قوت کی باگ پکڑا دیتا ہے۔ وہ اس قوت کو اپنی بیدار مغزی اور مضبوط کاروباری فہم و ذکا سے حاصل نہیں کرتا، نہ کسی بہتر خدمت، یا کفایت کے سلسلے میں اسے یہ طاقت مل جاتی ہے، بلکہ اس کے برخلاف وہ یہ طاقت اس سودا بازی سے لیتا ہے، جو امتیازی حیثیت

Marfat.com

سے (کثرت مال کے باعث) اسے حاصل ہے۔ یا پھر منڈی میں کسی مال تجارت کو جانے سے روک کر وہ یہ فائدہ حاصل کرتا ہے۔ اس سرکش قوت کو ہمیشہ تباہ حال لوگوں کے مصالح کے برخلاف استعمال کیا جاتا ہے، یعنی جماعت جوان مٹھی بھر سرمایہ داروں کے مقابلے میں بے بس ہوتی ہے، وہی اس چکی میں پستی ہے، ہم زندگی کی بہت سی ضروریات کے سلسلے میں ذخیرہ اندوز کمپنیوں کی وجہ سے اپنے کئے کی سزا بھگت رہے ہیں، ہم ان کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہیں، کیونکہ وہ ہماری ضروریات زندگی کے سامان کو اور خود ان ضروریات کو بطور ہتھیار ہمارے خلاف استعمال کرتی ہیں اور ہم میں ان کا مقابلہ کرنے کی سکت نہیں ہوتی۔ ان کے پاس یہ طاقت بھی موجود ہے، کہ حکام کو اور خود ان کمپنیوں کا نام نہاد محاسبہ کرنے والوں کو رشوت دیکر خاموش کر دیں۔ ان رشوتوں کی قیمت کئی گنا ہو کر بیچارے بے بس عوام سے وصول کی جاتی ہے۔ پھر یہ کمپنیاں کسی سامان یا ضرورت کی چیز کو سخت حاجت کے وقت چھپا جانے کی طاقت بھی رکھتی ہیں، ان سارے ہتھکنڈوں سے اجتماعی توازن بگڑ جاتا ہے۔ کیونکہ معاشرے کا ایک چھوٹا سا حصہ اتنی قوت حاصل کر چکا ہے جو دوسرے کثیر لوگوں کے پاس موجود نہیں۔ ان کارستانیوں سے اقتصادی توازن بھی بگڑ جاتا ہے۔ کیونکہ ذخیرہ اندوزی معمولی کوشش سے دولت میں بے پناہ اضافہ کرنے کا ذریعہ ہے، اس معمولی کوشش کے ساتھ حرام ذرائع، مشکوک وسائل، ذمہ داریوں اور قلوب واخلاق کا بگاڑ بھی شامل ہو جاتا ہے۔ یوں معاشرے کے مادی و روحانی ذرائع اور اخلاق وضمائر کا ستیاناس کیا جاتا ہے۔

چوتھا اصول: عام نفع مند اشیاء کا مشترک ہونا۔ اور یہ وہی چیز ہے۔ جسے ہمارے زمانے میں "مرافق عامہ کو قومی تحویل میں دینا" کہا جاتا ہے

پانی، گھاس اور آگ کو نص حدیث میں عام نفع مند اشیاء قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا انہیں کسی ایک شخص کی ملکیت بنا کر محدود و مقید نہیں کیا جا سکتا، اسی قیاس پر اور کئی چیزوں کو عمومی نفع کے وصف کے باعث اور ضروریات زندگی" قرار دیکر صفت عام اور مشترک ٹھہرایا جا سکتا ہے۔ اسی اصول کی بناء پر مالکی فقہائے نے معدنیات اور دفینوں کو عام اور مشترک قرار دیا ہے۔ یہ کسی خاص شخص کی یا اشخاص کی ملکیت میں نہیں آ سکتے۔ پروفیسر علی الخفیف ریٹائرڈ پروفیسر لا کالج قاہرہ یونیورسٹی لکھتے ہیں۔

Marfat.com

ويرى المالكية في اشهر اقوالهم أن ليس شيئ من الانواع الثلاثة المعادن والفلزات والسوائل في مهالها (مناجما) من الاموال المباحة حتى يتملكها من وجدها واستولى عليها۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وانّما هي ملك للمسلمين استولوا عليها باستيلاءهم على ارضها لانها منها، وثمرةٌ مِنْ ثمراتها ولكنها مع ذلك لاتعتبر تابعة لها، فلاتملك بامتلاكها۔ إذ ليس لمثلها تملك الارض وتطلب عادة، فيقيت للمسلمين۔ (كتاب "احكام المعاملات")

"مالکی فقہا کی رائے ان کے مشہور ترین قول کی رُو سے یہ ہے کہ یہ تین قسم کی چیزیں معدنیات، دھاتیں اور تیل پٹرول وغیرہ جب اپنے منبعوں میں ہوں تو مباح اموال میں شامل نہیں، کہ جو انہیں پائے یا ان پر قبضہ کرے وہی ان کا مالک ہو جائے۔ بلکہ یہ تو سب مسلمانوں کی ملکیت ہیں۔ ان کی زمینوں پر قبضہ کی وجہ سے یہ بھی ان کے ملک میں آگئی ہیں۔ کیوں کہ یہ بھی زمین سے نکلتی ہیں، اور اس کے ثمرات میں سے ایک ثمرہ ہیں۔ لیکن اس کے باوجود یہ زمین کے تابع شمار نہ ہوں گی، کہ اس کی ملکیت کی وجہ سے کوئی ان کا بھی مالک بن بیٹھے۔ وجہ یہ ہے کہ زمین کی ملکیت ان جیسی چیزوں کی وجہ سے حاصل نہیں کی جاتی اور نہ عادتاً کوئی اس غرض سے زمین خریدتا ہے۔ پس یہ چیزیں سب[1] مسلمانوں کی ملکیت رہیں گی۔"

اس بات میں شک نہیں کہ مالکی فقہاء کا اس عام نفع مند چیز کو ملکیتِ عامّہ میں دینا معاشرے میں اقتصادی توازن کے فقدان کے اسباب میں سے ایک بڑے سبب کا خاتمہ کر دیتا ہے۔ کیوں کہ یہ عام نفع مند چیزیں عام دولت کا سب سے بڑا یا ایک بڑا حصّہ ہوتی ہیں۔ سرمایہ داری نظام میں اس کی مالک کمپنیاں یا افراد ہوتے ہیں، اور اس ملکیت سے جماعت کے اندر بڑے آثار جنم لیتے ہیں، اسی طرح یہ سلطنتوں کے جھگڑوں اور سامراجی ہتھکنڈوں کا سبب بھی بنتی ہے۔

ساتواں اصول: اسراف اور عیش پرستی کی حرمت۔ اسلام لوگوں کو محرومی اور

---

[1] یعنی قومی ملکیت میں (مترجم)

کھردرے پن میں ڈالنا نہیں چاہتا، بلکہ وہ پاکیزہ چیزوں سے لطف اندوزی کی انہیں دعوت دیتا ہے۔ اور انہیں حرام ٹھہرانے اور بلا وجہ ان سے رکنے کو بُرا جانتا ہے اسی طرح وہ اسراف وتبذیر اور عیش پسندی کو بھی ناپسند کرتا ہے، وجہ یہ کہ یہ چیزیں مطلوبہ حلال پاکیزگیوں میں سے نہیں ہیں۔ قرآن کہتا ہے۔

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ وَّ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ۝ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ قُلْ هِیَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا خَالِصَةً یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝ (الاعراف ۳۱-۳۲)

"اے اولاد آدم! ہر عبادت (اور عبادت گاہ) کے وقت اپنی زیبائش اختیار کرو اور کھاؤ اور پیو اور حد سے نہ گزرو، بیشک وہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ تو کہہ! وہ کون ہے جس نے اللہ کی آرائش کو حرام کیا جو اس نے اپنے بندوں کے لئے نکالی ہے۔؟ اور وہ کون ہے جس نے رزق کی پاکیزہ چیزوں کو حرام کیا ہے۔؟ تو کہہ! یہ دنیوی زندگی میں ایمان والوں کے لئے ہی ہے، قیامت کے دن خالص انہی کے لئے ہوگی، یوں ہم جاننے والوں کے لئے آیتوں کو کھول کر بیان کرتے ہیں۔

عیش پرستی از روئے اسلام ایک گناہ ہے کیوں کہ فرد اور قوم کے جسم میں زوال اور پھسپھساپن پیدا کرتی ہے اور فرد اور جماعت کے وجود میں لگاڑ اور بدبو پیدا کر دیتی ہے تاریخ انسانی میں عیش پرست لوگ ہی معاشروں اور قوموں کے زوال کا سبب بنے تھے قرآن کہتا ہے۔

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْیَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِیْهَا فَفَسَقُوْا فِیْهَا فَحَقَّ عَلَیْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِیْرًا ۝ (الاسراء: ۱۶)

اور جب ہم نے کسی آبادی کو ہلاک کرنا چاہا تو اس کے عیش پرستوں کو حاکم بنا دیا۔ پھر انہوں نے اس میں ادھم مچا دیا تو اللہ کی بات اس بستی پر ثابت ہوگئی اور ہم نے

Marfat.com

اسے زیر و زبر کر ڈالا!"

یہاں ہمیں جس حقیقت کو کھولنا مدِنظر ہے وہ یہ ہے کہ عیش پرستی کسی قوم میں اس کے بہت سے افراد کی تنگ دستی کے حساب پر ہی قائم ہوتی ہے، کیوں کہ یہ چند عیش پرست لوگ اپنی ذات اور فالتو ساز و سامان کے لئے جو کچھ کرتے ہیں وہ عوام کے خون، ان کی محنتوں اور ان کی ضروریات و حاجات میں سے ہی لیتے ہیں۔ اس فعل سے دلوں میں حسد و بغض اور شدید گھٹن پیدا ہوتی ہے اور معاشرہ امن و سلامتی کی رُوح اور اخوّت سے خالی ہو جاتا ہے۔ یہ صورتِ حال معاشرہ کے افراد کو باہم لڑا دیتی ہے، کیوں کہ ان کی مصلحتیں ایک دوسرے کے خلاف اور مقاصد مختلف ہو جاتے ہیں، مزید براں عیش پرست لوگ معاشرے میں گندگی اور تعفن پھیلا دیتے ہیں۔ اور اپنی بیمار شہوتوں کو پورا کرنے کی خاطر بہت سے بدبودار آثار اور مکروہ نشانیاں ادھر اُدھر بکھیر دیتے ہیں۔

چونکہ ان بندگانِ شہوت کے ہاتھوں میں مال کا وجود ہی وہ ہتھیار ہے جو ان کے لئے یہ پلید لذتیں مہیّا کرتا اور یہ گندی شہوتیں تیار کرتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ عداوتوں اور کینوں کی آگ بھڑکاتا ہے، معاشرے کی بنیاد کو کھوکھلا کرتا اور اس کی عمارت کو ہلا ڈالتا ہے۔ لہٰذا سدِّ ذرائع کا اصول یہاں دخل انداز ہوتا ہے۔ وہ حکومت کا فریضہ قرار دیتا ہے کہ ان آگ سے کھیلنے والوں کے ہاتھوں سے اس بڑے ہتھیار کو چھین لے۔ اس لحاظ سے سدِّ ذرائع کا اصول مستقبل میں پیدا ہونے والے خطرات و احتمالات سے بچاؤ کا اصول ہے۔ یہ اصول اس ذریعے کو حرام کر دیتا ہے، جس کا نتیجہ حرام کی صورت میں نکلنے والا ہو، گو یہ وسیلہ بذاتِ خود حرام نہ بھی ہو، اس بحث سے یہ بات واضح ہو گئی کہ ان عیش پرستوں کے ہاتھوں میں مال ہی وہ وسیلہ ہے جس کے انجام بد سے بچانے کی خاطر اس کا روک لینا واجب ہو جاتا ہے۔

اٹھواں اصول: کنز کی حرمت کا اصول ہے۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ

Marfat.com

سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝ (التوبہ ۳۴ - ۳۵

"اور جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں، اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو انہیں دردناک سزا کی خوشخبری دے دو، جس دن اسے جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس کے ساتھ ان کی پیشانیاں، ان کے پہلو، اور ان کی پشتیں داغی جائیں گی، یہی ہے جو تم نے اپنے لئے خزانہ جمع کیا تھا، سو جو کچھ تم جمع کرتے تھے، اس کا مزا چکھ لو!"

اس کا سبب یہ ہے کہ مال کو لوگوں میں پھرنے سے روکنا، اور راہ خدا میں اسے خرچ کرنے سے باز رہنا، یعنی ان حاجات اور مصالح کے تقاضوں کو نظر انداز کرنا جن سے کلمۃ اللہ پورا ہوتا ہے اس کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ عام طور پر مالی، تجارتی اور اقتصادی توازن بگڑ جائے، اور اس کے ساتھ ہی اجتماعی توازن بھی فاسد ہو جائے، اس کے انجام کے طور پر وہ حرام اور ناجائز چیزیں ابھر آئیں گی جن سے روکنا، اور جن کے اسباب کا قلع قمع کرنا سدِّ ذرائع کے اصول کے تحت واجب ہے، اس دلیل کے مطابق کنز کا مسئلہ ایک ذاتی اور انفرادی مسئلہ نہیں رہتا، نہ یہ ایک ایسا شخصی جرم رہ جاتا ہے، جس کا حساب آخرت میں اللہ تعالےٰ پر چھوڑ دیا جائے، جس دن کہ پیشانیاں، پہلو اور پشتیں داغی جائیں گی، بلکہ یہ ایک قانونی مسئلہ بن جاتا ہے، پس حکومت سے مطالبہ کیا جائے گا کہ اسے قانون سازی اور اس کے نفاذ کے ذریعے سے روک دے، تاکہ وہ اصول قائم رہ سکے جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔

اسلامی قوانین وضوابط ایک کامل ومتناسق وحدت ہیں، اس کے اصول ایک دوسرے سے پیوستہ ہیں اور سب مل کر اسلام کے جامع اور کلی نظریے میں جا ملتے ہیں۔ قانون سازی کے وقت مسائل کو الگ الگ منتشر طور پر لینا درست نہیں بلکہ ہمیشہ اس جامع مانع نظریے کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔

اس امر میں کوئی شک وشبہہ نہیں کہ مال کو خرچ کرنے سے روک دینے کا عملاً واضح

Marfat.com

نقصان ہوتا ہے، اگر یہ روک دینا بخل و کنجوسی کی بناء پر ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی واضح ممانعت میں داخل ہے،

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ (الاسراء: ۲۹)

"اور اپنے ہاتھ کو اپنی گردن کی طرف مت باندھ دے" اور اگر یہ روکنا اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے ناپسندیدگی کے باعث ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی نہی میں داخل ہے،

وَأَنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ (البقرہ: ۱۹۵)

"اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں مت ڈالو" اس آیت میں انفاق فی سبیل اللہ سے رک جانے کو فرد اور جماعت دونوں کے لئے ہلاکت ٹھہرایا گیا ہے، اور یہاں سے سدّ ذرائع کا اصول بالکل کھلے دروازے سے داخل ہو جاتا ہے۔

بعض پیشہ ور دیندار اس قول سے استدلال کرتے ہیں کہ

"ما أديت زكوته فليس بكنز، للتدليل على أن حق المال هو الزكوة وحدها وأن لا حرج في الكنز بعد ذلك"

"جس مال کی زکواۃ دے دو وہ کنز نہیں رہا، کیوں کہ اس کی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ مال کا حق فقط زکواۃ ہے اور اس کی ادائیگی کے بعد مال جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں" لیکن ذخیرۂ حدیث کے اندر ایک صریح حدیث موجود ہے جو کنز کی حدود بیان کرتی ہے، اور بتاتی ہے کہ ادائیگی زکواۃ کے بعد باقی مال کو کیونکر کنز ہونے سے بچایا جا سکتا ہے۔ وہ حضور کا یہ ارشاد ہے کہ:

مَنْ جَمَعَ دِينَارًا أو درهمًا أو تبرًا أو فضّة ولا يعدّه لغريمٍ وَلَا يُنفِقُهُ فِي سَبِيلِ اللهِ فهو كنز يُكوى به يوم القيٰمة

(تفسیر قرطبی)

"جس شخص نے دینار یا درہم یا سونے چاندی کی اینٹ یا چاندی جمع کی، اسے کسی قرض خواہ کی خاطر نہ رکھا، راہ خداوندی میں خرچ نہ کیا تو وہ کنز ہے جس کے ساتھ قیامت

Marfat.com

کے دن داغ لگائے جائیں گے۔"

اس حدیث نے واضح کر دیا کہ کتنا اور کون سا مال محفوظ کرنا جائز ہے۔ اور کن اغراض کی خاطر اسے جمع رکھنا روا ہے، ان کے علاوہ جو مال ہوگا وہ کنز ہوگا جس پر حرمت کی نص منطبق ہوتی ہے۔ پس اسلام کو اس باب میں اس کے کلّی و جامع اصول کی روشنی میں سمجھنا چاہیئے۔

(۹) نواں اصول:

"یہ مال تمہیں کہاں سے ملا؟" کا اصول ہے۔ اسلام میں انفرادی ملکیت کا حق بے قید نہیں ہے۔ جیسا کہ بعض نادان اور بعض پسندیدہ ور دیندار سمجھتے ہیں۔ انفرادی ملکیت کی بنیاد چند ایسے صحیح شرعی اسباب پر ہے جو اسلام کے عام مالی اصولوں کے خلاف نہ ہوں، علیٰ ہذا القیاس وہ اسلام کے عام اخلاقی قوانین و اصول کے بھی خلاف نہ ہوں، پس یہ ممکن نہیں کہ اس ملکیت کی بنیاد لوٹ کھسوٹ، چھینا جھپٹی۔ غصب، چوری، رشوت، فریب، سود خواری اور ذخیرہ اندوزی وغیرہ پر ہو سکے، یہی سبب ہے کہ اسباب ملکیت کی بحث کرید اور تحقیقات کرنا ہمیشہ حکومت کا حق ہے، وہ اس کے بعد ہی یہ فیصلہ کر سکتی ہے، کہ یہ اسباب جائز تھے، یا ناجائز۔ اگر جائز تھے تو یہ ملکیت اس کے مالک کے لئے ان شرائط و قیود کی پابند ہے، جو ہم نے اوپر بیان کیں، مصالح مرسلہ کے قیام کی خاطر یہ ملکیت ہر وقت حکومت کے تصرف کے ماتحت ہوگی، اسی طرح اس ملکیت کو سدّ ذرائع کی خاطر لیا یا ان پر خرچ بھی کیا جا سکتا ہے۔ اس ملکیت والا اس حق کا مجاز نہیں کہ اسے عیش و عشرت میں خرچ کرے، اور اللّے تللّوں میں اڑائے۔ اس مالک کو اس کے کنز بنانے اور روکے رکھنے سے بھی روکا جائے گا۔ حکومت حسب ضرورت اس میں سے بیت المال کے لئے لے سکتی ہے، وہ زائد مال لے کر ضرورت مندوں کو بھی بانٹ سکتی ہے، زائد مال سے مراد وہی ہے جو اوپر کی حدیث میں بیان کردہ حاجات سے فالتو ہو!

یہ تمام احکام تو اس وقت ہیں جب کہ ملکیت کے اسباب صحیح اور شرعاً جائز ہوں، لیکن جب جڑ سے وہی مشروع نہ ہوں تو اسلام بنیادی طور پر اس ملکیت کے وجود ہی کو نہیں مانتا۔ اور اس کی حفاظت اور بچاؤ کے لئے وہ حقوق مرتب نہیں کرتا جنہیں وہ کسی

Marfat.com

صحیح بنیاد پر قائم ہونے والی ملکیت کے لئے کرتا ہے۔ حکومت کا یہ بھی حق ہے کہ اس ملکیت کو کلّی یا جزوی حیثیت سے خزانہ عامہ کے اندر ملا دے۔ جناب عمرؓ بن الخطاب کے عہد میں پیش آنے والی گزشتہ مثالیں حکومت کو یہ پورا حق دیتی ہیں، چاہے اس حق کو اسلام کے کلی اصولوں کے ضمن میں رکھ کر دیکھیں یا گزشتہ عملی وتاریخی واقعات کے ضمن میں!

یہ ہے اسلام! وہ انفرادی حق ملکیت کو تسلیم کرتا ہے تاکہ نفس انسانی میں جاگزین ملکیت و غلبہ کی گہری فطری خواہش کا احترام کرے، تاکہ نفس انسانی اپنا پورا زور لگا کر زیادہ سے زیادہ ہمت صرف کر کے زندگی کو ان خفیہ طاقتوں کا پھل پیش کر دے جو اللہ نے اس میں رکھی ہوئی ہیں، اور زندگی اللہ کی تقدیر کے مطابق نشوونما پائے۔ پھر وہ اس حق کو بروئے کار لانے کے لئے کچھ حدود و شرائط مقرر کرتا ہے، مثلاً یہ کہ حق معاش میں کسی کو کوئی اذیت نہیں پہنچائی جا سکتی، پھر وہ آخر میں جماعت کے عام مصالح کی خاطر حکومت کے وسیلے سے فرد کے اس انفرادی حق کو جماعت کے عام بے لوث حق میں تبدیل کر دیتا ہے، اس طرح اسلام ایک طرف تو انفرادی ملکیت کے ان تمام فوائد کو حاصل ہونے کا موقع دیتا ہے، جن کا ڈھنڈھورا سرمایہ داری پیٹتی ہے، دوسری طرف وہ انفرادی ملکیت سے ان تمام عیوب کو دور کر دیتا ہے، جن کا ڈور دوا اشتراکیت بجاتی ہے۔ یوں اسلام مبالغے اور غلو کی دو طرفوں کے درمیان کھڑا ہوتا ہے، اور اس فطرت کے ساتھ ساتھ چلتا ہے جس میں کوئی کجی اور علیحدگی نہیں پائی جاتی،

دسواں اصول

زکوٰۃ کا اصول ہے یعنی وہ اصول کہ سرکش اشتراکیت کی ساری کوششیں جسے ایسی صورت میں پیش کرنے پر صرف ہوتی ہیں کہ گویا اسلام زیادہ سے زیادہ جو مالی مطالبہ رکھتا ہے بس وہ یہی زکوٰۃ ہے۔ وہ لوگوں کی آنکھوں میں خاک جھونکنے اور حقیقت کو اوجھل کرنے کی خاطر ایسا کرتی ہے، زکوٰۃ کو اس حیثیت سے پیش کرنے میں اشتراکی کوششوں اور ذرائع ابلاغ کے علاوہ صلیبی ذرائع اور تنظیمیں بھی اس سے پیچھے نہیں تاکہ

Marfat.com

اسلام کی بیان کردہ اجتماعی و اقتصادی ضمانتوں کا مقام اور درجہ گھٹایا جا سکے!!

میں نے اس موضوع کو عمداً یہاں اسلام کے بنیادی مالی اصولوں کے آخر تک پیچھے ڈالے رکھا، تاکہ لوگوں کو معلوم ہو سکے کہ سرمایہ داری کی تنظیمیں پیشہ ور دینداروں کی خدمات حاصل کر کے کیوں کر حقیقت کو چھپاتی ہیں! اسی طرح اشتراکیت اور صیہونیت[1] بھی بعض دفعہ نام نہاد مذہبی لوگوں کی خدمات حاصل کر کے عوام کو فریب دیتی رہتی ہیں۔

میں نے زکوٰۃ کے بیان کو جو سب سے آخر میں رکھا ہے، اس لئے نہیں کہ اس عظیم الشان اصول کی شان کم کی جائے، بلکہ دلیل کی تائید کے ساتھ حق کا بیان کرنے کی خاطر ایسا کیا ہے۔ میں نے اپنی کتاب "اسلام اور سرمایہ داری کا معرکہ" میں زکوٰۃ کے اصول کے متعلق جو کچھ بیان کیا تھا، اسے نقل کرنے پر اکتفاء کروں گا، کیوں کہ اس مقام پر یہی کافی ہے، چنانچہ اس کتاب[2] میں ہے کہ:

"مناسب ہے کہ ہم ان فطری عوامل کے ساتھ اس دائمی ٹیکس کا اضافہ کریں جو زکوٰۃ کہلاتا ہے، یہ ایک ایسا فریضہ ہے جو ایک مقررہ نظام کے ساتھ اصل سرمائے میں سے ہر سال ۲½ فیصدی کے برابر حاصل ہوتا رہتا ہے۔

"ہمارے لئے ضروری ہے کہ یہاں اس فریضے کے متعلق کچھ ضرور کہیں، جسے خود غرض حیلہ بازوں نے بالکل بگاڑ کر پیش کیا ہے، وہ اس کی ایسی تصویر کھینچتے ہیں کہ گویا یہ ایک احسان ہے جو انسانی وقار کو مجروح کر دیتا ہے۔

"لیکن دوسرے ٹیکسوں کی مانند اس کو بھی جمع کرنے والی خود حکومت ہوتی ہے۔ پھر حکومت ہی کے ذمہ ایک مقررہ نظام کے ماتحت اس کا خرچ کرنا بھی ہوتا ہے، اس نظام میں معاشرے کی ضروریات اور حالات کے مطابق کچھ تبدیلی اور کمی بیشی بھی ہوتی رہتی ہے، سو اس قسم کے نظام میں ذلت کا کیا سوال ہے؟ خود غرض حیلہ جو لوگ ہمیشہ یہی کوشش کرتے رہتے ہیں کہ زکوٰۃ کے عملی پہلو کے بارے میں ایک خود ساختہ تصویر کھینچتے ہیں، وہ یہ کہ ایک

---

[1] صیہونیت (مترجم) [2] دیکھئے اسلام اور سرمایہ داری کا معرکہ ص ۵۱، ۵۲ (ترجمہ از میاں منظور احمد)

Marfat.com

مالدار ازراہ مہربانی صدقہ کر رہا ہے، اور ایک محتاج صدقہ لے رہا ہے، اور شکریہ ادا کر رہا ہے ایک ہاتھ اوپر ہے جو دینے والا ہے اور دوسرا نیچے ہے جو لینے والا ہے، یہ دونوں ایک دوسرے کے بالمقابل ہیں اور یہ معاملہ صرف ایک فرد اور دوسرے فرد کے درمیان ہے۔

"مجھے نہیں معلوم کہ یہ لوگ یہ خود ساختہ بگڑی ہوئی تصویر کہاں سے لاتے ہیں؟ کیا جب حکومت تعلیم کے لئے ٹیکس لگائے، اور اسے محض تعلیمی اغراض کے لئے مخصوص کر دے، مثلاً تعلیمی عمارات کو تعمیر کرنا، مدرّسین اور ملازمین کے معاوضوں کی ادائیگی، طلبہ کے لئے تعلیمی ساز و سامان، کتابوں، اور غذا کا خرچ وغیرہ۔ تو کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ تو سوال کی عادت ڈالنے اور گداگری کا ایک نظام ہے؟ کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ تو اساتذہ اور طلبہ کے وقار کا گھٹانا ہے، کیوں کہ یہ مال سرمایہ داروں سے حاصل کیا گیا ہے۔؟ اور اسے ضرورت مندوں پر خرچ کیا جا رہا ہے!

"کیا اگر حکومت فوج کو منظم کرنے اور مسلح کرنے کی خاطر ہر چھوٹے بڑے مالدار پر ۲½ فیصدی ٹیکس لگا دے اور عام اخراجات کی مدوں میں سے اس خاص مد پر اس ٹیکس کو مخصوص کر دے، تو کیا یہ کہا جائے گا کہ فوج گداگری میں مصروف ہے، اور اس کا وقار کم ہو رہا ہے، کیوں کہ حکومت اس کے اخراجات مالداروں سے وصول کرتی ہے؟ حالانکہ اس ٹیکس کی ادائیگی میں امیر و غریب سب برابر کے شریک ہوں گے!

"یقیناً زکوٰۃ بھی اسی قسم کے ٹیکسوں کی مانند ایک ٹیکس ہے، جسے حکومت وصول کرتی ہے اور پھر خاص خاص مدّوں میں خرچ کرتی ہے، حکومت ان ٹیکسوں کی وصولی مجموعی طور پر کرتی اور خرچ الگ الگ کرتی ہے، یہ کوئی انفرادی احسان نہیں جو ایک معیّن ہاتھ سے نکل کر دوسرے کسی معیّن ہاتھ میں جا پہنچے، لوگ اگر آج اپنی زکوٰۃ خود ہی نکالتے اور خود ہی خرچ کرتے ہیں تو یہ اسلام کا مقرر کردہ نظام نہیں ہے۔ لوگ یہ طریقہ اس لئے اختیار کرتے ہیں کہ حکومت خود اس ٹیکس کو وصول نہیں کرتی، اگر ایسا نہ ہوتا تو بدلے ہوئے حالات میں وہ خود ہی اپنی صوابدید اور علم کے مطابق خرچ کے لائق مدّات میں اسے صرف کرتی۔

"لیکن معاشرے میں غفلت اور نادانی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ کچھ لوگ زکوٰۃ کے بارے

(لہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

میں یہ کہتے پھرتے ہیں ،، یہ ایک انفرادی احسان ہے جو انسانی نفوس کو ذلیل کرتا اور اور انہیں گداگری کا عادی بناتا ہے"

" واضح بنیادی حقائق کے خلاف یہ مغرورانہ جرأت اس لئے پیدا نہیں ہوتی کہ سامعین یا قارئین احمقانہ حد تک جاہل ہیں۔ گو "بفضل خدا" مصری معاشرے میں ان دونوں چیزوں کی کمی نہیں! - بلکہ یہ بے خبری یہاں معاشرے کے اس طبقہ میں زیادہ ہے جسے مہذّب و مثقّف (ثقافت گزیدہ) کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ اسلامی نظام پر طعن توڑنے والے کی بات کو آمادگی اور خوشی سے سنتے ہیں تاکہ اپنا سکہ بند مہذب ہونا ثابت کر سکیں، آہ! کیا ہم ٹھنگنوں کے دور میں اور ان ہی کے معاشرے میں زندگی نہیں گزار رہے ہیں"؟۔

قانون پر اطمینان

اب ہم اس آخری وسیلے تک آپہنچے ہیں جسے اسلام معاشرے میں امن قائم کرنے کے لئے اختیار کرتا ہے۔ شریعت اسلامیہ کا مزاج یہی ہے، انسانی نفس کے اس کے ساتھ تعلق کا بھی یہی مزاج ہے، اور اسلامی شریعت اس کے تقاضوں کو اسی طرح پورا کرتی ہے، بطور نتیجہ اجتماعی امن کے قائم کرنے میں اس وسیلے کا بہت بڑا اثر ہے، پیچھے جن ضمانتوں اور ذمہ داریوں کا ذکر گزر چکا ہے انہیں پورا کرنے میں اس کا فیصلہ کن ہاتھ ہے۔

انسانی جماعت کے تعلقات کی تنظیم کرنے اور اس کے احوال میں تصرف کرنے کی خاطر کسی قانون کا ہونا ناگزیر ہے، یہ قانون ایسا ہونا چاہیئے کہ ساری جماعت کو ایک متحد بلاک میں تبدیل کر دے اور بکھرے ہوئے غیر منظم افراد کی صورت میں

(حاشیہ ص۱۷۳ سے) کم وبیش تمام اسلامی ممالک کا یہی حال ہے "جمہوریہ اسلامیہ پاکستان" میں یہ پراپگنڈہ آج کل زوروں پر ہے، ہر نام نہاد "دانشور" یہی کہتا پھرتا ہے (مترجم)

Marfat.com

میں نہ رہنے دے۔

قانون اپنے اس فریضے کو کامیابی سے ادا نہیں کر سکتا جب تک کہ اس کی اطاعت نہ ہو، اور اس پر عمل نہ کیا جائے، اور وہ کبھی لائق اطاعت و عمل نہیں سمجھا جاتا تاوقتیکہ دلوں کو اس پر اطمینان نہ ہو، انسانی نفوس اپنے اور اس کے درمیان باہمی الفت اور گہرے تعلق کا رشتہ محسوس نہ کریں اور اس میں اپنی فوری مصلحتوں اور مستقبل کے مقاصد کا جواب نہ دیکھیں۔

قانون کے خلاف بغاوت وسرکشی اکثر ان تین اسباب سے ہوتی ہے، باقی سب چھوٹے موٹے اسباب ان ہی میں داخل ہیں:

(۱) پہلا سبب

لوگوں کا یہ شعور ہے کہ یہ قانون عادلانہ نہیں، کیونکہ یہ صرف ایک فرد یا چند افراد یا ایک طبقے کی مصلحت پوری کرتا ہے، دوسروں کی مصلحت کو ان پر قربان کر دیتا ہے اس حالت میں یہ دوسرے لوگ محسوس کرتے ہیں کہ قانون انہیں پہلی قسم کے لوگوں کا مطیع بنانے کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے۔ انہیں ان کی محنت مشقت کا پھل نہیں ملتا ذمہ داری ان پر ہے اور فائدہ دوسرے اٹھا رہے ہیں اور اس ساری بے انصافی کا ذریعہ یہی قانون ہے۔

(۲) دوسرا سبب

یہ احساس ہے کہ قانون کی روح میں اور جس جماعت پر اسے چلایا جا رہا ہے، اس جماعت میں بیگانگی پائی جاتی ہے، کیوں کہ یہ قانون لوگوں کی شعوری حاجتوں اور مادی ضرورتوں کو پورا نہیں کرتا، جماعت کے اوضاع واطوار کے ساتھ نہیں چلتا، اور اس کی روح، تاریخ اور احوال وظروف سے بیگانگی کے باعث اس کے تقاضہا ہائے حیات کا ساتھ نہیں دیتا۔

Marfat.com

(۳) تیسرا سبب

قانون کی خلاف ورزی کرکے اور اس کے خلاف اٹھ کر فرد کا اپنی شخصیت کو منوانے کی کوشش کرنا، کیوں کہ اس قانون کو بنانے والا کوئی اور تھا، چاہے یہ قانون ساز کوئی فرد ہو، پارلیمنٹ ہو یا جماعت ہو، کیوں کہ قانون میں بہر حال کچھ پابندیاں ہوتی ہیں، اور ان پابندیوں پر غالب آنے کی کوشش کرنا، جب کہ وہ قانون انسان کے لئے کسی اور انسان ہی نے بنایا ہو، فرد کے خیال میں اس کی ذاتی شخصیت کا ثبوت بہم پہنچاتا ہے، چاہے یہ خروج و بغاوت پوشیدہ ہو، چاہے علانیہ!۔

خود ساختہ قوانین میں سے کوئی قانون بھی ان عیوب میں سے ایک یا اکثر سے پاک نہیں ہوتا، خاص کر پہلا اور تیسرا عیب تو ہر زمینی قانون میں جسے انسانیت نے معلوم کیا ہے ضرور پائے جاتے ہیں، ان عیوب سے نہ تو منتخب پارلیمنٹوں کے بنائے ہوئے قانون پاک ہوتے ہیں، نہ اشتراکی حکومتوں میں مزدور حاکم طبقے کے بنائے ہوئے قوانین بری ہوتے ہیں۔

جہاں تک سرمایہ دار حکومتوں میں منتخب پارلیمنٹوں کے حال کا تعلق ہے، سو عوام کے آزادانہ انتخاب کی حکایت محض ایک خرافات ہے عوام بھی اپنے دلوں کی گہرائیوں میں اس خرافات کی بڑائی کو محسوس کرتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ووٹر اپنے اصل ارادے کے اظہار میں اپنے آپ کو آزاد نہیں پاتا۔ اس کی روزی اور اس کی زندگی کی حفاظت کرنے والی روٹی کا لقمہ اس سرمایہ دار کے ہاتھ میں ہوتا ہے جسے وہ ووٹ دے رہا ہوتا ہے! بفرض محال اگر ووٹر کو انتخاب کی بے روک ٹوک پوری آزادی بھی ہو، اور وہ پارلیمنٹ کے لئے ممبروں کو منتخب کرے تو یہ پارلیمنٹ اپنے وجود کے لحاظ سے ایک خاص معین طبقے سے تعلق رکھتی ہے، اس میں وہ عناصر جو فی الحقیقت عوام میں سے ہوں، برائے نام ہوتے ہیں، اگر کوئی اس کے خلاف دعویٰ کرتا ہے تو یہ فقط دعویٰ ہی ہوگا! یہ منتخب طبقہ جو قانون بنائے گا، ان کے متعلق یہ بات مسلم اور پہلے سے طے شدہ ہے کہ اس میں سرمایہ دار طبقے کا مفاد ہی ملحوظ ہوگا، اس طبقے کا اس خاص جھکاؤ اور خواہش سے

Marfat.com

کسی حال میں بھی بری ہونا ممکن نہیں۔

اور جہاں تک مزدور طبقے کی حکومت کے حال کا تعلق ہے، تو یہ بات شروع ہی سے مسلم اور طے شدہ ہے کہ اس کی قانون سازی کا مقصد نہ صرف "بورژوائی" طبقہ کو پیسنا اور مٹا دینا ہے، پس اس حکومت میں مزدور لشکروں کی چاہے کتنی غالب اکثریت کیوں نہ ہو، وہاں ایک اور طبقہ بھی ضرور موجود رہے، کہ قانون سازی اس کے لئے نہیں بلکہ یقینی طور پر اس کے خلاف کی جاتی ہے، اس کے برخلاف وضاحت وصراحت کے ساتھ اور ارادے اور اصرار کے ساتھ!

یہ سب کچھ ان ممالک میں ہے جہاں قانون سازی اپنی داخلی ضروریات پر مبنی ہوتی ہے اور اسے مصر یا بعض دوسرے مسلم ممالک کی طرح باہر سے درآمد نہیں کیا جاتا، جہاں قانون سازی باہر سے درآمد کی جاتی ہے، وہاں کے قوانین میں پہلے اور تیسرے کے علاوہ دوسرا عیب بھی شامل ہو جاتا ہے، چونکہ قانون عوام سے بیگانہ ہوتا ہے، لہذا اس کی روح اور عوام کی روح میں فاصلہ اور دراڑ پیدا ہو جاتی ہے، یہ قانون عوام کی روح، ان کی اوضاع و اطوار اور ضروریات کے پیش نظر نہیں بنایا گیا، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس مستعار قانون کی تطبیق میں کئی مضحکہ خیز اور کئی رلانے والے واقعات پیش آتے ہیں، اگر اس قانون کے وضع کرنے والوں میں ذرا بھی بصیرت ہوتی اور غور و فکر کا کچھ بھی مادہ ہوتا تو وہ اس قانون کو اتنے اطمینان کے ساتھ باہر سے کبھی درآمد نہ کرتے!!!

اور جب کہ قدیم وجدید زمانے کے سارے خود ساختہ قوانین اوپر بیان کردہ عیوب میں سے ایک یا اکثر عیوب سے خالی نہیں ہوتے، تو ان تمام عیوب سے صرف اسلامی شریعت ہی بے نظیر و بے مثال طور پر مبرا کھڑی ہے

۱؎ سید مرحوم کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ بورژوائی طبقہ موجود نہیں تو سارا کھڑاگ کس کے خلاف رچایا جاتا ہے کیا یہ تمام پراپیگنڈہ محض فریب اور ہوائی ہوتا ہے؟

(مترجم)

اسلامی شریعت میں کسی فرد یا جماعت کے شعور کو یہ سمجھنے کی مجال نہیں کہ یہ قانون اس کے لئے عادل نہیں ہے، کیوں کہ عدل سے منحرف ہونے کے اسباب یہاں سرے سے موجود ہی نہیں۔ سب کے لئے قانون بنانے والا سب کا معبود ہے، کسی فرد یا جماعت کی جانب داری میں اس کی کوئی مصلحت نہیں ہے، اس طور پر اسلامی معاشرہ سے طبقاتی فکر مٹ جاتی ہے، کیونکہ یہاں کوئی ایسا قانون نہیں، جو کسی معین و مخصوص طبقے کی مصلحتوں کو ملحوظ رکھے، اور دوسرے طبقے کے مصالح کو ان پر قربان کر دے۔ ہر فرد کے حقوق و فرائض متعین ہیں، ان حقوق و فرائض میں پوری مطابقت پائی جاتی ہے، اس طرح اسلامی معاشرہ ایسے افراد کا مجموعہ بن جاتا ہے جن کے حقوق و فرائض قانون کی نگاہ میں بالکل برابر ہیں، یہ معاشرہ ایسے طبقات کا مجموعہ نہیں ہوتا جن کی مصلحتیں باہم متصادم ہوتی ہیں، اور قانون ان میں اُدھر اُدھر اسکے حق میں یا اسکے حق میں فیصلہ کرتا ہے، اس بناء پر اسلام میں طبقاتی نظام کا کوئی سایہ تک موجود نہیں ہوتا، نہ اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی طبقاتی جنگ کا وجود ہوتا ہے، یہ اس وقت ہوتا ہے جب کہ قانونی اور مالی شعبہ ہائے حیات میں اسلامی شریعت کو پورا پورا نافذ کیا جاتا ہے، اس قانون کی موجودگی میں قانونی عدل و انصاف کی عدم موجودگی کا تصور تک نہیں ہو سکتا، نہ اس شعور کے نتیجے میں پیدا ہونے والی قانون کے خلاف بغاوت وجود میں آتی ہے، صرف کچھ انفرادی انحرافات باقی رہ جاتے ہیں۔ جن کی اتنی زیادہ اہمیت نہیں۔

اسی طرح قانون کی روح اور افراد و جماعات کی روح میں بھی بیگانگی کا یہاں کوئی سوال نہیں ہوتا، کیونکہ اسلامی شریعت اپنے کامل توازن کی بناء پر جس کے بہت سے نمونے ہم نے گزشتہ فصلوں میں بیان کئے ہیں، انسانی فکر و عمل کے ہر میدان میں نفس انسانی کی ضروریات کو پورا کرتی ہے، وہ اپنے تمام رسوم و شعائر میں اور تمام قوانین میں جسم، روح اور فکر کی حاجات کا بر محل جواب دیتی ہے، افراد جب اکیلے اکیلے محنت کر رہے ہوں یا جب جماعتوں کی تنظیم میں کام کر رہے ہوں، دونوں حالتوں اسلامی قانون ان کی ضروریات کا کفیل ہے پس ان کی فطرت سلیمہ کی آرزوؤں میں کوئی تصادم رونما نہیں ہوتا، نہ ان کی صحیح طبعی قوتوں کو دبایا جاتا ہے اسکے

Marfat.com

ساتھ ہی ساتھ یہ قانون اس شاذ فکر و عمل کی حدود بھی مقرر کر دیتا ہے، جو افراد و جماعت ہونے کی حیثیت سے لوگوں کو نقصان پہنچاتے ہیں، وہ جماعت کو جب کہ وہ حکومت کی صورت میں جلوہ گر ہوتی ہے، عوامی عمل و فکر اور پیداواری قوتوں میں وہ تمام اختیار بخشتا ہے، جو سب کی بھلائی میں نفع آور ثابت ہو سکے، اور سب کے بھلے کی خاطر ہر اس فکر و عمل کو روک دینے کی طاقت دیتا ہے جسے صحیح و سلیم فطرت بے حیائی قرار دے، اسلامی شریعت کے خاص امتیازی مزاج کے ثبوت کے لئے وہی مثالیں کافی ہیں جو پچھلی فصلوں میں بیان کر دی گئی ہیں۔

اور آخر میں ہمیں یہ بھی کہنا ہے کہ فرد کو اپنی شخصیت منوانے یا معاشرے میں کسی فرد، جماعت یا سارے معاشرے پر سربلندی حاصل کرنے کے خیال سے اس قانون کے خلاف سرکشی کا موقع نہیں مل سکتا، ہاں! اگر کسی کا یہ مضحکہ خیز شعور خدا وند تعالےٰ ہی کے برخلاف ہو تو الگ بات ہے!

فرد کا یہ شعور کہ خود اس کی اور ساری انسانیت کی قوت سے اعلیٰ تر ایک قوت ہے جو میرے لئے قانون بناتی ہے، یہ شعور اس کے دل میں عزت افزائی کا خیال پیدا کرتا ہے نہ کہ غلام بنانے کا، یہ شعور اس کی شخصیت کو نکھارتا ہے، نہ کہ دباتا اور گھٹن پیدا کرتا ہے، یہ ایک ایسا امتیاز ہے جو اسلامی قانون کے سوا کہیں موجود نہیں، جو قانون کے سامنے سب کو واقعی حقیقت کے اعتبار سے برابر کرتا ہے نہ کہ پُر فریب الفاظ کے ساتھ۔

یہ صرف اسلام ہی ہے جو حاکم کی اطاعت کو اس شریعت پر مبنی ہونے کی سند دیتا ہے، جسے اس نے نہیں بلکہ تمام انسانوں کے معبود نے بنایا ہے۔ اس طرح اسلامی شریعت کا ہی یہ امتیاز ہے کہ وہ حاکم کی اطاعت کو اس شرط سے مشروط کرتا اور صرف اسی وقت تک باقی ٹھہراتا ہے جب تک کہ حاکم اس شریعت پر خود چلے اور اُسے دوسروں پہ نافذ کرے، نہ یہ کہ ایسے قوانین کا نفاذ کرے جن کو اس نے یا کسی اور نے ایجاد کر لیا ہے اور جو اللہ تعالےٰ کے اعلیٰ قانون کے خلاف ہیں، پھر جب حاکم و محکوم میں کسی مقدمے یا فیصلے میں اختلاف ہو جائے تو اس کے تصفیے کا طریقہ یہ نہیں کہ حاکم کی مرضی اور اس

کے حکم کو ترجیح دی جائے، بلکہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ حاکم اور محکوم دونوں اللہ اور اس کے رسول ؐ کی طرف رجوع کریں۔ ارشاد قرآنی ہے۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ۔

(النساء۔ ۵۶)

"اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول ؐ کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے ارباب اقتدار کی اطاعت کرو پھر اگر کسی معاملے میں تمہارا تنازع ہو جائے، تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو۔"

فرد اپنی شخصیت کی نمود کے لئے انتہائی طور پر جو کچھ طلب کر سکتا ہے وہ بس یہی ہے بشرطیکہ اس کی فطرت درست ہو، اس میں انحراف اور علیحدگی پسندی نہ رچ گئی ہو، انسانی افراد میں غالب اکثریت سلیم الفطرت لوگوں کی ہے، اسلام اسی غالب اکثریت کے لئے قانون بناتا ہے، اور اس کے دائرہ میں امن وسلامتی قائم کر دیتا ہے۔

Marfat.com

عالمی امن

کائنات، حیات اور انسان کے بارے میں اسلام کا وہ کلی نظریہ جس کے بنیادی خطوط ہم نے اختصار سے اس کتاب کی ابتداء میں بیان کئے ہیں، اس نظریے کی روشنی میں، پھر اسلام میں امن و سلامتی کے مزاج کے سائے میں، جس پر ابتداء میں گفتگو کی جا چکی ہے، اب ہم اس قابل ہو چکے ہیں کہ انسانوں کے درمیان بین الاقوامی امن و سلامتی قائم کرنے کے لئے اسلام کا رویہ اور طرزِ عمل بیان کریں، ہم اس انتہا تک پہنچنے کی خاطر اس موضوع کے ساتھ قدم بقدم چلتے آئے ہیں، روحانی امن و سلامتی سے گھریلو امن تک، پھر معاشرتی امن تک پہنچے، یہاں تک کہ ان قدموں نے ہمیں ایک توازن و تناسب اور رفتار کے ساتھ عالمی امن کے موضوع تک پہنچا دیا ہے۔

حیات کے بارے میں اسلام کا کلی نظریہ ہماری اس طرف راہنمائی کرتا ہے کہ وہ زندگی کو ایک وحدت شمار کرتا ہے، وہ اسے وقت اور زمانے کے لحاظ سے بھی ایک وحدت سمجھتا ہے، جس کے حلقے باہم پیوستہ ہیں، جس کی سیڑھیاں قدم بقدم آگے بڑھتی ہیں، نسلیں اور معاشرے باہم نظم و نسق اور توازن کی رسی میں منسلک ہیں۔ اور اس حیات میں اوضاع و اطوار پے در پے چلے آتے ہیں فطرت کے لحاظ سے بھی وہ اسے ایک وحدت شمار کرتا ہے، جس کی آرزوئیں اور تمنائیں

Marfat.com

باہم ملی جلی ہیں، روح و مادہ باہم مخلوط ہیں جب اس کی اچھی طرح تزکیہ و تربیت کی جائے تو سربلندی کے قابل ہے، اور جب راہنمائی، قیادت اور تربیت بڑی ہو تو گر جانے کو تیار ہے، اسی حقیقت کو قرآن نے یوں بیان کیا ہے

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰاهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰاهَا ۝
قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا (الشمس ۷ ــ ۱۰)

"اور قسم ہے جان کی، اور اسے جو درست کیا اس کی، پھر اسے اس کی بُرائی اور بھلائی کا الہام کیا۔ بیشک فلاح پا گیا جس نے اسے پاک کیا، اور بیشک ناکام رہا جس نے اسے آلودہ کیا۔"

اور امن و سلامتی کے متعلق اسلام کا نظریہ بوجہ اس پہلے کلی نظریے پر قائم ہے ہمیں یہ بتاتا ہے کہ اسلام ساری انسانیت کو ایک بشریت شمار کرتا ہے۔ دین کو صرف ایک ہی دین شمار کرتا ہے، تمام ایمانداروں کو ایک امت گردانتا ہے۔ اس دینِ واحد کے اطوار و اوضاع میں سے اسلام کو آخری اور انتہائی دور ٹھہراتا ہے، وہ اپنے سے پہلے گزرنے والے دور کی تصدیق کرتا ہے اور اس کی حفاظت و نگرانی کرتا ہے، کیونکہ وہ خود اس کا آخری طور ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ (المائدہ : ۴۸)

"اور ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب حق کے ساتھ اتاری، درانحالیکہ وہ پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی اور ان کے مضامین کی حفاظت کرتی ہے"

عالمِ بشریت کی طرف سے مسلمانوں پر بہت سی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ کیونکہ انہیں اس پر وصی ٹھہرایا گیا ہے، اور ان کی کتاب کو بشریت کی کتابوں پر مہیمن بنایا گیا ہے، وہ اس بات کے مکلف ہیں کہ زمین میں اس امن و سلامتی کو قائم کریں، جس کے قدم بقدم درجات ہم نے ضمیر، گھر اور معاشرہ کی بحث میں بیان کئے ہیں اور اس کی بنیادوں اور اصول، یعنی عدل و مساوات اور حریت پر ہم نے بحث کی ہے

Marfat.com

نیز زندگی کی قانونی اور اقتصادی ضمانتیں بیان کی ہیں۔ بغاوت کو روکنے اور ظلم کے ازالے کا ذکر کیا ہے، اجتماعی توازن اور باہمی کفالت و تعاون پر ہم نے بحث کی ہے، اختلاف و نزاع اور افراد و جماعت کے اندر تصادم کا بیان کیا ہے، علیٰ ہذا القیاس ان ذرائع و وسائل کو دور کرنے کا طریقہ بتایا ہے جو طبقات کے قیام، ان کے باہمی امتیاز اور کش مکش پر منتج ہوتے ہیں۔ اس کتاب کی گذشتہ فصلوں میں یہ اور اس قسم کے دیگر مضامین پیش کئے جا چکے ہیں۔

امّت مسلمہ کو امت وسط بنایا گیا ہے۔ یعنی وہ زندگی کے تمام مقاصد و معاملات میں افراط و تفریط کے درمیان راہ عدل پر ہے، دین اسلام کی حدود و اصول، جن میں سے بعض کا ذکر ہم نے امن کے بیان میں کیا ہے، اس امت کے لئے یہی عادلانہ راہ پیش کرتی ہیں، امت کا فرض ہے کہ اس بوجھ کو اٹھائے، اور اس سے گریز نہ کرے کیونکہ خالق حیات کی طرف سے اس دنیوی زندگی میں یہی اس کا مقدر حصّہ ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۙ (البقرہ: ۱۴۳)

"اور اسی طرح ہم نے تمہیں درمیانی امّت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور پیغمبر تم پر گواہ بنے۔"

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ (آل عمران ۱۱۰)

"تم بہترین امت ہو، جسے لوگوں کی خاطر نکالا گیا ہے، تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے برائی سے روکتے اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔"

جہاد فی سبیل اللہ،

لیکن اس سب کچھ کے باوجود اس دین نے کسی معاملہ میں تنگی اور جبر روا نہیں رکھا، اس نے مسلمانوں کو اس چیز پر مامور نہیں کیا، کہ لوگوں کو زبردستی یہ دین قبول کرنے

Marfat.com

پر مجبور کریں، وجہ یہ ہے کہ زمین میں اللہ کے دین واحد کے اطوار میں سے یہی دین کامل ترین اور مکمل ترین طور کی حیثیت رکھتا ہے:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۖ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ

(البقرہ: ۲۵۶)

"دین میں کوئی جبر نہیں، ہدایت گمراہی سے واضح ہو چکی"

اس نے انہیں اوّلاً تو اس حکم کا مکلف کیا ہے کہ ایمانداروں کی حمایت کریں تاکہ دین کے بارے میں انہیں فتنے میں کوئی بھی مبتلا نہ کر سکے، اور ان کے برخلاف استعمال ہونے والی قوت کو قوت سے دُور کریں، کیوں کہ یہاں بھلے طریقہ سے دعوت پیش کرنا مفید نہیں رہا، نہ یہ اس کا مقام ہے، دوسرے نمبر پر اسلام نے انہیں اس بات کا مکلف ٹھہرایا ہے کہ عدلِ اعظم کو زمین میں قائم کریں، انسانیت کو زندگی کے تمام میدانوں میں اس عدل سے فائدہ پہنچائیں۔ چاہے یہ عدل معاشرے کے افراد کے متعلق ہوں، چاہے قوم میں مختلف جماعتوں کے متعلق، یا زمین پر بسنے والی سب قوموں کے متعلق ہو جن سے مل کر بشریت کبریٰ وجود میں آئی ہے' یہ حکم مسلمانوں سے اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ ظلم و بغاوت دنیا بھر میں کہیں بھی ہو اس کا مقابلہ کریں، خواہ وہ ایک فرد کا اپنے اوپر ظلم ہو، ایک جماعت کا اپنے اوپر ظلم ہو یا حکومت کا اپنی رعایا پہ ظلم ہو، پس ظلم ساری دنیا میں کہیں بھی ہو، امت مسلمہ اس کا مقابلہ کرنے اور اس کے اسباب کا ازالہ کرنے پر مامور ہے وہ اس لئے ایسا نہ کرے گی، کہ زمین کی مالک بنے، مادی فوائد پر غلبہ حاصل کرے، اور گردنوں کو جھکائے، بلکہ اس لئے کرے گی کہ ہر غرض سے بالاتر ہو کر زمین میں اللہ کے کلمے کو قائم کرے۔ یہی وہ چیز ہے جس پر اسلام میں "جہاد فی سبیل اللہ" کا اطلاق ہوتا ہے یعنی کلمۃ اللہ کو قائم و ثابت کرنے کی جدوجہد کرنا، اس لئے نہیں کہ لوگوں کو جبراً مسلمان بنایا جائے بلکہ اس لئے کہ انہیں ظلم و ذلت سے گلو خلاصی کرانے کا موقع بہم پہنچایا جائے تاکہ وہ کسی سرکش قوت کے دخل کے بغیر آزادی اختیار کرنے کے مالک ہو سکیں۔ اور اللہ ان کے لئے جس عدلِ مطلق کو چاہتا ہے اس سے نفع اندوز ہو سکیں۔ قرآن کا ارشاد ہے۔

Marfat.com

اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ الطَّاغُوۡتِ (النساء: ۷۶)

"جو ایمان دار ہیں وہ اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہیں اور جو کافر ہیں وہ طاغوت کی راہ میں قتال کرتے ہیں"۔

اسلام کے بنیادی اصول اپنے اندر ایک حقیقی اور کامل بغاوت رکھتے ہیں جسے آج تک کی معلوم انسانی تاریخ میں سب سے بڑا انقلاب شمار کیا جاتا ہے۔ یہ بغاوت کیا ہے؟ ظلم کی ہر صورت اور ہر رنگ و روپ کے خلاف بغاوت! ہر میدان اور ہر جگہ میں بغاوت!! ان حکومتوں، تنظیموں اور اوضاع و اطوار کے خلاف بغاوت جو اس ظلم کا سہارا لیتی ہیں، کسی فرد کی خاطر اسے باقی رکھنا چاہتی ہیں، جو حاکم یا استحصال کنندہ کی صورت میں کسی گروہ کا خون چوس رہا ہو، کسی طبقے کی خاطر اسے بچانا چاہتی ہیں، جو جاگیرداروں یا سرمایہ داروں کی صورت میں دوسروں کا استحصال کرتا ہو، یا کسی حکومت کے لئے اس کا بقاء چاہتی ہیں جو حملہ آوروں اور سامراجیوں کی شکل میں کسی اور حکومت پر چڑھ دوڑتی ہو۔

اب یہ بالکل ناگزیر تھا کہ کچھ افراد، طبقے، اور حکومتیں اسلام کی راہ روکنے کی کوشش کریں، اسی طرح یہ بھی بالکل ناگزیر تھا کہ اسلام اس مقابلے کی پروا نہ کرتے ہوئے اپنے کامل و مکمل انقلاب کو جاری رکھتا، علیٰ ہٰذا القیاس یہ بھی ناگزیر تھا کہ اس انقلاب کی مدد کے لئے اور کلمۃ اللہ کو زمین میں قائم کرنے کے لئے اہل اسلام پر جہاد فرض کیا جاتا، اور انسانیت کو افراد اور جماعتوں کی صورت میں اشخاص، حکومتوں، نظاموں اور ظالم تہذیبوں کے ظلم و جور سے نکالا جاتا۔ یہ اس لئے ضروری تھا کہ عظیم عالمی امن کو اس کی مضبوط بنیادوں پر قائم کرتا، نہ صرف بین الاقوامی حد تک ہی بلکہ ان حکومتوں کی حدود کے اندر بھی۔ سو اسلام کو کسی حکومت کے اندرونی حدود میں ظلم ہوتا دیکھ کر صرف اس لئے خاموش رہنا روا نہیں کہ اس کے اس حکومت کے ساتھ دوستانہ اور پُرامن بقائے باہمی کے تعلقات ہیں، وہ ظلم کی اتنی بڑی قیمت ادا نہیں کر سکتا! اسلام پر بین الاقوامیت

Marfat.com

کا تصوّر حاوی رہتا ہے، اس لئے وہ نہیں سوچ سکتا کہ کسی حکومت کے ساتھ محض جھوٹا امن خریدنے کے لئے اسے اپنی رعایا پر ظلم وستم کرنے کی چھٹی دے دے، وہ اسے اپنے عوام کو قانونی اور اجتماعی عدل سے محروم کردینے کی اجازت نہیں دے سکتا، کیوں کہ اس ظالم حکومت کی رعایا چاہے کسی قوم اور مذہب و ملت سے تعلق رکھتی ہو بہر حال وہ انسان ہیں۔ امت مسلمہ اس پر مامور ہے، کہ ان سے ظلم دور کرے، اور عدل وانصاف مہیا کرے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاد ایک عالمی انقلاب برپا کرنے کا نظریہ ہے نہ کہ حکومت وتسلط اور مالِ غنیمت حاصل کرنے کا ذریعہ اسی انقلاب کے ذریعے سے ہر قسم کا امن قائم ہو سکتا ہے، یعنی روح وضمیر کا امن خاندانی امن، معاشرتی امن، اور سب سے آخر میں عالم انسانیت کا مجموعی امن! عالم انسانیت کا حقیقی اور کامل امن جسے کوئی انسان صرف اس لئے پا سکے، کہ وہ انسان ہے اور انسان ہونے کی حیثیت سے یہ اس کا حق ہے۔"

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ (النساء: ۱۳۵)

"اے ایمان والو! عدل وانصاف قائم کرنے والے، اللہ کے لئے گواہی دینے والے بنو! گو یہ گواہی تمہارے اپنے خلاف ہو، یا والدین اور قرابت داروں کے خلاف ہو۔"

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (المائدہ: ۸)

"اور تمہیں کسی قوم کی دشمنی اس پر آمادہ نہ کرے کہ ناانصافی کرنے لگو، عدل کرو وہی تقویٰ سے قریب تر ہے۔"

یہ خطوط اسلام میں عالمی امن کے مزاج کی تصویر کشی کرتے ہیں، وہ اس محدود معنی میں امن نہیں ہے کہ ہر قیمت پر قتال سے باز رہو، چاہے ترکِ قتال کی بنیاد کچھ بھی ہوں، اسلام کی نگاہ ایک گھٹیا، بے قیمت امن بھی ہے، جو انسانیت کے

Marfat.com

خلاف قائم ہوتا ہے، وہ انسانیت کے ان اعلیٰ اصول کے خلاف قائم ہوتا ہے جنہیں اللہ تعالےٰ نے بنی نوع انسان کے لئے بنایا ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالےٰ ایمانداروں کو اس امن سے بچنے کے لیے تاکید کرتا ہے،

وَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْا إِلَى السَّلْمِ وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ ۝ (محمد: ۳۵)

"اور تم کھوٹے مت ہوجاؤ، اور صلح اور امن کی طرف نہ بلانے لگو، حالانکہ تم ہی اعلیٰ رہوگے، اور اللہ تعالےٰ تمہارے ساتھ ہے۔"

مومن اعلیٰ اس لئے ہیں کہ وہ زندگی کی اعلیٰ ترین قدروں کو قائم کرنا چاہتے ہیں، لوگ جب ان قدروں پر ایمان لے آئیں تو اللہ کی طرف سے ان کی مدد ناگزیر ہے کیوں کہ یہ اعلیٰ قدریں کلمۃ اللہ میں سے ہیں

إِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ ۝ (محمد: ۷)

"اگر تم دین خداوندی کی مدد کروگے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا، اور تمہیں ثابت قدم بنادے گا۔"

وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَنْصُرُهُ ط إِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝ الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكٰوةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ط وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ۝

(الحج: ۴۰ - ۴۱)

"اور جو کوئی اللہ کے دین کی مدد کرے گا، اللہ تعالےٰ ضرور اس کی مدد کرے گا بلاشبہ اللہ قوی ہے، غالب ہے، وہ لوگ کہ اگر ہم انہیں زمین میں غلبہ دے دیں تو وہ نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے، اور نیکی کا حکم دیں گے، اور برائی سے روکیں گے، اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔"

اسلام کلمۃ اللہ کو زمین میں قائم کرنے کی خاطر ایک دائمی غیر منقطع جہاد میں ہے یہ جہاد اس صالح نظام کو برپا کرنے کے لئے ہے جو فرد، جماعت اور بشریت کے جان

میں اسلام کے اعلیٰ اصولوں پر قائم ہوتا ہے، اسے یہ حکم دیا گیا ہے کہ روئے زمین پر کسی ظالم قوت سے صلح نہ کرے، چاہے یہ ظالم قوت افراد اور جماعتوں پر جبر کرنے والے کسی فرد کی شکل میں ہو، دوسرے طبقوں کا استحصال کرنے والے کسی طبقہ کی شکل میں ہو، یا سلطنتوں اور قوموں کا استحصال کرنے والی کسی حکومت کی شکل میں؛ اسلام کے نزدیک یہ سب ایک ہی صورت ہے، جو اس کے بنیادی اصولوں کے خلاف ہے، اور اس پر لازم ہے کہ طاقت بھر اس سے جہاد کرے، اس پر واجب ہے کہ اس صورت سے کبھی صلح نہ کرے۔ ہاں! مگر جب اس کے مقابلہ میں اپنی طاقتوں کو جمع کر رہا ہو تو الگ بات ہے۔ اس پر فطرتاً یہ بھی لازم ہے کہ ان صورتوں سے تعاون نہ کرے، اور کسی حال میں ان کی صف میں کھڑا نہ ہو؛

وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (المائدہ: ۲)

"اور گناہ اور تعدی پر کسی سے تعاون مت کرو"

اسلام کی قوت ایک آزاد قوت ہے وہ زمین پر اس لئے آزادانہ چلتی ہے کہ ظلم و غلامی اور استحصال کی بنیادوں کو بیخ ڈالے، اس میدان میں وہ کسی جنس، رنگ، زبان، اور مذہب کی طرف نہیں دیکھتا۔ سب لوگ اس کے نزدیک برابر ہیں، کیونکہ وہ انسان ہیں، قومیت کا نظریہ اپنے محدود دہنی کے لحاظ سے جو یورپ سمجھتا ہے اور جو ایک چھوت کی بیماری کی طرح اپنی تنگ، کمزور اور بے وزن حدود کے ساتھ ہماری طرف بھی منتقل ہو گیا ہے اسلام اسے اس معنی میں نہیں جانتا، کیونکہ یہ مفہوم اس کے وحدتِ بشریت کے کلی نظریے کے خلاف ہے۔

ظلم جہاں کہیں ہو، اسلام کو اسے دور کرنے اور مقابلہ کرنے کا حکم ہے، یہ ظلم چاہیئے مسلمانوں پر واقع ہو، چاہے ذمیوں پر جن کے لئے اسلام نے اپنی حمایت کا ذمہ لیا ہے یا ان کے علاوہ کسی اور پر ہو، جنہیں مسلمانوں کے ساتھ کوئی عہد یا اتفاق مربوط نہیں کرتا اسلام جہاں کہیں کسی ظالم فرد، ظالم جماعت یا ظالم حکومت کا مقابلہ کرتا ہے تو اس نقطۂ نظر سے کرتا ہے کہ یہ انسانوں کی ایک جماعت دوسری پر ظلم کر رہی ہے۔ اس لحاظ سے نہیں کہ وہ کالے، سرخ، زرد یا سفید ہیں، نہ اس لحاظ سے کہ وہ عیسائی

Marfat.com

یہودی یا مشرک ہیں، وہ ان کا اس حد تک مقابلہ کرے گا جس حد تک وہ زمین میں کلمۃ اللہ کے قیام کو معطل کرتے ہیں، اور بنی نوع انسانی کے لئے حقیقی امن کے قیام میں روکاوٹ ڈالتے ہیں، اس رکاوٹ میں جس کا جتنا حصّہ ہوگا، وہ اس پر اتنا ہی سخت ہوگا جو جتنا سرکش، گمراہ اور فسادی ہوگا، اس پر اتنی ہی سختی کی جائے گی جب یہ سرکش قوت صلح و امن پر آمادہ ہو کر سیدھی ہو جائے یا راہ راست پر آجائے، تو اس کے بعد افراد کو آزاد چھوڑ دیا جائے گا کہ اپنے لئے جو بھی چاہیں عقیدہ اختیار کرلیں، بشرطیکہ اس عقیدے میں خدا پر ایمان موجود ہو۔

کفار و مشرکین اور اہل کتاب کے بارے میں اسلام کے موقف میں جو اختلاف ہے، اس کا منشاء یہی نقطہ ہے، کفار و مشرکین اللہ پر عقیدہ رکھنے کی بنیاد کے ہی منکر ہیں، اس کے نتیجے کے طور پر وہ خلق کے تمام قواعد اور ادبی معانی کے منکر ہیں، کیوں کہ ان میں عدل الٰہی کے قواعد پائے جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے وجود کے لحاظ سے ہی اس کلمۃ اللہ کے خلاف ایک اعلان جنگ ہیں جسے اسلام ثابت کرتا ہے۔

اس کے باوجود اسلام ان سے اس وقت تک قتال نہیں کرتا جب تک کہ وہ اس کی دعوت سے نہ لڑیں، اس کے نظریئے کا مقابلہ نہ کریں اور اہل اسلام کو اذیت نہ دیں، بلکہ وہ تو اس بات سے بھی منع نہیں کرتا، کہ ان کے اور مسلمانوں کے درمیان نیکی اور انصاف کی بنیاد پر تعلقات قائم ہوں، جب کہ وہ اسلام اور مسلمانوں سے برسر جنگ نہ ہوں،

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ط اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قَاتَلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ط وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ (الممتحنہ ۸ - ۹)

Marfat.com

"اللہ تمہیں ان لوگوں سے نہیں روکتا جنہوں نے دین میں تم سے قتال نہیں کیا اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، کہ تم ان سے اچھا سلوک کرو اور انصاف کرو بیشک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اللہ تو تمہیں صرف ان لوگوں سے روکتا ہے جنہوں نے دین میں تم سے قتال کیا اور تمہیں تمہارے وطنوں سے نکالا، اور تمہارے نکالنے پر دوسروں کی مدد کی، کہ ان سے دوستی رکھو۔ اور جو ان سے دوستی رکھے، تو وہی لوگ ظالم ہیں"

رہ گئے اہل کتاب، سو وہ یا تو مستقل حکومتوں کی صورتوں میں ہیں یا گروہوں کی شکل میں جو مسلمانوں کے درمیان رہتے ہیں، اگر پہلی صورت ہو تو یا تو ان میں اور مسلمانوں میں معاہدے اور میثاق قائم ہیں، یا قائم نہیں، اگر وہ مسلمانوں کے ساتھ عہد و میثاق کے رابطے میں مربوط ہیں تو ان کے عہد قائم رکھے جائیں گے مسلمان ان سے عہد کی خلاف ورزی نہیں کریں گے، اور نہ ان کے عہد توڑیں گے۔ جیسا کہ ہم آئندہ پیرے میں مفصّل بیان کریں گے۔ اور اگر کوئی عہد و میثاق نہیں تو وہ گزشتہ نصوص میں داخل ہیں، اگر وہ مسلمانوں کو ایذا نہ دیں گے اور دعوت اسلامی کی راہ نہ روکیں گے، تو ان کے لئے نیکی اور انصاف ہے، اور اگر وہ ایذا دہی اور دعوت اسلامی کی راہ روکنے سے باز نہ رہیں گے، تو اسلام پر لازم ہے کہ تین صورتوں میں سے ایک کو اختیار کرنے کی انہیں آزادی دیدے۔ اسلام، جزیہ یا قتال۔

ا۔ اسلام اس لئے کہ وہ اللہ کے دائمی دین کے اطوار میں سے آخری طور ہے اور ساری بشریت کے لئے ہدایت ہے۔ اور اس لئے کہ وہی وہ ناموس ہے جو تمام انسانوں پر مشتمل ہونے والی جامع امن و سلامتی کو قائم کرتا ہے۔

ب جزیہ۔ اس لئے کہ وہ قتال سے باز رہنے کی دلیل ہے، آزادی دعوت کو تسلیم کرنے کی اور اس مادی قوت کو دور کرنے کی دلیل ہے جو لوگوں کو اسلامی دعوت سے روکتی ہے۔

Marfat.com

ج۔ قتال، اس لئے کہ کلمۃ اللہ کا مقابلہ کرنے اور اس کے خلاف اصرار و عناد کی پالیسی اختیار کرنے کی یہی صورت ہے جو مذکورہ تین میں سے باقی رہتی ہے۔ چونکہ یہ قوت انسانیت کو اس روشنی، عدل اور بنی نوع انسان کے لئے کامل و مکمل امن سے روک کر اس سے فائدہ اٹھانے سے منع کرتی ہے جو کلمۃ اللہ کے اندر موجود ہے پس اس قوت کا مقابلہ صرف تیسری صورت (قتال) سے ہو سکتا ہے۔

اہل کتاب کے جو گروہ مسلمانوں کے درمیان رہتے ہیں، ان کا معاملہ عام اہل کتاب سے مختلف ہے، اور وہ ذمی ہیں، کیونکہ اسلام نے انہیں حمایت و نگرانی کا قول دیا ہے، اور ان کی حفاظت کی ذمہ داری اٹھائی ہے، ان کے حقوق و فرائض بالکل ہمارے جیسے ہیں، اس میں اسلام کی صریح نص موجود ہے، ان سے جو جزیہ لیا جاتا ہے، وہ مسلمانوں سے لی جانے والی زکوٰۃ کے مقابلے میں ہے جزیہ ان کی طرف سے حکومت کے اخراجات میں ان کا حصہ ہے، جو ان کی حفاظت و حمایت کے بدلے لیا جاتا ہے۔ حکومت کی ان کے لیے حمایت و رعایت مسلمان رعایا کی مانند ہے۔ علاوہ ازیں اس کے بدلے میں انہیں حکومت کی طرف سے بلا امتیاز و تفریق بے لوث عدل حاصل ہوتا ہے، حکومت ان کے لئے ان کی ضمانتیں اور ذمہ داریاں بھی تسلیم کرتی ہے، اور بیماری، عجز اور بڑھاپے میں ضروریات زندگی کی ذمہ داری لیتی ہے۔ اسلام یہ نہ چاہتا تھا کہ انہیں ادائے زکوٰۃ پر مجبور کرے۔ کیونکہ وہ ایک خاص اسلامی عبادت ہے، اسلام افراد کے لئے آزادی فکر و ضمیر اور آزادی عقیدہ کی جو ضمانت دیتا ہے وہ اسے اس امر سے باز رکھتی ہے کہ ذمیوں کو ایک خالص اسلامی عبادت کے ادا کرنے پر مجبور کرے، یہی سبب ہے کہ اسلام ان لوگوں سے جزیہ کے عنوان کے تحت ٹیکس وصول کرتا ہے نہ کہ زکوٰۃ کے نام سے، تاکہ اسلام کے اس عام اصول کی نگرانی کی جائے کہ

لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ (البقرہ: ۲۵۶)

"دین میں کوئی جبر نہیں"

اگر وہ بلا جبر و اکراہ، اپنی رضا اور اختیار سے مسلمانوں کی مانند زکوٰۃ کا ٹیکس بھی

Marfat.com

پسند کریں تو انہیں اس کا حق داختیار رہے، اس کی نظیر یہ ہے کہ جناب حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں قبیلہ بنی تغلب نے جزیہ کے بجائے زکوٰۃ کی ادائیگی کو از خود پسند کر لیا تھا، اور اسی بنیاد پر وہ زکوٰۃ دیا کرتے تھے۔[1]

اس لئے امتِ اسلامیہ کے اندر رہنے والی عیسائی اور غیر عیسائی اقلیتوں میں اسلامی حکومت کے قیام کی صورت میں دشمنوں کی طرف سے شکوک وشبہات اور خوف پھیلانے سے بڑھ کر خبیث تر اور عجیب تر بات اور کوئی نہیں۔ یہ ایک خود غرضانہ، خبیث اور غلط دعویٰ ہے، جو کبھی کبھی ان اقلیتوں کے بعض احمق اور بدنیت گروہوں کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے اس کا باعث محض وہ بغض، کینہ، اور رذیلی ہے۔ جو اسلام کے خلاف ان کے دلوں میں بلا وجہ موجزن ہوتی ہے، وہ اسلام کے خلاف صرف اس لئے عداوت رکھتے ہیں کہ وہ اسلام ہے۔ اور کوئی وجہ نہیں۔ کبھی کبھی یہ دعویٰ نام نہاد مسلم افراد کی طرف سے بھی کیا جاتا ہے، یہ لوگ مکڑی کے جالے جیسے کمزور انسان کا چوڑا ہیں جو اس خبیث دعوے کے پوشیدہ گھونسلوں کا سہارا لیتے ہیں، کیونکہ وہ ان کے معمولی مادی نفع، یا شہرت یا ان کی کمزور یا اور مشکوک شخصیتوں کے پروپیگنڈے کے مالک ہیں، اس کا ایک باعث یہ بھی ہے کہ یہ لوگ اس طرح سے صلیبی پادریوں اور بعض مستشرقین کی رضامندی حاصل کرتے ہیں، یہ جارح صلیبیت کے لئے وہ خدمات انجام دے رہے ہیں جو کوئی مسلمان بلکہ کوئی شریف النسان بھی کسی حال میں انجام نہیں دے سکتا، چونکہ ایسے لوگ شاذ و نادر ہی ہوتے ہیں، لہذا انہیں متعصب ترین صلیبیوں میں اپنے گاہک میسر آجاتے ہیں، اس لئے نہیں کہ وہ واقعی کچھ قیمتی ہیں، بلکہ اس لئے کہ خوش قسمتی سے یہ لوگ شاذ و نادر رہیں انسانی فطرت اس بدبودار کیچڑ میں زوال اور غلامی کے زمانے میں بھی نہیں گر سکتی، اس بات کی صداقت کا اندازہ اسی سے کرلو کہ یہ لوگ ہمارے معاشرے میں بھی نہایت ہی قلیل و نادر ہیں۔

---

[1] "الدعوۃ الی الاسلام" از سرٹ و آرنولڈ مترجمہ ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن وغیرہ ص ۹۹

Marfat.com

انسانی فیاضی کی روح

اسلام کی روح میں جو انسانی فیاضی پائی جاتی ہے، کوئی منصف مزاج اس کا انکار یا اس کے متعلق حیلہ و فریب نہیں کہہ سکتا، یہ فیاضی سارے انسانی مجموعے پر صرف ہوتی ہے، کسی خاص جنس یا کسی خاص دین کے پیروؤں کے لئے نہیں۔ یہ انسان کے لئے بحیثیت انسان ہے، اسلام جب انسانی ہدایت میں اپنا فریضہ ادا کرتا ہے اور اس سے ظلم و ستم اور فساد کو دور کرتا ہے تو کسی مرد یا قوم کے خلاف اس میں کوئی شدت یا جوش نہیں ہوتا، نہ اس کے دل میں کسی مذہب یا جنس کے خلاف کوئی کینہ ہوتا ہے،

وسیع النظری اور رواداری کی یہ روح اسے زمین میں امن و سلامتی قائم کرنے کا موقع دیتی ہے، مختلف جنسوں، رنگوں، اور مذہبوں کو جوڑنے کا موقع دیتی ہے/ بنی نوع انسان میں فیاضی، محبت اور باہمی الفت و رحم پھیلانے کا موقع دیتی ہے اور زندگی کی فضا کو انفرادی حسد، طبقاتی جنگ، نسلی نفرت اور مذہبی تعصب سے پاک کرنے کا موقع بہم پہنچاتی ہے، اسی طرح یہ روح اسے ان جنگوں کو روکنے اور قتل و غارت کو بند کرنے کا موقع دیتی ہے، جو ان ہی اسباب کا نتیجہ ہوتے ہیں، نیز وہ جنگیں جو محض مادی، استحصالی توسیع پسندی اور رفیع حاصل کرنے کی خاطر یا جھوٹی عظمت کے لئے لڑی جاتی ہیں۔

اسلام کے عام بنیادی اصول اس خالص انسانی روح کی تصویر کشی اس طرح کرتے ہیں

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىٕلَ لِتَعَارَفُوْا ط (الحجرات : ۱۳)

"اے انسانو! بلاشبہ ہم نے تمہیں ایک مرد عورت سے پیدا کیا، اور تمہاری شاخیں اور قبیلے بنائے، تاکہ ایک دوسرے کو پہچان لو۔"

وَ لَا تُجَادِلُوْۤا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ط اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ط وَ قُوْلُوْۤا اٰمَنَّا بِالَّذِیْۤ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ ج وَ اِلٰهُنَا وَ اِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ o (العنکبوت : ۴۵)

Marfat.com

"اور اہل کتاب کے ساتھ صرف احسن طریقہ سے بحث کرو، سوائے ان لوگوں کے جو ان میں سے ظالم ہوں، اور کہو کہ ہم ایمان لائے اس پر جو ہم پر اتارا گیا، اور تم پر اتارا گیا، اور ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہے، اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں"

قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ ط (الجاثیہ: ۱۴)

"ایمانداروں سے کہہ دو کہ ان لوگوں کو معاف کریں، جو ایام اللہ کی امید نہیں رکھتے"

(عن جابر بن عبد الله قال: مرّت بنا جنازةٌ فقام النبيّ صلى الله عليه وسلم وقمنا - قلنا يا رسول الله! انها جنازةُ يهودىّ - فقال: اَوَ لَيْسَتْ نَفْسًا، اذا رأيتم الجنازةَ فقوموا (صحیح بخاری)

"حضرت جابرؓ بن عبداللہ نے فرمایا کہ ہمارے قریب سے ایک جنازہ گزرا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوگئے اور ہم بھی کھڑے ہوگئے پھر ہم نے گزارش کی یا رسول اللہ! یہ تو ایک یہودی کا جنازہ تھا! تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا! کیا یہ ایک انسانی جان نہ تھی؟ جب تم کوئی جنازہ دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ"!

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء اور سب مسلمان بالعموم اسی خالص انسانی فیاضی پر عمل پیرا رہے۔ اگر کہیں کسی عارضی جزئی واقعہ کا وجود بھی تھا تو اس کا سبب مذہبی ضرورت کو نہیں گردانا جا سکتا، نہ ظلم و فساد کو قرار دیا جا سکتا ہے، ایسے واقعات ان لوگوں سے سرزد ہوئے جنہیں اسلام کا صحیح نمونہ نہیں سمجھا جا سکتا، ایسے لوگ اسلام کے اعلیٰ اصول اور اس کی روحِ انسانیت سے باخبر نہیں کہلا سکتے۔

جناب حضرت عمرؓ نے ایک بوڑھے اندھے کو کسی دروازے پر مانگتے دیکھا۔ آپ نے اس کے بارے میں دریافت فرمایا تو پتہ چلا کہ وہ یہودی تھا حضرت عمرؓ نے اس سے پوچھا کہ وہ مانگنے پر کیوں مجبور ہوا ہے؟! اس نے جواب دیا کہ جزیہ، ضرورت اور تقاضائے عمر، حضرت عمرؓ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنے گھر لے آئے اس کی فوری ضروریات پوری کر دیں۔ اور بیت المال کے خزانچی کو پیغام بھیجا کہ

اُنظر الى هذا وضربائه، فوالله ما انصفناه ان اكلنا شبيبته

Marfat.com

ثم تخزه عند الهرم - اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ ، وهذا من مساكین اهل الکتاب -

"اس شخص اور اس جیسے سب لوگوں کا پورا دھیان رکھو، خدا کی قسم اگر ہم نے اس کی جوانی کھالی اور اب اسے بڑھاپے میں دکھ دیں گے تو ہم نے اس سے انصاف نہیں کیا، یقیناً "صدقات حاجت مندوں اور ناداروں کے لئے ہیں اور یہ شخص اہل کتاب کے ناداروں میں سے ہیں۔"

جب حضرت عمر رضی اللہ تعالے عنہ نے دمشق کا سفر کیا تو ایک جگہ کوڑھ کے مارے ہوئے کچھ عیسائیوں پر آپ کا گزر ہوا، آپ نے حکم دیا کہ انہیں سرکاری خزانے سے صدقات دیئے جائیں، اور ان کی روزی کا سامان مہیا کیا جائے،

دراصل یہی فیاضانہ روح لوگوں کو اسلام کی طرف کھینچنے کا باعث ہوئی، اور بآسانی اس عجیب معجزانہ سرعت کے ساتھ اسے زمین میں پھیل جانے کا موقع بہم پہنچایا - لوگ اس دور کے پھیلے ہوئے نسلی اور مذہبی مظالم سے تنگ آکر اسلام کی طرف بھاگے تھے، اس کے دامن میں انہیں فیاضی، عدل و انصاف اور مساوات میسر آنے کی قوی امید تھی،

کتاب الدعوۃ الی الاسلام" (تصنیف سر ٹی۔ ڈبلیو۔ آرنولڈ، ترجمہ ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن وغیرہ ص۵۳ و مابعد) میں ہے۔

۱۲ویں صدی کے دوسرے نصف میں انطاکیہ کے فرقہ یعقوبیہ کے پادری میخائیل اکبر (Michael the elder) کو اپنے دینی بھائیوں کے خط پر انہیں مبارک باد پیش کرنے کا موقع ملا، اسے عربی فتوحات میں اللہ کا ہاتھ نظر آیا، اس وقت مشرقی کلیساؤں کو پانچ سو سال تک اسلامی حکومت کے پرکھنے کا موقع مل چکا تھا، اس پادری نے ہرقل کے مظالم اور جبر و ستم کو بیان کرنے کے بعد لکھا:

" اور یہی سبب ہے کہ انتقام کا مالک خدا جو قوت و جبروت کا تنہا مالک ہے، اور

Marfat.com

انسانی حکومت کو جیسا چاہے بدل دیتا ہے، جسے چاہے حکومت دیتا اور جس سے چاہے چھین لیتا ہے، وہ لپست کو سربلند کرتا ہے، جب اس نے رومیوں کی برائیوں کو دیکھا جنہوں نے ہمارے گرجا گھروں کو لوٹنے اور اپنی پوری سلطنت میں ہمارے گھروں کو چھین لینے کے لئے طاقت کا سہارا لیا تھا، شفقت رحمت کے بغیر ہم پر عذاب نازل کیا تھا، تو رومیوں کے قبضہ سے چھڑانے کے لئے اللہ نے جنوبی علاقوں سے اسمٰعیل کے بیٹوں کو بھیج دیا، اور سچی بات یہ ہے کہ ہم نے اپنے کیتھولک گرجا گھروں کے ہمارے ہاتھوں چھن جانے اور خلقیدونی فرقہ کے عیسائیوں کو دے دیئے جانے کا کافی نقصان اٹھا لیا تھا اور یہ گرجے برابر ان ہی لوگوں کے قبضہ میں رہے تھے، جب ان علاقوں پر عربوں کی حکومت قائم ہو گئی تو انہوں نے وہ تمام گرجے ان ہی لوگوں کے لئے مخصوص کر دیئے جن کے قبضے میں تھے، اور اس وقت میں ہم سے حمص کا بڑا گرجا اور حران کا گرجا بھی چھن چکا تھا لیکن اس کے باوجود ہمارا رومیوں کی سنگ دلی، اذیت، کینہ توزی اور اپنے برخلاف شدید تعصب و عداوت سے خلاصی پا جانا ہی کوئی معمولی بات نہیں ہے، یہ ایک عظیم واقعہ ہے کہ ہم آج اپنے آپ کو امن و سلامتی میں پاتے ہیں"۔

"اور جب اسلامی لشکر وادئی اردن میں پہنچا اور ابو عبیدہؓ نے فحل کے مقام پر پڑاؤ کیا تو ان علاقوں کے عیسائی باشندوں نے عربوں کو لکھا۔"

اے مسلمانوں کی جماعت! تم ہمیں اہلِ روم سے محبوب تر ہو، اگرچہ وہ ہمارے ہم مذہب ہیں، لیکن تم ہمارے لئے زیادہ وعدہ وفا، شفیق تر، ہم پر ظلم و ستم سے زیادہ بچنے والے اور بہتر طریقے سے حکومت کرنے والے ہو، لیکن رومی ہم پر ہر لحاظ سے غالب آ چکے ہیں، اور ہمارے گھروں تک پر قابض ہیں، اور حمص والوں نے ہرقل کے لشکروں کے سامنے اپنے شہر کے دروازے بند کر لئے اور مسلمانوں کو پیغام بھیجا کہ ان کا اقتدار اور عدل و انصاف یونانی عیسائیوں کے ظلم و ستم اور جبر کے مقابلے میں انہیں زیادہ پسند ہے۔

"ملکِ شام میں جب ۶۳۳ء اور ۶۳۹ء کے درمیان جنگ پیش آئی، جس میں عربوں نے رومی لشکروں کو آہستہ آہستہ اس ملک سے نکال باہر کیا، تو اس وقت اہلِ شام کے شعور کا

Marfat.com

بھی یہی حال تھا جب ۶۳۷ء میں دمشق نے عربوں سے صلح کا معاہدہ کر لینے کی مثال پیش کی اور اس کے ذریعے سے لوٹ مار اور قتل و غارت سے محفوظ ہو گیا، اس کے علاوہ اس معاہدے میں اور بھی کئی مناسب اور نرم شرائط تھیں، تو سارے ملک شام کے علاقوں نے دمشق کی مثال کی پیروی کرنے میں سستی نہیں کی، حمص، منبج اور کئی دوسرے شہروں نے عربوں سے معاہدے منعقد کر لئے، اور ان کے مطابق وہ عربوں کے ماتحت آگئے، نہ صرف یہ بلکہ بیت المقدس کے بڑے پادری نے بھی اسی قسم کی شرطوں سے امن و سلامتی حاصل کر لی۔ دراصل رومیوں کے اس خوف نے کہ شہنشاہ انہیں اپنے مذہب کے اتباع پر مجبور کریگا، ان کے دلوں میں مسلمانوں کی طرف سے آزادئ مذہب کے قطعی وعدے کو زیادہ محبوب بنادیا تھا اسی لئے وہ اپنے آپ کو رومی سلطنت یا کسی اور مسیحی سلطنت کے ساتھ وابستہ رکھنا نہیں چاہتے تھے، اس طرح عرب فاتحین کو یہ فائدہ بھی حاصل تھا کہ ان عیسائیوں کے علاقوں میں اس سے پہلے فاتح فوجوں نے جو کچھ کیا تھا اور اس کے نتیجے میں جو قومی ردعمل اور جذبہ شجاعت ابھرا تھا، وہ سب کچھ ان لوگوں کو یاد تھا،

رہے بیزنطینی سلطنت کے علاقے جن پر مسلمان بڑی تیزی سے اپنی جرأت و بسالت کے باعث قابض ہو گئے تھے، انہیں یہ عملی تجربہ ہوا کہ کئی صدیوں سے یعقوبی اور نسطوری عیسائی فرقوں کے خیالات کی اشاعت کے باعث جو تعصب اور بدنظمی پھیلی ہوئی تھی اس کے مقابلے میں انہیں بے نظیر رواداری اور مذہبی بے تعصبی کی برکات حاصل ہو گئیں، مسلمانوں کی رواداری نے بڑی فیاضی کے ساتھ انہیں بے روک ٹوک اپنے مذہبی شعائر و رسوم ادا کرنے کی اجازت دیدی اس سے اگر کوئی استثناء ہو سکتا ہے تو فقط ان چند پابندیوں کا تھا جو ان کے باہمی تعصب اور فرقہ وارانہ اختلاف کو اشتعال سے روکنے کی خاطر عائد کی گئی تھیں، وجہ یہ کہ یہ فرقے باہم تصادم اور کشمکش کا ہر وقت شکار رہتے تھے۔ اسی طرح پوجا پاٹ کے بعض ان طریقوں پر پابندی لگادی گئی تھی، جنہیں مختلف فرقے مذہبی تفاخر کے اظہار کے لئے اختیار کرتے تھے، اس کا فائدہ ان فرقوں کے علاوہ مسلمانوں کو بھی پہنچا کہ ان پابندیوں کے باعث

Marfat.com

ان کا اسلامی شعور اذیت سے محفوظ رہتا تھا۔ اس رواداری پر وہ معاہدے بھی شاہد عدل ہیں جو عربوں نے اپنے مفتوح علاقوں سے کئے تھے۔ ساتویں صدی عیسوی کی تاریخ پر نظر ڈالنے والا بآسانی اس فیصلے پر پہنچ جاتا ہے۔ عربوں نے ان معاہدوں میں مفتوحوں سے عہد کیا کہ انہیں روحانی اور مالی وجسمانی آزادی حاصل ہوگی، اگر وہ وفادار اور مطیع رہیں گے اور جزیہ ادا کریں گے تو ان کی مذہبی آزادی مکمل طور پر محفوظ رہے گی۔

ان دقیق معاہدوں کی تفاصیل میں بعض اضافے بھی راہ پا گئے ہیں۔ جنہیں چھانٹنا کوئی آسان کام نہیں، یہ تفصیلات لفظ بہ لفظ صحیح ہوں یا نہ، بہرحال ان کی ایک اپنی اہمیت بھی ہے۔ وہ یہ کہ یہ تفاصیل اس تاریخی روایت کا نمونہ پیش کرتی ہیں جسے دوسری صدی ہجری کے مسلم مورخوں نے اختیار کیا تھا، اگر اس روایت کے برعکس کوئی دلیل قائم ہو جائے تو اس روایت کے ستون مشکل ہی سے قائم رہ سکتے ہیں۔ اس میں کوئی حرج نہیں کہ ہم ان شرائط کو یہاں پیش کریں جن کے متعلق کہا گیا ہے کہ حضرت خلیفہ عمرؓ بن الخطاب نے بیت المقدس کی سپردگی کے وقت انہیں قائم کیا تھا۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم - ھٰذا ما اعطیٰ عبد اللہ امیر المؤمنین اھل ایلیاء من الامان - اعطاھم أماناً لا نفسہم اموالہم وکنائسہم وصُلبانہم وسقیمہا وبریئہا وسائر ملتہا - انہ لا تسکن کنائسہم ولا تہدم ولا ینتقص منہا ولا من حیزہا ولا من صلیبہم ولا من شیئ من اموالہم ولا یکرھون علی دینہم لا یضار احد منہم

وفرض علیہم الخراج خمسۃ دنانیر من الموسرین واربعۃ من الطبقۃ الوسطیٰ وثلاثۃ من الفقراء

" اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے شروع۔ یہ وہ امان ہے جو اللہ کے بندے امیر المومنین نے ایلیاء (بیت المقدس) والوں کو دی تھی، اس نے انہیں ان کے مالوں، جانوں، گرجوں صلیبوں، بیماروں، تندرستوں اور تمام مذاہب کے پیروؤں کو امان دی، ان کے گرجوں میں کوئی سکونت نہیں رکھ سکتا، نہ انہیں گرایا جاسکتا ہے نہ ان میں کوئی کمی کی جاسکتی ہے

Marfat.com

اور نہ ان کی شکل وصورت اور رقبہ کم کیا جا سکتا ہے، ان کی صلیب کو نہ توڑا جائے گا، ان کے اموال میں سے کچھ نہ لیا جائے گا، انہیں مذہب چھوڑنے پر مجبور نہ کیا جائے گا، اور ان میں سے کسی کو نقصان نہ پہنچایا جائے گا۔

ان میں مالداروں پر پانچ دینار، درمیانی طبقے پر چار، اور تیسرے درجے کے عام لوگوں پر تین دینار جزیہ مقرر کیا گیا ہے"۔

اور حضرت عمرؓ نے بڑے پادری کی معیت میں مقامات مقدسہ کی زیارت کی اور کہا گیا ہے کہ وہ جب "گرجائے قیامت" میں تھے تو نماز کا وقت آگیا، پادری نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ وہیں نماز پڑھ لیں، لیکن حضرت عمرؓ نے کچھ سوچ کر معذوری ظاہر کی، اور کہا۔ اگر میں آج ایسا کروں گا تو میرے پیرو اس کے بعد کسی وقت دعویٰ کر سکیں گے کہ یہ جگہ مسلمانوں کی عبادت گاہ ہے۔

حضرت عمرؓ کا اپنی غیر مسلم رعایا کے ساتھ حسنِ سلوک جس روح کو ظاہر کرتا ہے اس کے ساتھ یہ واقعہ بھی متفق ہے، بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے بعض عیسائی کوڑھیوں کو صدقات میں سے دیئے اور ان کے روزینے مقرر کرنے کا حکم دیا تھا حضرت عمرؓ نے ان ذمیوں کو (یعنی ان غیر مسلموں کو جو مسلمانوں کی حمایت میں داخل تھے) اپنی آخری وصیتوں میں بھی فراموش نہ کیا، انہوں نے اپنے بعد خلافت کے منصب بلند پر فائز ہونے والے کو وصیت کی کہ اس پر اہل ذمہ کے سلسلے میں کون سی پالیسی پر قائم رہنا واجب ہے، فرمایا:

واوصیه بذمة الله وذمة رسوله ان یوفی لهم بعهدهم وان لا یکلفوا الا طاقتهم

"میں اسے اللہ کی ذمہ داری اور رسولؐ کی ذمہ داری کے ساتھ وصیت کرتا ہوں کہ ذمیوں کے معاہدوں کو پورا کرے، اور ان پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالے"۔

اس قسم کی رواداری اور عدل وانصاف کے ساتھ اسلام گزشتہ زمانے میں اس قابل ہوا تھا، اور مستقبل میں بھی ہو سکتا ہے کہ کائنات ارضی میں عالمی امن کو برپا

Marfat.com

کردے، کیوں کہ وہ لوگوں کو جو کچھ عطا کرتا ہے، کوئی دوسرا عقیدہ عطا نہیں کر سکتا، وہ سب انسانوں کو ایک انسانی قافلہ بنا کر چلاتا ہے، جس میں سب لوگ اس کے سائے میں امن و سلامتی محسوس کرتے ہیں،

مسٹر گب اپنی کتاب "جہاں کہیں اسلام ہوتا ہے" میں کہتے ہیں:

" لیکن اسلام ہمیشہ اس چیز پر قادر رہا کہ انسانیت کی ایک بہت ہی عظیم خدمت انجام دے۔ اس کے سوا دنیا میں کوئی ایسی تنظیم نہیں جو انسانوں کی مختلف اقسام و اجناس کو ایک ہی دائرے میں جمع کرنے میں اتنی واضح کامیابی حاصل کر سکی ہو، اس اجتماع کی بنیاد صرف مساوات ہے، افریقہ، ہندو پاک اور انڈونیشیا میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد، چین میں ان کی تھوڑی سی تعداد اور جاپان میں معمولی سی تعداد اس حقیقت کو واضح کر دیتی ہے کہ اسلام کے اندر ہمیشہ ان مختلف اجناس و طبقات کو جوڑنے اور ان سب پر چھا جانے کی پوری طاقت رہی ہے، جب بھی مشرق و مغرب کی عظیم سلطنتوں کے تصادم اور اختلاف کا موضوع زیر بحث ہو اختلاف کے ختم کرنے کے لئے اسلام کی طرف متوجہ ہونا ناگزیر ہو گا،"

میں نے اس مقام پر دو یورپین عیسائیوں کے اقوال کا اقتباس اس لئے پیش کیا ہے کہ اسلام کے بارے میں، ماضی و حال میں، بے لاگ رواداری اور غیر مذاہب والوں کے لئے عدل و انصاف کی یہ شہادت شکوک و شبہات سے بالاتر ہے، ممکن ہی نہیں کہ یہ شہادت اسلام کے حق میں کسی مذہبی تعصب پر مبنی ہو سکے، نہ یہ ممکن ہے کہ اس کے فضائل کا برملا اظہار کرنے میں انہوں نے کوئی مبالغہ کیا ہو۔

امن و سلامتی کو قائم کرنے میں انسانی فیاضی ایک اہم عنصر ہے، آج دنیا پر غالب ساری تہذیبیں اس عنصر سے خالی ہیں، آج کی دنیا کو مذہبی، نسلی اور فرقہ دارانہ تعصبات نے ٹکڑے ٹکڑے کر رکھا ہے۔ ان مذموم تعصبات کے باعث انسانیت آج ایک ڈھے جانے والے گڑھے کے کنارے پر کھڑی ہے، اس میں انسانی رواداری اور حقیقی عدل و انصاف مفقود ہے، اس کے جلو میں حسد و بغض اور اقتصادی اور غیر اقتصادی لالچ رواں دواں ہیں، ان اختلافات نے انسانی زندگی کو جنگ اور صلح کے دونوں میدانوں میں

Marfat.com

جہنم بنا رکھا ہے۔ دنیا میں بھوک اور خوف پھیلا دیا ہے۔ قومیں آج ایک دوسرے سے دائمی خوف اور مستقل قلق کی فضا میں رہتی ہیں، یہ جذبات لوگوں کے اعصاب پر چھائے رہتے ہیں اور انہیں اعصابی و دموی گھٹن میں مبتلا رکھتے ہیں، انہیں ہر وقت اپنی پڑی رہتی ہے اور ایک دوسرے کے خوف سے کانپتے رہتے ہیں، آج کی دنیا ایک ایسے خوف میں مبتلا ہے جس میں امن کی کوئی صورت نہیں ایسے کینے اور حسد کا شکار ہے جس میں امن و سلامتی کا کوئی وجود نہیں، اور ایسی تاریکی میں کھو گئی ہے، کہ روشنی کی کوئی کرن تک نظر نہیں آتی، اس کے باوجود تم ان مایوس تہذیبوں کو فخر و غرور میں مبتلا اور اپنا دفاع کرتے ہوئے پاؤ گے، حالانکہ یہ انسانیت کو بدبختی پر بدبختی، جنگ پر جنگ اور مصیبت پر مصیبت بخشتی رہی ہیں، ایسا کیوں ہے؟ اس لئے کہ انہیں لوہے، آگ، بجلی اور بخار کی قوتوں پر کنٹرول حاصل ہے، وہ ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم بنا سکتی ہیں، مگر آہ! محبت کے ذروں میں سے ایک ذرّہ اور رواداری کے عناصر میں سے کوئی عنصر ان کے قبضہ میں نہیں، وہ انسانیت کی طاقتوں میں سے وہ کسی طاقت پر دسترس رکھتی ہیں

یہ ایک روحانی کی کیفیت ہے، جو روحانی تاریکی اور زوال کے دور میں انسانی روح پر طاری ہوتی ہے۔ کوئی ایسی مرہم موجود نہیں جو اسے شفا دے سکے، کوئی ایسی روشنی کی کرن نہیں جو اس کی تاریکیوں اور مخفی گوشوں کو روشن کر سکے، صرف ایک علاج ہے وہ یہ کہ اسلام انسانیت کی رہنمائی ایک مرتبہ پھر انجام دے، اسے انسانی رواداری کی طرف پھیر دے، اور اس کی ایجادات وعلوم ورحمت وحضارت اور امن وسلامتی کے آلے میں تبدیل کر دے۔

معاملات میں اخلاقی عنصر

اسلامی روح کو دوسروں سے ممیز کرنے والی واضح ترچیز شاید یہی ہے کہ اس کے بین الاقوامی تعلقات میں، صلح وجنگ ہر دو صورتوں میں، اخلاقی عنصر غالب اور نمایاں تر ہے وہ اس محدود وخیفہ انانیت سے پاک ہے، جو حکومت کو معبود بنا لیتی اور اسے ہر قسم کے اخلاقی

بنیادی اصول سے بالاتر ایک مقدّس مقصد قرار دے لیتی ہے، آج دنیا کی تمام معروف تنظیموں پر بین الاقوامی تعلقات میں یہی بد روح غالب ہے، صرف اسلامی نظام اس سے بری ہے نتیجہ یہ ہے کہ یہ روح انسانی زندگی کی فضاء کو بگاڑ دیتی ہے۔ اور اسے جنگلی بھیڑیوں کی زندگی میں تبدیل کر دیتی ہے جس میں ہر عہد و میثاق بے قیمت ہے، غدر و نفاق کے سوا اس میں کسی چیز کا چلن نہیں۔

یورپ کے تسلط و اقتدار کے دور میں انسانیت جنگلی معاہدوں اور بھیڑیوں کے قانون کی کئی صورتیں دیکھ چکی ہے، یہ قانون غدر و نفاق، خیانت و کمینگی، عہد شکنی، وعدہ خلافی معاہدوں کو پرزے پرزے کرنے اور انہیں محض کاغذ کے ٹکڑے قرار دینے کا قانون ہے، انسانیت جنگ کی اس وحشت و درندگی کو بھی دیکھ چکی ہے جس سے جنگلی جانور بھی شرماتے ہیں، اس ننگی وحشت کے دو انتہائی نمونے ہیروشیما، اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرانے کی صورت میں ظاہر ہوئے۔

انسانیت ابھی مستقبل قریب میں بھی کئی قسم کے غدر و خیانت اور وحشت و بربریت کے کئی اقسام کو دیکھے گی، جو اس کافر مادی تہذیب کی رُوح کے عین مطابق ہونگے، یہ تہذیب کسی دین و اخلاق پر ایمان نہیں رکھتی، اپنے آپ کو کسی اصُول اور ضمیر کا پابند نہیں کرتی، اس تہذیب پر غلیظ مادی نظریہ چھایا ہوا ہے۔ اور یہ زندگی سے عملی و حاضر اور گھٹیا مادی عناصر کے سوا ہر عنصر کی نفی کرتی ہے۔

اس تہذیب میں چاہے بین الاقوامی وحدت کا کتنا ہی ڈھنڈھورا پیٹا جاتا رہے، اس گھٹیا روح والی اور گندے ضمیر والی تہذیب سے انسانیت واحدہ کا نظریہ عملاً بعید ہی رہے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وحدت کا کسی اخلاقی عقیدے پر قائم ہونا ناگزیر ہے، جو مادّی تعلقات کی صحیح درجہ بندی کرے اور تمام میسّر آلات و وسائل کو زندگی کی تعمیر میں لگائے نہ کہ اس کی تخریب میں۔

حرص و آز ابھی حکومتوں پر غالب رہیں گی اور لیڈروں اور سیاستدانوں کے لئے ہر جُرم و وحشت اور درندگی کو روا رکھیں گی۔۔۔

Marfat.com

کیونکہ[1] یہ جرائم دوسری حکومتوں کے خلاف ہوتے ہیں۔ جب تک انسانیت کی تقدیس کے بجائے حکومت کے تقدس کا نظریہ ہی کار فرما رہے گا، دوسروں کی حق تلفی کے لئے پست ترین جرائم کے ارتکاب سے روکنے والی کوئی چیز نہ ہوگی، حکومت کے تقدس کے نظریئے نے مجرموں کو بہت بڑا لیڈر اور غداروں کو ماہر سیاستدان بنا ڈالا ہے۔ انسانیت کی ساری تاریخ میں یہی کچھ دیکھا گیا ہے، صرف وہ وقفہ مستثنیٰ ہے جب کہ اقتدار اسلام کے پاس تھا، یہ وقفہ ظلمتوں کی انتھاہ گہرائیوں میں روشنی کا ایک مینار ہے۔

جیسا کہ ہم اوپر بتا چکے ہیں، اسلام ایک آزادی دلانے والی قوت ہے، جو زمین میں انسانوں کو ان کی بیڑیوں سے آزاد کرانے کے لئے کار فرما ہوتی ہے، اور انہیں آزادی، روشنی، اور عزت بخشتی ہے۔ وہ کسی نسلی یا مذہبی تعصب کا شکار نہیں ہوتی جب یہ قوت شرارت، سرکشی، اور غلامی کی قوتوں سے متصادم ہوتی ہے تو اکیلی ان سب سے لڑتی ہے، اس جنگ میں بھی اس کے پیش نظر کوئی استحصالی یا اقتصادی مقصد نہیں ہوتا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ایک گورنر کے جواب میں (جس نے لکھا تھا کہ لوگ اسلام قبول کرنے کو ترجیح دیتے ہیں لہذا غیر مسلموں کے اسلام قبول کرنے کی وجہ سے جزیے میں کمی واقع ہو گئی ہے) لکھا تھا کہ:

فَقَدْ بُعِثَ مُحَمَّدٌ هَادِيًا وَلَمْ يُبْعَثْ جَابِيًا۔

"محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہادی بن کر مبعوث ہوئے تھے تحصیلدار بن کر نہیں"۔

اسلام جب آزادی دلانے اور تطہیر کرنے کا فریضہ ادا کرنے کے لئے نکلتا ہے تو اس حقیقت کو فراموش نہیں کرتا کہ اس کا اولین مقصد اعلیٰ انسانیت کی بھلائی ہے نہ کہ فاتحین کی شخصی بھلائی یا مسلمانوں کی مخصوص بھلائی۔ پس اسلام کے بارے میں یہ خدشہ نہیں کہ وہ حرام کو حلال کر دینے والے نظریہ تقدس حکومت پہ کاربند ہو سکے گا، یہی نظریہ برائی کو نیکی قرار دیتا ہے، غدر و نفاق اور جھوٹ کو سیاسی مہارت ٹھہراتا ہے اور سنگ دلی اور جبر و درندگی کو جنگی شجاعت کے

---

[1] اور دوسروں کے خلاف کئے جانے والے جرائم جدید سیاسی لغت میں جرائم نہیں بلکہ اپنی قوم کی خدمت اور حب الوطنی شمار ہوتے ہیں۔ (مترجم)

Marfat.com

طور پر پیش کرتا ہے،

معاہدہ ایک مقدس چیز ہے۔ گو اس کی پابندی مسلمانوں کو بعض فوری مصلحتوں اور پسندیدہ مرغوبات سے محروم کر دے، شرافت کا ہر حال میں لحاظ رکھا جانا ضروری ہے۔ چاہے اس کی خاطر مسلمانوں کو کئی نقصانات اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑے، انسانی شعور کو بہر صورت ملحوظ رکھنا واجب ہے، اگرچہ میدانِ جنگ کی سنگدلی اور حرب و ضرب کی گرمی کا موقع ہی کیوں نہ ہو۔ اسلام نے ان تمام بلند اخلاقیوں سے فائدہ ہی اٹھایا اور انجام کار گھاٹے میں نہیں رہا، اس نے ان کے ذریعے سے روحوں اور دلوں کو جیتا، ان بلند اصولوں کو جیتا جنہیں زمین میں قائم کرنے کے لئے وہ آیا تھا، صلح و جنگ میں اخلاقی عنصر کی حفاظت کی خاطر اس نے جو وقتی اور جزئی خسارے اٹھائے تھے، آخر کار اسے ان کا صلہ مل گیا، اس نے دیکھ لیا کہ کتنی تھوڑی مدت میں اللہ کی مدد اور فتح آ گئی اور کس طرح لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوئے،

بین الاقوامی بلکہ انسانی دنیا میں اسلام نے ایفائے عہد کو اپنا قانون قرار دیا ہے۔

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا (الاسراء: ۱۷)

"عہد کو پورا کرو، بلاشبہ عہد کے متعلق سوال کیا جانے والا ہے"۔

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ۚ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ۚ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ۚ (النحل: ۹۱، ۹۲)

"اور جب تم معاہدہ کرو تو اللہ کے عہد کو پورا کرو، اور قسموں کو پختہ کرنے کے بعد مت توڑو، حالانکہ تم ان پر اللہ کو کفیل ٹھہرا چکے ہو، بلاشبہ اللہ تمہارے افعال سے باخبر ہے اور اس عورت کی مانند مت ہو جاؤ جس نے اپنا کاتا ہوا سوت مضبوط کرنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا، تم اپنی قسموں کو باہم دھوکے اور دخل اندازی کا ذریعہ بناتے ہو تاکہ ایک قوم دوسری سے بڑھ کر فائدہ میں رہے"۔

اس سے معلوم ہو گیا کہ یورپ میں حکومتیں عہد شکنی اور وعدہ خلافی کو درست ثابت کرنے

Marfat.com

کے لئے جو دلیل اختیار کرتی ہیں، یعنی حکومتی مصلحت کی دلیل، قرآن یہاں اسے واضح الفاظ میں بیان فرماتا ہے۔

اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ

"کہ ایک قوم دوسری سے فائدہ میں بڑھ چڑھ کر رہے"

اس دلیل کو قرآن مجید واضح طور پر رد کر کے کہتا ہے کہ یہ رغبت عہد شکنی کو جائز نہیں ٹھہرا سکتی، وہ مسلمانوں کو اس مصلحت کے سامنے جھکنے سے روکتا ہے۔ اور عہد شکن کو اس رسوا کن تشبیہ کی صورت میں بیان فرماتا ہے۔

كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ط

"اس عورت کی طرح جس نے اپنا محنت و مشقت کا کاتا ہوا سوت ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا"

اللہ تعالےٰ نے ایفائے عہد کو اور عہد پورا کرنے والوں کو اسی قدر عظمت کے الفاظ سے یاد فرمایا ہے جس قدر اسے عہد شکنی کرنے والے اور ذمہ داریوں کو نہ نبھانے والے حقیر ٹھہراتے ہیں، حد یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے انہیں دائرہ انسانیت سے نکال کر حیوانیت کے باڑے میں پھینک دیا ہے۔

اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ۝ (الرعد: ۱۹ : ۲۰)

"صرف عقل والے ہی نصیحت پاتے ہیں، وہ جو اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور پختہ وعدے کو نہیں توڑتے"

وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۙ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ۝ (الرعد: ۲۵)

"اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے عہد کو پختہ کرنے کے بعد توڑتے ہیں اور ان رشتوں کو قطع کرتے ہیں جنہیں ملانے کا اللہ تعالےٰ نے حکم دیا ہے اور زمین میں فساد کرتے ہیں وہی لوگ

Marfat.com

ہیں جن کے لئے لعنت اور برا ٹھکانا ہے۔"

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ عَاهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ۝

(الانفال: ۵۵، ۵۶)

"بے شک بدترین جانور اللہ کے نزدیک وہ ہیں جو کافر ہو گئے اور ایمان نہیں لاتے جن سے تم نے معاہدہ کیا، پھر وہ ہر مرتبہ عہد کو توڑتے ہیں اور ڈرتے نہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ مشرکوں کے ساتھ کئے گئے عہد بھی پورے کرو، ان مشرکوں نے اسلام اور اہلِ اسلام کا راستہ روکا، ان کا مقابلہ کیا، اور انہیں اتنی تکلیفیں پہنچائیں کہ سپین میں صلیبی عیسائیت کا غلبہ ہونے کے بعد پہنچائی جانے والی تکلیفوں کے سوا باقی ساری انسانی تاریخ میں ان کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ اللہ تعالیٰ نے ان مشرکوں کے متعلق مسلمانوں سے فرمایا ہے:

وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ط (التوبہ: ۸)

"اور اگر وہ تم پر غالب آجائیں تو تمہارے بارے میں کسی قسم اور ذمہ داری کا لحاظ نہ کریں گے۔"

ان جیسے پختہ کار اور پاپی مشرکوں کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایفائے عہد کا حکم دیا ہے، اور وہ بھی اس وقت جب کہ اس نے ان کے بارے میں اپنا آخری فیصلہ سنا دیا کہ آج کے بعد یہ لوگ خدا اور رسولؐ کی طرف سے کسی عہد و میثاق کے حصول کے حقدار نہ ہوں گے ہاں! جو معاہدے قبل ازیں کئے جا چکے ہیں ان کی پابندی کی جائے گی اور مسلمان انہیں توڑنے میں کبھی پہل نہ کریں گے۔

وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَرَسُوْلُهٗ ط فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ج وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ط وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ اِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا

Marfat.com

عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ۔ (التوبہ ۔ ۳ ۔ ۴)

"اور اللہ ورسول کی طرف سے لوگوں کے لئے حجِ اکبر کے دن اعلانِ عام کیا جاتا ہے کہ اللہ اور اس کا رسولؐ یقیناً مشرکوں سے بیزار ہیں، سو اگر تم توبہ کر لو تو وہ تمہارے لئے بہتر ہے، اور اگر تم نے منہ پھیر لیا تو جان رکھو کہ تم اللہ کو عاجز کر سکنے والے نہیں ہو اور کافروں کو دردناک عذاب کی بشارت دیدو۔ سوائے ان مشرک لوگوں کے جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا پھر انہوں نے اس میں تم سے کوئی نقص نہیں ڈالا اور تمہارے خلاف کسی کی مدد نہیں کی، سو ان کا عہد ان کی مدت تک پورا کرو، بے شک اللہ ڈرنے والوں سے پیار کرتا ہے۔"

اور حد یہ ہے کہ مسلمان بھی جب دشمنوں کے خلاف مسلمانوں سے مدد کی اپیل کریں تو یہ عمل ان کے بھائیوں کے لئے اس عہد کو توڑنا جائز نہیں کر دیتا، جو پہلے کیا جا چکا ہو۔

وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ط (الانفال: ۷۲)

"اور اگر وہ دینی معاملہ میں تم سے مدد مانگیں تو ان کی مدد کرنا تم پر واجب ہے، ہاں! اس قوم کے خلاف تم ان کی مدد نہیں کر سکتے کہ تم میں اور ان میں معاہدہ ہو!"

یہ ایفائے عہد کی وہ بلند چوٹی ہے کہ الفاظ اس کے بیان سے قاصر ہیں۔

یہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے، صرف نظری نمونے اور مثالی اصول ہی نہیں، بلکہ مسلمانوں کی زندگی اور ان کے سب بین الاقوامی تعلقات میں واقعی عملی رویہ بھی رہا ہے اسلام کی عملی تاریخ میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں، ان میں سے ہم بعض کے کچھ اجزاء اس مقام پر بیان کرتے ہیں،

حضرت حذیفہؓ بن الیمان کا بیان ہے کہ میں غزوۂ بدر میں اس لئے شامل نہ ہو سکا کہ میں اور ابو الحسیلؓ مدینہ کے قصد سے باہر نکلے تو ہمیں کفارِ قریش نے پکڑ لیا، اور کہا یقیناً تمہارا ارادہ محمدؐ کے پاس جانے کا ہے، ہم نے کہا کہ آپؐ کے پاس جانے کا قصد تو نہیں ہاں البتہ ہم مدینہ (کسی کام سے) ضرور جا رہے ہیں۔ پس ان مشرکوں نے ہم سے خدا کے

نام پر عہد و میثاق لے لیا کہ مدینہ تو بے شک جائیں لیکن محمدؐ کے ساتھ ہو کر ان سے نہ لڑیں، سو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور یہ خبر آپ کو بتائی۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔

اِنْصَرِفَا، نَفِیْ بِعَھْدِھِمْ وَنَسْتَعِیْنُ اللّٰہَ عَلَیْھِمْ۔

تم واپس چلے جاؤ، ہم ان کا عہد پورا کریں گے۔ اور ان کے خلاف صرف اللہ سے مدد لیں گے۔"

بعض مشرکین نے صلح حدیبیہ کو توڑ ڈالا۔ اس صلح میں یہ طے ہوا تھا کہ حضورؐ کے پیروؤں میں سے جو قریش کے پاس آئے گا وہ اسے قبول کر لیں گے، اور قریش کے پیروؤں میں سے جو حضورؐ کے پاس آئے گا آپ اسے قبول نہ کریں گے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس عہد پر ان لوگوں سمیت قائم رہے جنہوں نے اسے نہیں توڑا تھا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ابو رافعؓ کا بیان ہے کہ

بعثتنی قریش الی النبیؐ فلما رأیت النبیؐ وقع فی قلبی الاسلام فقلت یا رسول اللہ لا ارجع الیھم۔ قال انی لا اخیس بالعھد ولا احبس البرود ولکن ارجع الیھم۔ فان کان الذی فی قلبک الآن فارجع

"قریش نے مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا جب میں نے آپ کو دیکھا تو میرے دل میں اسلام داخل ہو گیا، اور میں نے کہا کہ یا رسول اللہ اب میں واپس نہیں جاتا، حضورؐ نے فرمایا کہ میں عہد شکنی نہیں کرتا اور قاصدوں کو نہیں روکتا، اس وقت تم قریش کے پاس چلے جاؤ، اگر تمہارے دل میں جو خیال اب ہے پھر بھی وہی رہے تو واپس آجانا!"

صلح حدیبیہ کے موقع پر جب سہیل بن عمرو حضورؐ سے گفتگوئے مصالحت کر رہا تھا، جب صلح طے ہو گئی، عہد نامہ لکھا جا رہا تھا مگر ابھی اس پر مہر و دستخط ہونا باقی تھے، کہ ابو جندلؓ بن سہیل بیڑیوں اور ہتھکڑیاں سمیت کفار سے بھاگ کر گرتا پڑتا وہاں آپہنچا جب سہیل نے اپنے بیٹے کو دیکھا تو کہا۔ اے محمدؐ! میرے تمہارے درمیان معاہدہ ہو چکا، حضورؐ نے فرمایا کہ تو نے سچ کہا، اس دوران میں سہیل اپنے بیٹے کو گردن سے مضبوط پکڑے ہوئے تھا، ابو جندلؓ بولا اے

Marfat.com

مسلمانوں کی جماعت! مشرک مجھے دین کی وجہ سے عذاب دیتے ہیں، کیا اب میں ان ہی کے پاس واپس لوٹایا جاؤں گا؟" چونکہ حضورؐ عہد کر چکے تھے اس لئے ابوجندلؓ کی اپیل بھی کارگر نہ ہو سکی، اور شرائط معاہدہ کے مطابق حضور علیہ السلام نے انہیں واپس کر دیا، گو ابھی معاہدہ پر دستخط ہونے باقی تھے!! (اور اس لحاظ سے وہ ابھی نامکمل تھا، گو زبانی طور پر طے پا چکا تھا!)

امیر المؤمنین عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں ابو عبیدہؓ (سپہ سالار افواج) نے خلیفہ کی رائے دریافت کرنے کے لئے لکھا کہ عراق کے ایک شہر میں ایک غلام نے امان دی ہے، حضرت عمر فاروقؓ نے جواب دیا کہ:

إِنَّ اللّٰهَ عظم الوفاء، فلا تكونون اوفياء حتى تفوا فوخالهم وانصرفوا عليهم

"بلاشبہ اللہ تعالےٰ نے ایفائے عہد کی بہت عظمت بیان فرمائی ہے تم اس وقت تک ایفائے عہد کرنے والے نہیں ٹھہرائے جا سکتے جب تک کہ غلام کی امان کو بھی پورا نہ کرو، سو ایفائے عہد کرو اور دشمنوں کو چھوڑ کر واپس چلے آؤ۔"

میں اس واقعہ پر تھوڑا سا ٹھہر کر دو عظیم الشان واضح حقائق کو بیان کرنا چاہتا ہوں ان میں سے پہلی واضح بات تو یہ ہے کہ جناب عمرؓ نے ایک مسلم غلام کے کئے ہوئے وعدے کی تصدیق کر دی اور اپنے سپہ سالار کو اس پر عمل کرنے کا حکم دیا، اس سے ایک طرف تو مسلمانوں کے اندر اس کامل اور بے لوث مساوات کا ثبوت ملتا ہے جسے عملاً حضرت عمرؓ نے نافذ کیا اور فرد کو چاہے اس کا مرتبہ و مقام کچھ بھی تھا، پورا احترام بخشا، کہ اس کی بات اور عہد تمام مسلمانوں پر نافذ و قائم ہے۔ اس میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی تصدیق تھی کہ:

المسلمون تتكافاء دماءهم ويسعى بذمتهم ادناهم

(صحیح بخاری)

"سب مسلمانوں کے خون برابر ہیں اور ان کی طرف سے ادنیٰ ترین فرد بھی ذمہ داری

Marfat.com

لے اور دے سکتا ہے"

دوسری طرف اس واقعہ میں ہر فرد پر ڈالی جانے والی عظیم ترین ذمہ داری کو ظاہر کرکے لوگوں کی تربیت بھی ہے، ہر فرد اتنا اہم ہے کہ اس کے منہ سے نکلا ہوا ایک کلمہ پوری ملت اسلامیہ کا کلمہ ہے، لہٰذا اس کا فرض ہے کہ بات کرنے سے پہلے پوری احتیاط کرے اور باریک بینی سے کام لے، کیونکہ ساری امت اس کلمے کی وجہ سے جوابدہ اور لائق مواخذہ قرار پائیگی۔

دوسری واضح بات حضرت عمرؓ کا یہ ارشاد ہے کہ:

فلا تکونون اوفیاء حتی تفوا

"تم وفادار نہیں ہو سکتے جب تک کہ عملاً وفاء نہ کرو"

اس جملے میں جو بلیغ معنیٰ ہے، وہ اسلامی فکر اور اس کی چھاپ کی تصویر کشی کرتا ہے۔ وہ یہ کہ بات کا وجود صرف اس وقت متحقق ہوتا ہے، جب کہ عالم واقعہ میں اس کا صحیح معنیٰ ثابت ہو جائے، اور زبان سے نکلے ہوئے کلمے اور محسوس عمل میں مطابقت ہو، اسلام کا اپنے تمام اعلیٰ بنیادی اصولوں میں یہی حال ہے۔ وہ صرف وعظ کی ایک تمثیل نہیں نہ وہ چمک دمک کی خاطر کچھ شاندار الفاظ ہیں، بلکہ وہ تو ایک نظام ہے جسے چلایا جانا چاہیئے چند قوانین ہیں جن پر عمل کیا جانا واجب ہے، زمین کے واقعات میں سے وہ ایک عملی واقعہ ہے گو وہ آسمانی وحی کی بھی ایک بلند ترین مثال ہے۔

پھر اسلام شرف و بزرگی اور اخلاق کے بارے میں اپنے راستے پر آگے بڑھتا ہے وہ اس وقت تک عہد شکنی کو جائز نہیں جانتا جب تک کہ دوسروں کی طرف سے غدر و خیانت کا واقعی خوف نہ ہو، اس صورت میں مسلمانوں کا فرض ہے کہ دشمن سے علی الاعلان عداوت کا اظہار کریں اور کھلے بندوں اعلان کریں۔ ان کے معاہدے کو دن کی روشنی میں ان کے منہ پر دے ماریں، اور رات کی تاریکی میں ان سے عہد شکنی کا ارتکاب نہ کریں۔ جب تک دشمن کا عہد و قرار موجود ہے۔ ایسا نہیں کیا جا سکتا۔ اگر پھر بھی دشمن صلح و صفائی پر آمادہ ہو جائے تو مسلمانوں کو صلح و صفائی کی طرف جھکنا چاہیئے۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے۔

Marfat.com

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ
اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ۝ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ؕ اِنَّهُمْ لَا
لَا يُعْجِزُوْنَ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ
تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ
لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ
عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ
اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (الانفال ۵۸ - ۶۲)

"اور اگر تمہیں کسی قوم کی بدعہدی کا ڈر ہو تو ان کا عہد بر سر عام ان کی طرف پھینک دو یقیناً اللہ بدعہدوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور کافر یہ نہ سمجھیں کہ وہ بچ نکلے، بلاشک وہ عاجز نہ کر سکیں گے۔ اور ان کے لئے جو کچھ قوّت اور گھوڑوں کی تربیّت ہو سکے، تیار رکھو، اس کے ساتھ تم اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن کو ڈرا سکو گے، ان کے علاوہ اوروں کو بھی جنہیں تم نہیں جانتے، اللہ جانتا ہے، اور اللہ کی راہ میں تم جو کچھ خرچ کرو گے، وہ تمہیں پورا پورا ملیگا اور تم پر ظلم نہ کیا جائے گا، اور اگر وہ صلح کے لئے جھکیں تو تم بھی جھک جاؤ، اور اللہ پر بھروسہ کرو، بلاشک وہی سننے والا جاننے والا ہے اور اگر وہ تجھے دھوکا دینا چاہیں گے تو تیرے لئے اللہ کافی ہے، وہی ہے جس نے اپنی مدد کے ساتھ اور مومنوں کے ساتھ تیری مدد کی"۔

بعض لوگ جب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی حدیث:۔

الحرب خدعۃ

"لڑائی ہوشیاری اور تدبیر ہے" کو سنتے ہیں تو انہیں التباس ہو جاتا ہے، حالانکہ فی الحقیقت یہاں کوئی التباس نہیں، کہ یہ جنگ میں فریب جائز ہے کیونکہ وہ جنگ ہے صلح نہیں، جب اعلان جنگ ہو جائے تو پھر وہ موقعہ جنگی چالوں اور تدبیروں کا ہوتا ہے، اور دشمن اس حقیقت کو جانتا اور اپنا انتظام کر لیتا ہے، اور معاملات کی تدبیر کر لیتا ہے سو خدعہ (دھوکا، فریب) سے اس وقت مراد جنگی مہارت اور اعلیٰ فوجی قابلیت ہے اور یہ چیز میدان جنگ میں

Marfat.com

ہے نہ کہ میدانِ صلح ہیں۔

جنابِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی جنگ کا ارادہ کرتے تو واضح دشمنی کی راہ اختیار کرنے والے دشمنوں کو غلط فہمی میں ڈالنے اور اچانک جا پکڑنے کے لئے دوسری طرف کو جانے کا ارادہ ظاہر کرتے تھے (توریہ کرتے تھے) یہ توریہ اس لئے نہ ہوتا تھا کہ پُرامن معاہدین سے بدعہدی کریں اور بےخبری کے عالم میں ان پر جا پڑیں۔

یوں طاقت ور اسلام پُراحتیاط شرف کا مؤقف اختیار کرتا ہے، وہ نہ تو بدعہدی کرتا ہے نہ کمزوری دکھاتا ہے، نہ سینہ زوری کرتا ہے نہ ڈھیلا پن ظاہر کرتا ہے وہ صرف عالی فنون کی عزت اور شرفاء کی شرافت پیش کرتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ وفا شعاروں کی مانند عہد کو بھی نبھاتا ہے۔ پناہ مانگنے والے کافر کو امان دینے کے معاملہ میں بھی یہی اعلیٰ صفات ظاہر ہوتی ہیں، کیوں کہ اس حالت میں وہ قوت نہیں رکھتا جس سے نقصان پہنچا سکے، لہٰذا شجاعت کا تقاضا یہ ہے کہ اسے اذیت نہ دی جائے، کیوں کہ اسلام اپنے مخالفین کو تباہ نہیں کرنا چاہتا بلکہ انہیں راہ راست پر لانا چاہتا ہے، وہ دشمنوں کو اذیت دینے میں پہل نہیں کرتا جب وہ پہل کریں، اظہار عداوت کریں اور اس کا مقابلہ کریں تو جواب ضرور دیتا ہے:

وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ (التوبہ: ۶)

"اگر کوئی مشرک تم سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دیدو حتّٰی کہ وہ اللہ کا کلام سن لے پھر اسے اس کے ٹھکانے پر پہنچا دو"

پس یہ صرف پناہ دینا ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ حمایت بھی ہے جب تک کہ وہ امن و امان سے اپنے ٹھکانے پر جا پہنچے۔ بلندی کے آفاق میں سے یہ ایک اور افق ہے جہاں اسلام کے سوا کوئی نہیں پہنچتا۔

اسی طرح اسلام کا بین الاقوامی قانون قاصدوں اور سفیروں کو امن دینے اور ان کی حفاظت کرنے کو مشتمل ہے، انہیں کسی حالت میں بھی کوئی اذیت نہیں پہنچائی جا سکتی۔

Marfat.com

مسلمہ کذاب کے دو قاصد ابن النور حہ اور ابن آثال جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضورؐ نے ان سے فرمایا کیا تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ انہوں نے کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ مسیلمہ اللہ کا رسول ہے، اس پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

آمَنْتُ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهٖ لَوْ كُنْتُ قَاتِلًا رَسُولًا لَقَتَلْتُكُمَا۔

"میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا، اگر میں کسی قاصد کو قتل کرنے والا ہوتا تو تمہیں قتل کر دیتا!"

اب رہی جنگ کی بات، سو یہ جنگ انسانی آزادی کی خاطر ہے، یہ جنگ جاگیرداری اور استبدادی نظاموں کے خلاف ہے، انسان کی انسان کے لئے غلامی کے خلاف ہے، سرکشی ظلم وستم اور تعدّی کے خلاف ہے، خرافات واوہام اور افسانہ پرستی کے خلاف ہے یہ جنگ اپنے ہر معنی اور ہر مبدا ان کے لحاظ سے آزادی کی جنگ ہے۔ یہ جنگ خواہشات نفس سے پاک ہے اقتصادی، نسلی، اور جبری مقاصد سے پاک ہے، اس جنگ میں حصّہ لینا شرف انسانیت کے عین مطابق ہے، کیوں کہ یہ انسانی صفات، انسانی حقوق اور انسانیت کے بنیادی اصولوں کو قائم کرنے کی خاطر لڑی جاتی ہے،

یہ وہ جنگ نہیں جسے مجرمانہ سرمایہ جہنمی صنعتوں کے ذریعے سے نفع کمانے کی خاطر چھیڑا کرتا ہے، ان جہنمی صنعتوں کی خوراک ارواح واجسام ہیں، یہ تہذیبوں اور تمدنوں کو نگل جاتی ہیں اور اخلاق ونفوس کو پیس ڈالتی ہیں، یہ وہ جنگ بھی نہیں جسے ذخیرہ اندوز کمپنیاں نوآبادیات میں اپنی مصلحتوں کی خاطر جاری رکھتی ہیں، نوآبادیوں کے مادّی اور انسانی قوی میں سے اپنا خام مال حاصل کرنے کے لئے چھیڑتی ہیں، اپنی پیداوار اور مصنوعات کی خاطر ان کی منڈیوں کو فتح کرتی ہیں، یہ وہ جنگ بھی نہیں جسے سودی سرمائے اپنے ناجائز نفع کی خاطر، کسب حرام کی ضمانت کے لئے مواقع تلاش کرنے کے لئے اور گدلے پانی میں شکار کھیلنے کے لئے شروع کرتے ہیں۔

یہ وہ جنگ نہیں جو قوموں پر علم و معرفت اور تہذیب کی راہیں بند کرنے کے لئے

Marfat.com

فولادی دیواریں کھینچ دیتی ہے تاکہ مفتوحہ ممالک کے لوگ اندھے، بہرے اور گونگے رہیں انہیں ذلت وجہالت اور غلامی کے ذریعے سے اس طرح ہانکا جاتے جیسے جانوروں کو ذبح کرنے کے لئے مذبح کی طرف لے جایا جاتا ہے۔

یہ وہ جنگ نہیں جس میں مغرب کی گندی تہذیب۔ مادّی منافع، نسلی غلامی، اور مذہبی تعصب کی خاطر انسانیت کے خلاف داخل ہوتی ہے، مغربی دنیا اپنی طویل گندی تہذیب میں اسی قسم کی جنگوں سے آشنا ہوئی ہے۔

یہ تو وہ جنگ ہے جو اس زمین پر بسنے والی ہر انسانی مخلوق کے لئے اپنے ساتھ مساوات عدل وانصاف اور عزت واحترام لاتی ہے اور انہیں عملی اور مادّی دنیا میں قائم کر دیتی ہے، اور انہیں قانون اور اس کے نفاذ میں قائم کرتی ہے، کالے اور گورے کے لئے اور مسلم اور معاہد کے لئے قائم کرتی ہے۔ ایک ہی شکل میں، ایک ہی ذریعہ سے اور سب کی خاطر ایک ہی سطح پر قائم کرتی ہے

اسلام نے سود، ذخیرہ اندوزی اور ناجائز نفع اندوزی اور مجرمانہ استحصال کو حرام ٹھہرایا ہے، اور اس طرح مادّی سامراجی جنگوں کے اسباب کو مٹا دیا، اور انہیں انڈے بچے دینے سے قبل ہی ان کے گھونسلے میں قتل کر ڈالا ہے،

ذخیرہ اندوزی کی کمپنیاں اور بنک ہی وہ چیزیں ہیں جو اپنے جلو میں سامراج کو لے کر ذخیرہ اندوزوں، سود خوروں اور سامراجیوں کے مفاد کی حفاظت کی خاطر آگے بڑھتی ہیں مصر بنکوں اور ظالم وخون خوار سود کے ہاتھوں اپنی آزادی کا قتل دیکھ چکا ہے۔ اس نے مشاہدہ کر لیا ہے کہ سامراجی کمپنیاں جو انگریز کی خاطر مصر کی روئی چاہتی ہیں، اپنی مصنوعات کے لئے مصر کی منڈیاں چاہتی ہیں، انگریزی ہندوستانی کمپنی کی نوآبادیات کے لئے اور سمندر پار کی دوسری نوآبادیات کے لئے نہر سویز کا تسلط چاہتی ہیں، ان کے ہاتھوں اس پر کیا گزر چکی ہے، اسی طرح ہر وہ ملک جسے اللہ تعالیٰ نے ان بنکوں اور کمپنیوں کے ہاتھوں مغربی سامراج کی مصیبت میں مبتلا کیا ہے وہ اپنی آزادی کا قتل دیکھ چکا ہے، یہ وہی چیز ہے جسے اسلام نے پہلے قدم پر ہی سمجھ لیا تھا، اس لئے اس نے سود، ذخیرہ اندوزی اور استحصال کے ناخن کاٹ دیئے اور ایک دروازے کے سوا جنگ کے تمام دروازے

Marfat.com

بند کر دیئے، وہ دروازہ جہاد فی سبیل اللہ کا ہے جس میں دنیوی لپسپت اغراض میں سے کوئی غرض مدنظر نہیں ہوتی۔

جب جنگ صرف اسی ایک مقصد کی خاطر ہو تو پھر وہ انسانیت کی جنگ ہے، جس میں انتقامی اور وحشیانہ جذبات قتل وغارت اور تباہی و بربادی مقصود نہیں ہوتی، اس میں بیگناہوں اور کمزوروں کو چھوا تک نہیں جاتا، یہ جنگ شر وظلم کی قوتوں کے ازالے کے اولین مقصد سے تجاوز نہیں کرتی، یا انہیں اس قدر کمزور کر دیتی ہے کہ انسانیت ان کے شر سے محفوظ رہ سکے، اس میں کسی کی بربادی انتقام لے کر دلی پیاس بجھانے یا کسی کو ذلیل ورسوا کرنے کی نیت بالکل نہیں ہوتی۔

حضرت رباح بن ربیعہ رضؓ کا بیان ہے کہ وہ حضورؐ کے ہمراہ ایک غزوہ کے لئے مدینہ سے نکلے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اور آپ کے اصحاب کا گزر ایک مقتول عورت پر ہوا حضورؐ وہاں ٹھہر گئے، اور فرمایا۔

مَا كَانَتْ هٰذِهٖ لِتُقَاتِلَ

"یہ عورت لڑنے والی تو نہ تھی"

پھر آپؐ نے اپنے اصحاب کے چہروں کی طرف دیکھا اور ان میں سے ایک کو حکم دیا کہ

اِلْحَقْ بِخَالِدِ بْنِ الْوَلِيْدِ، فَلَا يَقْتُلَنَّ ذُرِّيَّةً وَلَا عَسِيْفًا (اجيرًا) وَلَا امْرَأَةً

"تم خالد بن ولید کے پاس جا کر کہو کہ بچوں کو، مزدوروں کو اور عورتوں کو قتل نہ کرے"

ایک جنگ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ کچھ بچے میدان معرکہ کی صفوں کے اندر قتل کئے گئے ہیں، آپؐ اس وقت سخت غمگین ہوئے، ایک اصحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کیوں غمگین ہوتے ہیں، وہ تو مشرکوں کے بچے تھے، حضورؐ ناراض ہوئے اور ارشاد فرمایا۔

اِنَّ هٰؤُلَاءِ خَيْرٌ مِّنْكُمْ - اِنَّهُمْ عَلَى الْفِطْرَةِ - اَوَلَسْتُمْ اَبْنَاءَ الْمُشْرِكِيْنَ؟ فَاِيَّاكُمْ وَقَتْلَ الْاَوْلَادِ - اِيَّاكُمْ وَقَتْلَ الْاَوْلَادِ

"یہ بچے تم سے بہتر ہیں، کیونکہ وہ فطرت پر ہیں، کیا تم مشرکوں کی اولاد نہیں ہو؟ خبردار! بچوں کو قتل مت کرو، خبردار بچوں کے قتل سے بچ کر رہو"

Marfat.com

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جنگ میں ایک مقتول عورت پائی گئی، تو حضور علیہ السلام نے بچوں اور عورتوں کے قتل سے منع فرمادیا۔ (بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

حضرت بریدہؓ کا بیان ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص کو کسی لشکر یا فوجی دستے پر امیر بناتے تو اسے اس کی ذات کی حد تک خدا کے خوف کی اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں نیک سلوک کی وصیت فرماتے، پھر اس سے ارشاد فرماتے:۔

اُغزوا باسم اللّٰہ تعالیٰ فی سبیل اللہ فَقَاتِلُوْا مَنْ کَفَرَ بِاللّٰہِ۔ اغزوا ولا تغدروا ولا تُمَثِّلُوْا ولا تَقْتُلُوْا وَلِیْدًا (مسلم، ابوداود، ترمذی)

"خدا کا نام لے کر اس کی راہ میں جنگ کرو، جو خدا کے منکر ہوں، ان سے قتال کرو، قتال کرو اور بدعہدی مت کرو، لاشوں کو مت بگاڑو اور کسی بچے کو مت قتل کرو"

امام مالکؒ نے جناب ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے ارشاد فرمایا:۔

ستجدون قومًا زعموا انھم حبسوا انفسھم للہ فدعوھم وما حبسوا انفسھم لہ۔ وَلَا تَقْتُلُنَّ اِمْرَاۃً وَّلَا صبیًّا ولا کبیرًا ھرمًا (المؤطا)

"تم کچھ ایسے لوگوں کو پاؤ گے جو کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنے آپ کو خدا کے لئے وقف کر رکھا ہے، سو ان لوگوں کو اسی مقصد کے لئے چھوڑ دو، جس کے لئے انہوں نے اپنی جانیں وقف کی ہیں، اور کسی عورت، بچے، اور زیادہ بوڑھے کو مت قتل کرو"

جناب ابوبکر الصدیقؓ نے ایک مرتبہ اپنے ایک لشکر کو وصیت فرمائی جس میں یہ الفاظ بھی شامل تھے۔

وَلَا تَقْطَعَنَّ شجرًا ولا تخربن عامرًا

"کوئی درخت مت کاٹنا اور کسی آباد گھر کو ویران نہ کرنا"

زیدؓ بن وہب کا بیان ہے کہ ہمارے پاس جناب عمر فاروقؓ کا خط آیا، اس میں یہ حکم

Marfat.com

بھی تھا کہ۔

لا تغلوا ولا تغدروا ولا تقتلوا ولیداً واتقوا اللّٰہ فی الفلاحین

"امانت میں خیانت نہ کرنا، عہد شکنی مت کرنا، کسی بچے کو قتل نہ کرنا، اور کاشت کاروں کے متعلق خدا سے ڈرتے رہنا"

جناب عمر فاروق رضی کی وصیتوں میں سے ایک یہ ہے کہ،

ولا تقتلوا هرماً ولا امراۃ ولا ولیداً وتوقوا قتلهم اذا التقی الزحفان وعند شن الغارات۔

"کسی بوڑھے، عورت، اور بچے کو قتل نہ کرو، اور جب دونوں لشکر بھڑ جائیں تو بھی ان کے قتل سے پرہیز کرو، اور عام حملے کے وقت بھی اس سے بچو"

یہ صرف نظریاتی تعلیمات ہی نہیں جو عمل کے وقت چھپ کر پوشیدہ ہو جائیں، بلکہ قدیم اور جدید اسلامی لڑائیوں میں یہ عملی دستور رہا ہے، کوئی شاذ و نادر واقعہ ہی اس کے خلاف ہوگا، اور اسے قابل قیاس نہیں ٹھہرایا جا سکتا، نہ وہ اسلام کے اس بنیادی اصول کو باطل کر سکتا ہے، جسے اسلام نے اپنا مقصد ٹھہرایا ہے، اور اس پر واقعاتی دنیا میں عمل کیا ہے،

اسلام صلح و جنگ میں جس بلند چوٹی پر کھڑا ہے جب ہم اس پر سے اس گندے بدبودار پانی کی طرف نگاہ ڈالیں جس میں کہ صلح اور جنگ کے معاملات میں مغربی تہذیب غلطاں ہے، تو ہم خدا کے بندوں کے لئے نازل کردہ نظام میں اور لوگوں کے انسانوں کی خاطر بنائے جانے والے نظام میں واضح فرق دیکھ سکتے ہیں، ہم یہ بھی دیکھ سکیں گے کہ جس دن سے انسانیت اللہ کے نظام سے بیگانہ ہوئی ہے اس نے کس قدر خسارہ پایا ہے!! وہ مضحکہ خیز تکبر اور مضحکہ خیز دعوائے علم میں ٹھوکریں کھاتی پھرتی ہے، وہ یوں کہنا چاہتی ہے کہ وہ ارادۂ الٰہی سے بھی زیادہ اپنے لئے کچھ بھلائی حاصل کرنا چاہتی ہے، اور اللہ کے دینے سے بھی اپنے لئے زیادہ بھلائی کی مالک ہے۔

یہ انسانیت اسی طرح رواں دواں رہے گی، جس میں گھاٹیوں اور ٹیلوں کے سوا

Marfat.com

کچھ نہیں، اور کافر، مغرور اور خدا سے گمراہ تہذیب کے تیار کردہ ہر گندے بد بودار جوہڑ میں غلطاں رہے گی، بچاؤ کی صورت فقط ایک ہے، وہ یہ کہ زمام کار کو اسلام کے سپرد کر دیا جائے اور وہ حیران و پریشان انسانیت کو عدل و انصاف نظم و ضبط اور امن و سلامتی کے مرکز کی طرف لے چلے۔

Marfat.com

اور اب ------- چارۂ کار!

اب امن و سلامتی کے بارے میں اسلامی نقطۂ نگاہ پیش کرنے اور زندگی کے متعلق اس کے جامع نظریہ کا کچھ ذکر کرنے کے بعد... اب لفظ امن و سلامتی کے کامل و مکمل اسلامی معنی جان لینے کے بعد، جو معناً زمین میں بے لاگ اور آزاد عدل و انصاف قائم کرنے پر مشتمل ہے، اور جس میں کلمۃ اللہ کو قائم کرنے کی کامل و جامع بھلائی موجود ہے، ورنہ اس کلمہ کو قائم کرنے کی خاطر دائمی جہاد، بغاوت و تعدی کو دور کرنے کے لئے دائمی مقابلہ اور فساد اور شر و طغیان کے ساتھ دائمی تصادم۔ امن و سلامتی کا یہ جامع مطلب جان لینے کے بعد اب...

اب اے امت مسلمہ! ہماری راہِ عمل کیا ہے؟ ہمارے ارد گرد جو عالمی تصادم چکر لگا رہا ہے، اس کے بارے میں ہمارا موقف کیا ہے؟ زندگی کی طرف سے ہم پر کیا فریضہ عائد ہوتا ہے، انسانیت اور خود ہماری اپنی جانوں کا ہم پر مطالبہ کیا ہے!

میں نے اس کتاب کی ابتدائی بحثوں میں کہا ہے کہ "ہمارا اسلامی عقیدہ ہماری داخلی و خارجی مشکلات کا مقابلہ کرنے کے لئے ہمیں عملی حل دیتا ہے، اور جو کچھ اب تک گذارش کی گئی ہے، اس سے واضح ہو چکا ہے کہ یہ عقیدہ داخلی اور خارجی مشکلات کے درمیان فرق نہیں کرتا۔

ہم بین الاقوامی دائرے میں عالمی امن کے مسئلہ میں اور فرد کی انفرادی، خاندانی اور معاشرتی زندگی کے مسئلہ میں بہت سے رابطے کا مشاہدہ کر چکے ہیں، اسی طرح ہم بین الاقوامی میدان میں نزاع و اختلاف کو ابھارنے والے اسباب میں اور معاشرے کے اندر بہت سے

مشاعر، تنظیمات، اور اقتصادیات کے درمیان بہت سے روابط دیکھ چکے ہیں۔

سو اب سوال یہ ہے کہ ہماری راہ عمل کیا ہے؟ ہم اپنے اسلامی عقیدے کے ساتھ عالمی امن کے مسئلہ کا مقابلہ کیوں کر کریں؟ اور بین الاقوامی میدان میں اس عقیدے کے موافق کس طرح تصرّف کریں؟

اس سوال کا جواب دینے سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ آج بین الاقوامی دائرے میں جو الگ الگ بلاک رسّہ کشی اور زور آزمائی کر رہے ہیں ہم ان کے متعلق عملی و واقعاتی حقیقت کا مقابلہ کریں میں چاہتا ہوں کہ ہم ان اصولوں کا جائزہ لیں جن پر یہ زور آزمائی قائم ہوتی ہے، اور ان عوامل کا جائزہ لیں جو انہیں دُور کر سکتے یا مؤثر ہو سکتے ہیں،

اسی مقابلے کی روشنی میں یہ ممکن ہو گا کہ ہم ان اصولوں کے بارے میں اسلام کی رائے کو جان سکیں، اور ان دوافع کے متعلق اس کا نقطۂ نظر معلوم کر سکیں نیز اس موقف کو بھی جان سکیں جس کا اختیار کرنا ہم پر واجب ہے۔ اس سے ہمیں یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ آیا ہمارا عقیدہ جو موقف ہمارے سامنے پیش کرتا ہے بعینہٖ وہی موقف ہے جو ہماری مصلحتوں اور مفاد کو پورا کر سکتا ہے، یا ہمارے عقیدے کے تقاضے اور مصالح کے تقاضے میں تعارض ہے! بشرطیکہ اس قسم کا کوئی واقعی تعارض ہو،

پھر جب یہ واضح ہو جائے گا کہ وہ حل جو ہمارا اسلامی عقیدہ پیش کرتا ہے بعینہٖ وہی حل ہے جو ہماری مصلحتیں اور مفاد ہمیں بتاتے ہیں، بلکہ بالکل یہی حل انسانیت کی اعلیٰ مصلحت اور ساری بشریت کی بھلائی ہمارے سامنے لاتی ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا تو ہم راہِ ہدایت پر گامزن ہو سکیں گے، اور پوری قوت و اطمینان سے یہ راہ طے کر سکیں گے۔!

اس حالت میں یہ شور و غل بالکل لغو، بے دلیل، بلکہ اس اور قطعی ناقابل احترام قرار پا جائے گا، کہ ہماری سیاسی یا اجتماعی زندگی کی راہ سے اسلامی عقیدے کو الگ کر دیا جائے۔

پس ہم خدا کے فضل سے اب حیاتِ انسانی کی واقعی اور عملی تصویر پیش کرتے ہیں جو آج ہمیں درپیش ہے، تاکہ ہم اس کے بارے میں انسانی مصلحت، قومی مصلحت اور اسلام

Marfat.com

کی رائے کو جان سکیں۔

جہنّم کے کنارے پر

جنگ کا نقارہ بج رہا ہے یہ دیکھو وہ بدقسمت انسانیت کے کانوں کو بہرہ کر رہا ہے۔ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی، انسانیت اس طبلِ جنگ کو اس سے پہلے امریکہ میں، بلکہ اس کی جنگ کوریا سے بھی پہلے سُن چکی ہے، ہر وہ شخص جو پچھلے سالوں میں امریکہ میں رہ چکا ہو، وہ واضح طور پر دیکھ سکتا ہے کہ امریکہ عنقریب جنگ کرنے والا ہے، ہر چیز اس حقیقت کو پکار پکار کر کہہ رہی ہے یا اس کی طرف اشارہ کر رہی ہے تمام قومی قوتوں اور اس کے ذرائع وسائل کو پوری بروئے کار لایا جا رہا ہے۔ اس تیاری کو صرف ڈپلومیسی کا پتلا سا پردہ ڈھانکے ہوئے ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ پردہ امریکہ سے باہر حقائق کو چھپانے میں کامیاب ہو جائے، مگر امریکہ کے اندر یہ حقیقت اتنی واضح اور ظاہر و باہر ہے کہ یہ پردہ اسے چھپا نہیں سکتا۔

ہر وہ شخص جو امریکی صحافت کا گہرا مطالعہ کرتا ہے، نشر و اشاعت کے دیگر ذرائع اور سینما وغیرہ پر گہری نظر ڈالتا ہے، حتّٰی کہ یونیورسٹیوں، درسگاہوں کے اندر بھی، تو وہ واضح طور پر یہ نتیجہ اخذ کر لیتا ہے کہ یہ ایک ایسی قوم ہے جو جنگ کی تیاری کر رہی ہے۔ یعنی بالکل ایک قریبی جنگ کی تیاری!.. وہ رائے عامہ کو ہر طرح سے مکمل طور پر تیار کر رہی ہے ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ ان تمام تیاریوں اور ساری جدوجہد میں جو کچھ خرچ ہو رہا ہے، اگر یہ کھلی حماقت نہیں تو ایک کھلی اور مکمل جنگ ضرور ہے! اور وہ بھی بہت قریب!

یقیناً امریکہ جنگ چھیڑنا چاہتا ہے، اگر یورپ بھی اس کے نقشِ قدم پر چل پڑتا تو وہ جنگِ کوریا کے حادثے تک بھی صبر نہ کرتا، امریکہ تو برلن کے مشہور و معروف تعطل کے زمانے سے ہی ایک پوری جنگ لڑنا چاہتا تھا[1]۔

---

[1] امریکہ کو ہند چینی کی جنگ پر اصرار تھا وہ فرانس کو اسے جاری رکھنے پر زور دیتا رہا سامان جنگ لے جانے والے طیاروں سے اس کی مدد کرتا رہا، اور امریکی افواج کی دخل اندازی کی دھمکیاں دیتا رہا وہ تو یوں سمجھئے کہ فرانس نے ہی بالآخر امن و سلامتی کو ترجیح دی۔

Marfat.com

لیکن اس وقت تھکا پسا ہوا یوروپ امریکہ کے مکرّر اصرار اور شدّا ہنش پر لبیک نہ کہہ سکتا تھا وہ ابھی اپنے زخم چاٹ رہا تھا، اور اپنے نقصانات کی تلافی میں مصروف تھا باوجودیکہ اس میں اشتراکیت کو کافی قوّت حاصل ہو چکی تھی، جو آنے والے وقت کی پوری تیاری میں مصروف تھی، مگر اس وقت ڈالر کی قوت کا اشتعال یورپ کو تیسری عالمی جنگ میں دھکیلنے کے سوا سب کچھ کر سکتا تھا۔ صرف اسی وجہ سے امریکہ کو صبر کرنا پڑا۔

امریکی بنک اور سرمایہ ایک نئی جنگ چھیڑنے کی شدید ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ یہی اصل مسئلہ ہے۔ پچھلی جنگِ عالمگیر میں جو عملی فتوحات تیزی سے بڑھ ھیں۔ امریکی صنعت وحرفت نے پچھلی جنگ میں جو سامان جنگ تیار کر کے تجارتی فتوحات حاصل کیں، انہوں نے امریکی صنعت وحرفت کے لئے کئی گنا پیداوار تیار کرنے کے نئے نئے مواقع بہم پہنچائے، مگر اس کے پہلو بہ پہلو اس پیداوار کی نکاسی ایک مشکل مسئلہ بن گئی۔

اور باوجودیکہ جنگِ عظیم کے بعد منڈیاں برباد تھیں، انہیں شہری پیداوار کی سخت ضرورت تھی، اور وہ یورپی مقابلے سے خالی تھیں، پھر بھی قوتِ خرید کمزور تھی۔ خاص کر تھکے ماندے اور پسے ہوئے یورپ میں زیادہ ہی کمزور تھی۔ پس امریکی پیداوار کے نقطۂ نگاہ سے اس کا مطلب کساد بازاری ہی تھا۔ اس کساد بازاری کا مطلب یہ تھا کہ امریکی سرمایوں کو شدید خسارہ اٹھانا پڑے گا۔

اس کا نتیجہ مارشل پلان کی صورت میں رونما ہوا، اس پلان کے تین بنیادی مقاصد تھے

(۱) پہلا مقصد یہ تھا کہ امریکہ کی بڑھتی ہوئی پیداوار کی نکاسی کی جائے، لیکن اس کھپت میں یہ شرط لگا دی گئی کہ پیداوار سے فائدہ اٹھانے والی حکومتوں پر امریکی ڈالر کی شکل میں نقد قیمت کی ادائیگی پر زور نہ دیا جائے۔ کیوں کہ امریکی حکومت یورپی سلطنتوں کے لئے لیٹر آف کریڈٹ اس شرط پر کھولتی تھی کہ یہ حکومتیں اسے زیادہ تر امریکی مال کی خریداری میں خرچ کرے گی، اور حقیقت یہ ہے کہ امریکی حکومت کو "مارشل پلان" کے نفاذ کے لئے امریکی سرمایہ دار بڑے بڑے ٹیکس بھی برداشت کرتے تھے، لیکن ان بڑے بڑے ٹیکسوں کے ساتھ ایسا نفع بھی کماتے تھے، جس کی وصولی میں مارشل پلان کے نفاذ کی صورت میں کوئی

Marfat.com

شک و شبہہ نہ تھا، نیز وہ کسا د بازاری کے خسارے سے بھی بچ جاتے تھے۔

(۲) دوسرا مقصد یہ تھا کہ امریکہ کے مزدوروں کی بیکاری کی حالت سے اور اس بے کاری سے پیدا ہونے والی اجتماعی شورشوں سے بچاؤ حاصل کیا جائے، کیوں کہ مزدور جنگی سازوسامان کی تیاریوں میں جو اس سے پہلے مصروف تھے، اب اس ہما ہمی اور مصروفیت میں تعطل کا وقفہ آچکا تھا، اس کا تقاضا یہ تھا کہ شہری ضروریات کی پیداوار کی کھپت کی ایسی راہیں تلاش کی جائیں جو کارخانوں کو انتہائی حد تک مصروف رکھ سکیں، اس مقصد کو حاصل کرنے کا ذریعہ مارشل پلان " اور یورپین سلطنتوں کو آلات کی غذا بہم پہنچانا تھا۔ اس کا نتیجہ آخر کار یہ بھی نکلنا تھا کہ امریکی سرمائے کو نفع بھی حاصل ہو سکے۔

(۳) اس کا تیسرا مقصد یہ تھا کہ ایک طرف تو بین الاقوامی اقتصادی عمل کو بحال کرنے کے لئے یورپ کی از سر نو تعمیر کی جائے، اور اس میں زندگی کی چہل پہل کو پھر سے لوٹایا جائے، اور دوسری طرف بیکار لوگوں میں اشتراکیت کو پھیلنے سے روکا جائے۔

" مارشل پلان" اس مقصد کو پورا کرنے میں ممد و معاون تھا،

یہی سبب ہے کہ اس پلان کا مصنف مارشل امریکہ والوں کی نظروں میں ان کی تاریخی شخصیتوں میں سے ایک شمار کیا جاتا ہے۔ امریکی رسالے LOOK نے تو اسے بیسویں صدی کو ڈھالنے والے بیس آدمیوں میں سے ایک قرار دیا ہے، اور نہ صرف امریکہ میں بلکہ مطلقاً ساری دنیا میں!

لیکن یہ ممکن نہ تھا کہ " مارشل پلان " کی عمر ہمیشہ تک طویل ہو سکے، کیوں کہ یورپین منڈیاں جب پُر ہو جائیں تو معاملات کے مزاج کا ایک حد معیّن تک آکر ٹھہر جانا عین تقاضائے احوال تھا، یہ تصویر کا ایک رخ تھا، دوسری طرف یہ بھی لازم تھا کہ یورپ کے پیداواری وسائل و ذرائع پیداوار کی انتہائی حدود کو جا پہنچیں۔ یورپ اپنی پیداواری قوت کو بحال کر چکا تھا، یا بحال کرنے ہی والا تھا۔ اب وہ اس مقام پر آپہنچا تھا کہ نہ صرف ہلاکت سے محفوظ تھا، بلکہ دوسروں کو بھی اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے میں مدد دے سکتا تھا۔ اب یورپین پیداوار نہ صرف یورپ کی منڈیوں میں بلکہ اسی طرح دنیا کی دوسری منڈیوں میں بھی امریکی

پیداوار کی حریف و رقیب بن چکی تھی!

عین اس وقت برطانیہ نے اپنا مکارانہ کھیل کھیلا، جس سے اس نے امریکن عقل کی سادگی اور بین الاقوامی حالات کے علم سے اس کی کم مائگی کا استحصال کر لیا۔ یہ کھیل ڈالر کے مقابلے میں سٹرلنگ پونڈ کی قیمت کم کر دینے کا کھیل تھا! اس نے امریکہ کو یہ موقع دیا کہ ڈالر کی اصلی قیمت۔ نہ کہ عام رسمی قیمت کو قائم رکھنے کے لئے برطانیہ سے آگے بڑھے، اور اس نے یہ ظاہر کیا کہ وہ امریکہ کے خوف میں مبتلا ہے۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ وہ اپنے حلیف کے بارے میں ایک دوسری نیت کو چھپائے ہوئے تھا جس کا علم امریکہ کو بہت بعد میں جا کر ہوا،

نتیجہ یہ تھا کہ سٹرلنگ کے حلقہ اثر میں امریکی مال کے نرخ بڑھ جانے کے باعث اس پر منڈیوں کے دروازے بند ہو گئے تاکہ ان منڈیوں کو انگریزی مال کی فروخت کے لئے محفوظ رکھا جائے۔ اس کے مقابلہ میں سٹرلنگ کے حلقے میں سٹرلنگ پاؤنڈ کی قیمت گر جانے کا اثر انگریزی مال کے نرخوں پر نہ پڑا۔ اس حلقہ کے علاوہ انگریزی مال کے نرخ امریکی مال کے مقابلہ میں ½ سے بھی ارزاں ہو گئے۔

آخر جب امریکہ کو اس فریب کا پتہ چلا تو اس نے اس کا جواب عالمی منڈیوں سے ہر قسم کے خام مال کو کھینچ لینے کی صورت میں دیا۔ اسے یہ قدرت حاصل تھی کیوں کہ اس کی قوت خرید دوسروں سے زیادہ تھی، نیز عالمی منڈیوں میں اس کا رسوخ جانچ پڑتال کی قوت اور نفوذ سکہ نسبتاً زیادہ تھا۔ امریکہ کے سامنے یہ مقصد تھا کہ برطانوی صنعت کے مقابلہ میں خام مال کی قیمت چڑھا دی جائے، اس صنعت کو مقابلے کی طاقت سے کمزور کر دیا جائے، کیونکہ خام مال کی قیمت کے بڑھ جانے کا مطلب یہ تھا کہ انگریزی صنعت مجبوراً اپنی پیداوار کا نرخ بڑھائے، اور اس طرح برطانوی اور امریکی نرخوں میں ایک قسم کا توازن پیدا ہو جائے، مثلاً ردی اخام مال کی قیمت پانچ سو فیصد بڑھ گئی، کیوں کہ اون انگریزوں کی ایک بڑی صنعت ہے، اسی طرح برطانوی چال کے مقابلہ میں امریکہ کے جدید طرز عمل کی بدولت ہر اس خام مال کی قیمت چڑھ گئی، جس کی بنیاد پر انگریزی صنعت قائم تھی، گرانی کی وہ لہر جو جنگ عالمگیر کی تیاریوں سے پیدا ہونے والے دوسرے قدرتی اور مادی اسباب

Marfat.com

کے علاوہ دنیا بھر پر محیط ہو گئی تھی، اس کا سب سے بڑا سبب یہی تھا۔

لیکن یہ امریکی انتظام ایک ہنگامی انتظام سے زائد حیثیت اختیار نہ کر سکا، کیوں کہ اس کا مقصد ایک وقتی معین حملے کی روک تھام تھی، ورنہ منڈیوں میں امریکی مال کے استقبال کے نقطۂ نظر سے عام حالت کچھ زیادہ متاثر نہ ہوئی، لیکن اس کے ساتھ ہی اسے ایک بڑا دھچکا لگا، وہ یہ کہ عالمی منڈی کے ایک اہم مقام یعنی چین کو اشتراکیت سمیٹ کر لے گئی چین پچاس کروڑ انسانوں کا مسکن ہے، جو تقریباً دنیا بھر کے باشندوں کا ¼ حصّہ ہے حقیقت میں چین امریکہ کے مال کی بڑی منڈی نہ تھی، لیکن جاپان کی شکست کے بعد امید تھی کہ وہ یہ حیثیت اختیار کرلے گا، مگر جب اشتراکیت اس پر چھا گئی تو یہ راستہ بند ہو گیا، اور امریکی سرمائے نے قدرے تنگی اور گھٹن محسوس کی، اسی طرح اجتماعی حلقوں نے بیکاری پھیل جانے کا خدشہ محسوس کیا، جنگ کوریا سے کچھ پہلے بیکار لوگوں کی تعداد پچاس لاکھ تک پہنچ گئی تھی یہ یہ تعداد جنگ شروع ہونے کے بعد تین ۳ لاکھ رہ گئی تھی،

یہ وجہ تھی کہ امریکہ کے لئے جنگ کے بغیر چارہ نہ تھا، اگرچہ کوریا کی جنگ نے بیس لاکھ بیکار انسانوں کو جذب کرلیا تھا، لیکن اکیلی یہی جنگ مرض کا علاج ثابت نہ ہوئی امریکہ کو ایک وسیع پیمانے کی جنگ درکار تھی جو ایک طرف تو تمام بیکار انسانوں کو جذب کرلے، اور دوسری طرف سرمائے کے لئے پورے نفع کی ضمانت دے، پس آج امریکی نقطۂ نظر سے جنگ قومی زندگی کی ایک ضرورت بن چکی ہے، اور تقاضائے حال کے بموجب عالمی کمیونزم کے سیلاب کو روکنے کی قومی خواہش اس پر مستزاد عالمی اشتراکیت کا یہ سیلاب ہر روز ایک نئی سرزمین کو ڈھانپتا اور روزانہ ایک نئی منڈی پر قفل چڑھاتا جا رہا ہے۱!

یورپ آج اگر امریکہ کی بات ماننے میں جھجک کا شکار ہے اور اس جھجک سے مطلوبہ جنگ کی ابتداء میں تاخیر کر رہا ہے تو یہ جھجک زیادہ لمبی نہ ہو گی وجہ یہ ہے کہ عنقریب

۱ے اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۹۵۱ء میں شائع ہوا تھا۔

یورپ بھی انہی اسباب کی بناء پر جنگ کی ضرورت محسوس کرلیگا، جن کی وجہ سے امریکہ ایسا کرتا ہے، اور جس دن یورپ کے سرمائے کی پیداوار اپنی انتہا تک پہنچ گئی، اسے بھی امریکہ کی مانند عالمی منڈیوں کی تلاش ہوگی، اور جب تک عالمی اشتراکیت حملہ آور رہیگی، اور اس کا حملہ آور رہنا ناگزیر ہے، دنیا کے اکثر ممالک کے بدترین اجتماعی حالات اس کی راہ ہموار کرتے رہیں گے، شدید طبقاتی اختلافات جو دلوں میں عداوت اور کینہ بھڑکاتے ہیں وہ اشتراکیت کی مدد کرتے رہیں گے، سرمایہ داری، اور جاگیرداری جس اندھی طمع پر کاربند ہے وہ اسے غذا بہم پہنچاتی رہے گی، خاص طور پر دنیا کے مشرقی ممالک میں، سو جب تک اشتراکیت حملہ آور رہے گی وہ ہر روز امریکہ یا یورپ کے سامنے ایک نئی منڈی پر قفل چڑھاتی رہے گی پس دنیا میں جگہ جگہ سرمائیوں کی مصلحت اس طوفان کی راہ روکنے کے لئے مل بیٹھے گی، اور وہ اسلحہ کے بل پر منڈیوں کی واپسی کا قصد کرے گی، یا کم از کم جنگی ہلاکت کا سامان کرے گی: اسلحہ سامان جنگ کے ذخیرے اور موت اور تباہی کے اسباب پیدا کرنے میں لگ جائے گی، یہ چیزیں کارخانوں کو کام، سرمائے کو نفع اور لاکھوں انسانوں کو موت مہیا کرے گی۔

پس یورپ کا موجودہ موقف، ہاتف جنگ کی آواز پر لبیک کہنے میں اس کا توقف اور امریکہ کے مشتعل اعصاب کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرنا، یہ سب امن وسلامتی کے وقتی ونگامی اسباب ہیں۔ یہ اس بدقسمت انسانیت کے لئے امن کی حقیقی ضمانتیں نہیں ہیں۔ سرمائے کی مصلحت اور اس کا لالچ بدقسمت انسانیت کو ذبح خانے کی طرف دھکیل کرے جارہا ہے ان مصلحتوں اور اغراض کے پیچھے جو مادی فکر پوشیدہ ہے وہ کسی اخلاقی یا روحانی سبب کو کوئی وزن نہیں دیتی گو اس کے برعکس اخلاقی اصولوں اور انسانی مقاصد کے نام سے بھرپور پراپیگنڈہ کیا جارہا ہے

چھڑ رہا ہے پھر

آج اشتراکی بلاک ایک طرف اور سرمایہ دار بلاک دوسری طرف کھڑا ہے یہ دونوں اس کوشش اور فکر میں ہیں کہ دنیا کا تھوڑا سا باقی حصہ بھی آہستہ آہستہ اپنی طرف کھینچ لیں اور اس بقیہ دنیا کے تمام انسانی، اقتصادی اور جغرافیائی وسائل کو ذبح خانے میں کام میں لائیں:

Marfat.com

سرمایہ دار بلاک امریکہ کی قیادت میں اس مقصد کے لئے کئی وسائل سے کام لے رہا ہے۔ اوّل نمبر پر تو وہ دنیا بھر میں سرمایہ داروں کو ڈرانے کا وسیلہ اختیار کرتا ہے خاص کر جاگیردار عربی ممالک میں، وہ سرمایہ داروں کو اشتراکیت سے ڈراتا ہے جو روز بروز چڑھتی چلی آتی ہے، وہ انہیں سامراج اور سرمایہ داری کی مشترک مصلحت کے نام پر پکارتا ہے اور اس عمل میں وہ مقامی سرمایہ داری اور عالمی سرمایہ داری کے مابین ایک قدرتی مادّی معاہدے کا سہارا لیتا ہے۔

دوسرے نمبر پر وہ سیاسی اور اقتصادی گھٹن کو کام میں لاتا ہے اور کبھی کبھی مسلح تشدد سے بھی گریز نہیں کرتا۔ یہ ان ممالک میں ہوتا ہے جو موجودہ یا غیر موجودہ سامراج کے حلقۂ اثر میں واقع ہیں، جیسا کہ تمام ممالک عربیہ میں یہی حال ہے۔

تیسرے نمبر پر وہ کئی عنوانات کے تحت میں ڈالر کے استعمال کو کام میں لاتا ہے۔ ان میں سے ایک جدید عنوان وہ ہے جو "مارشل پلان" کا قائم مقام بنا، اور وہ ہے "اقتصادی امداد" کا عنوان اور ٹرومین کے پلان میں "چوتھے نقطے" کا عنوان!

یہ بلاک عام طور پر حاکم اور استحصالی طبقوں کو اپنا مخاطب بناتا ہے اور عوام پر زیادہ بھروسہ نہیں کرتا، کیوں کہ ان طبقوں کے مفاد و مصالح سرمایہ دار بلاک کی فتح یابی سے وابستہ ہیں۔ اس راہ میں یہ بلاک بہت بڑی بڑی کوششیں سرانجام دیتا ہے، لیکن ساتھ ہی لوگوں کے قومی مقاصد سے بالکل قطع نظر کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا زیادہ تر بھروسہ حاکم و استحصالی اور سامراجی طبقوں پر ہے، اور اسے اس بات کا یقین ہے کہ یہ طبقے اپنے عوام کے قومی مفاد کی راہ میں سامراج سے کبھی حقیقی عداوت کا مظاہرہ نہیں کریں گے۔ اس بلاک کا موقف اس وقت تک یہی رہے گا جب تک کہ یہ قومیں اپنے معاملات کو خود اپنے ہاتھوں میں نہیں لیتیں۔ اور اس بات کا عملی اور واضح ثبوت بہم نہیں پہنچاتیں کہ وہ اپنے شعبدہ باز لیڈروں اور سرداروں کی شعبدہ بازی سے مسحور نہیں ہو سکتیں، اور ان کا پختہ ارادہ ہو چکا ہے کہ سامراج اور سرمایہ دار بلاک کے لئے حقیقی مشکلات کا باعث ثابت ہوں گی، نیز جنگ چھڑ جانے کی حالت میں اس بلاک اس کی فوجوں کے مصالح کو حقیقی خطرات کی راہ میں نظر انداز کر دیں گی۔

Marfat.com

جب یہ صورتِ حال پیدا ہو جائے گی تو صرف اسی وقت سرمایہ دارانہ استعماری بلاک ان قوموں کی چیخوں پر کچھ کان دھرنے کی فکر کریگا۔

یہ بلاک ہمیں اپنے اندر ملانا چاہتا ہے، تاکہ صرف عربوں میں سے لاکھوں انسانوں کو فوج میں بھرتی کر سکے، جیسا کہ بعض ٹیلیگراموں سے ثابت ہو گیا ہے، پھر وہ ہمارے پٹرول، غذائی وسائل اور فوجی اہمیت کے ٹھکانوں کو آنے والے عالمی قتلِ عام میں فتح ونصرت کے طور پر استعمال کر سکے، خاص کر اس چپت کے بعد جو اسے ہندچینی میں پڑی تھی، اور وہ برابر اس کی وجہ سے ڈگمگا رہا ہے۔

گزشتہ جنگِ عالمگیر کے متعلق کہا جاتا ہے کہ لڑنے والے فریق کبھی کبھی صحرائے عربی میں مائنز کے علاقوں کو صاف کرنے کے لئے اونٹ اور خچر ان میں چھوڑ دیتے تھے، لیکن جب یہ جانور نہ ملتے تو افریقی نوآبادیات کے حبشیوں کو مائن کے کھیتوں میں چھوڑتے تھے، تاکہ وہ اپنے جسم کے اعضاء کے ٹکڑے اڑا کر ان کے لئے مائن کے علاقے صاف کریں۔

یہ واقعات صحیح ہوں یا نہ ہوں مگر اتنا بالکل صحیح ہے کہ نوآبادیوں کی فوجوں کا فریضہ ہمیشہ یہی رہا ہے کہ اپنے سفید آقاؤں کی خاطر میدانِ جنگ کو صاف اور درست کریں جنگ کے گرم معرکوں میں پہلا صدمہ برداشت کرنا ان ہی کا کام رہا ہے۔

کوریا کی حالیہ جنگ میں جو ترکی فوج وہاں گئی تھی، اس کا بھی یہی حشر ہوا تھا، اور اسے بھی اسی انجام سے دوچار ہونا پڑا۔ ان لاکھوں عربی قربانی کے بکروں کا انجام بھی اس سے ہرگز مختلف نہ ہو گا، جنہیں برسرِ اقتدار لوگ اپنے مادّی حلیفوں کی خاطر کسی آئندہ جنگ میں اگر وہ چھڑ گئی تو بھینٹ کریں گے، یہ لوگ بھی نوآبادیات کی فوجوں اور ترک سپاہ کے انجام کو ضرور پہنچ کر رہیں گے۔

اشتراکی بلاک محنت کش عوام سے مخاطب ہوتا ہے۔ اس کا خطاب ان لاکھوں کروڑوں انسانوں سے ہے جو محنت سے ہر چیز پیدا کرتے ہیں اور خود بھوکے رہتے ہیں، وہ خالی معدوں اور ننگے جسموں سے خطاب کرتا ہے۔ ان قربانیوں سے مخاطب ہوتا ہے جنہیں طویل عرصہ سے مہمل اور محروم رکھا گیا ہے، اب ان کا یہ حال ہو گیا ہے کہ جو بھی چاپانی دکھائے وہ اس کی آواز

Marfat.com

پر لیبک کہتے ہیں، جو بھی ان سے یہ وعدہ کرے کہ انہیں اس بدکار، آوارہ مزاج عیش پرستی کے چنگل سے چھڑائے گا جو ان کی آنکھوں کے سامنے اور بالکل قریب ایک کم تعداد کو حاصل ہے جس کے وسائل نہایت مکروہ اور شرمناک ہیں، حالانکہ اس دوران میں ننگی، کافر بھوک اور عریانی لاکھوں، کروڑوں محنت کشوں کو ایندھن بنائے دیتی ہے، اور پھر اس ایندھن کو بھی ٹکڑے ٹکڑے کر رہی ہے، جو بھی ان سے یہ وعدہ کرے وہ اس کے پیچھے ہو لیتے ہیں!

اسی طرح اشتراکی بلاک سامراج کی بدکاریوں اور جرائم کو استعمال کرتا ہے۔ غلام قوموں کی اس خواہش کو کام میں لاتا ہے کہ وہ اپنی گردنوں سے غلامی کا جوا اتار پھینکنا چاہتی ہیں، اپنی اس فطری آزادی سے مستفید ہونا چاہتی ہیں جو ظالم و بدکار سامراج ان سے ان ممالک کے غدار اور خائن سامراجیوں کی مدد سے چھین لیتا ہے۔ اس طرح یہ بلاک مغربی صلیبیت اور مقامی سرمایہ داری کے ہر حقیقی اسلامی دعوت کا مقابلہ کرنے سے فائدہ اٹھاتا اور ہر اسلامی اجتماعی عدل و انصاف کی تحریک کو ناکام کرنے میں مدد لیتا ہے۔

بہرحال یہ دونوں بلاک باقی دنیا کے دل میں یہ بات ڈالنے کی کوشش میں مصروف ہیں کہ ساری دنیا کی انسانیت کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ ان دو راستوں میں سے ایک کو قبول کر لے، اور ان دو بلاکوں میں سے ایک کے ساتھ وابستہ ہو جائے اور امن و سلامتی کا دور دورہ ہونے انسانیت کے امن کی سعادت حاصل کرنے اور بشریت کے اطمینان و سکون کی خاطر ضروری ہے کہ یا تو مغربی بلاک فتح حاصل کر لے یا مشرقی بلاک، نیز ان بلاکوں سے باہر کی دنیا کا کسی ایک سے منسلک ہو جانا ہی ایک قوت کو دوسری پر فیصلہ کن طریقے سے غالب کرنے کا واحد ذریعہ ہو گا تاکہ قلق و اضطراب اور بے چینی کو ختم کیا جا سکے۔

اس دعوے میں حق و صداقت کا کوئی وجود نہیں نہ اس بڑے بول میں قومیت اور انسانیت کی مصلحت و مفاد کا سوال ہے۔

یقیناً نہ تو اس میں ہمارا مفاد ہے، اور نہ ساری انسانیت کا کہ اب ان بلاکوں میں سے ایک کو دوسرے پر غلبہ حاصل ہو جائے۔ اور وہ اسے عالم وجود سے بالکل مٹا ڈالے

Marfat.com

ہم اس وقت زندگی میں اپنے مادی وجود کی تکمیل کے دور میں ہیں۔ ہمیں سامراجیوں سے اپنے غصب شدہ مفاد واپس حاصل کرنا ہیں اس لئے یہ ہمارے مفاد میں نہیں کہ مشرقی بلاک آخری شکست سے دوچار ہو جائے۔ اسی طرح انسانیت کا مفاد بھی اسی میں ہے۔ اس بلاک کا آہنی قوت کے ساتھ اس عبوری دور میں قائم رہنا ہمارے لئے اس بات کی ضمانت ہے کہ ہم ان حقوق کو روز بروز حاصل کرتے چلے جائیں گے۔ اسی طرح انسانیت کے حق میں بھی یہ ایک ہنگامی ضمانت ہے کہ اس پر ظالم اور ستمگر اور راندے سامراج کی قوتیں غالب نہ آجائیں۔ اگر ہم میں بعض ایسے لوگ موجود ہیں جو امریکہ سے حسن ظن رکھتے ہیں اور ان کا یہ گمان ہے کہ اس کا تسلط و غلبہ سامراج کی حرص اور شدت کو کم کر دیگا تو ایسے لوگوں کو دیکھنا چاہیئے کہ خود امریکہ کس طرح اس سامراج کی صف میں کھڑا ہے، اور بوقت ضرورت اور بوقت تقاضا کیوں کر لوہے اور آگ کی قوت سے اس کی مدد کرتا ہے؛ علاوہ ازیں میں انسانیت کے لئے اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ امریکہ کی کمینہ انانیت اس پر قابو یافتہ ہو سکے تو آبادیات کی سرزمین میں برطانیہ کی انانیت بھی اس مقابلہ میں ہیچ ہے۔ رنگ دار قوموں کے لئے امریکہ والوں کی عداوت نہایت ہی مکروہ اور خوفناک ہے۔ ایک امریکی رنگ دار لوگوں سے جو نفرت و حقارت رکھتا ہے اس کے سامنے نازیت کی تعلیمات بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتیں، امریکہ میں ایک سفید فام آدمی کی انانیت ہر اس درجے سے فائق و بلند تر ہے جس کا تصور ہٹلرزم کر سکتا تھا جس دن بدقسمتی انسانیت کو اس امریکی انانیت و غرور کے پھندے میں ڈال دے گی وہ اس کے لئے عذاب اور ماتم کا دن ہوگا، زمین کی کوئی قوت ایسی نہیں جس سے یہ انانیت خوفزدہ ہو۔ اور اس کا کوئی محاسبہ نہیں کر سکیگا۔

اسی طرح ہم زمین میں مشرقی بلاک کے وجود کی ایک ہنگامی ضرورت رکھتے ہیں تا کہ سرکشوں اور سامراجیوں کو خوف زدہ کیا جا سکے اور اس خوف کے سائے میں عوام کے غصب شدہ حقوق انہیں واپس دلوائے جا سکیں، ہم اجتماعی عدل و انصاف کو قائم کرنے کی بہت سی کوششوں میں اس قوت کے وجود کے ممنون ہیں، اگر اشتراکیت کا خوف نہ ہوتا تو عدل اجتماعی کی یہ کوششیں کم و بیش پوری نہ ہو سکتیں۔

Marfat.com

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہماری یا انسانیت کی بھلائی اس میں ہے کہ مشرقی بلاک کو فیصلہ کن اور کامل فتح حاصل ہو جائے، اور اس طرح اشتراکیت کا وہ وہی خواب پورا ہو جائے اور سب لوگ اشتراکیت کے حلقہ بگوش ہو جائیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ بلاک بھی ہماری خیر نہیں چاہتا، نہ اس میں یہ طاقت ہے کہ ہمارے لئے اس میں کوئی عزت و احترام ہو۔ وہ ہمیں یا تو اپنے لشکر کے سپاہی بنانا چاہتا ہے، یا غلام۔ یہ نہیں چاہتا کہ ہمارا کوئی ذاتی وجود اور قابل احترام شخصیت بھی ہو۔ فلسطین کے تجربے نے ہمیں اس حقیقت تک راہنمائی کر دی ہے، جو اشتراکی روس ہمارے متعلق دل میں چھپائے ہوئے ہے۔ روس نے سلامتی کونسل میں ہمارے خلاف دشمنی کا موقف اختیار کیا۔ اس طرح یہود کے لئے یہ مشرقی بلاک کے ہتھیار ہی تھے جو فلسطین میں ہمارے خلاف کھلے بندوں استعمال ہوئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ روس اس بات کو ناپسند کرتا تھا کہ عرب قوم کا بھی کوئی وجود ہو، اسے یہ خوف تھا کہ کہیں عرب بلاک ایسی حقیقی طاقت کے صورت میں جلوہ گر نہ ہو جائے جو مستقبل میں اشتراکیت کی قیادت کو تسلیم نہ کرے، اس لئے روس نے اس بات کو ترجیح دی کہ قوموں کے مادی اور فطری حقوق کے بارے میں اس کے تمام دعوے بخارات بن کر ہوا میں اڑ جائیں، سامراج کے خلاف اس کے پراپیگنڈے کی بنیادوں میں سے ایک بنیاد اس کے ہاتھوں سے جاتی رہے اور اسرائیل نامی سلطنت جو صرف مذہب کی بنیاد پر قائم ہوئی تھی، اس کے قیام میں اس کی فیاضی اور آشیرباد بھی شامل ہو جائے حالانکہ اشتراکیت سب سے زیادہ اس چیز کا انکار کرتی ہے (یعنی مذہب یا اس کی بنیاد پر کسی ریاست کا قیام!) روس نے ان تمام چیزوں کو عرب بلاک کی تقویت پر ترجیح دی اور اسے یہ سنگدلانہ اور بدترین ضرب لگائی تاکہ اسرائیل کانٹے کی مانند عربوں کے پہلو میں کھڑا رہے۔ ان کی جغرافیائی وحدت کو پارہ پارہ کرتا رہے، ان کی متصل حدود کو الگ الگ کرتا رہے، اور انہیں باہمی اتحاد، قوت اور شخصیت سے محروم کر دے (بلاشبہ روس ہماری وحدت و قوت اور ذاتی وجود کا دشمن ہے۔ اس کے پراپیگنڈے کی زبانیں جو کچھ چبا چبا کر کہتی ہیں وہ فقط مغربی بلاک کے خلاف اس

Marfat.com

کے تصادم میں بطور اسلحہ استعمال ہوتا ہے، جیسا کہ اس بلاک کے پراپیگنڈے اور عمل کا بھی بعینہٖ یہی حال ہے۔

روسی اشتراکیت کی نگاہ میں اس میں کچھ حرج نہیں کہ ہم مغربی بلاک کے سامنے اپنے جنگی ذرائع جنگ کی صورت میں کمیونزم کے خلاف استعمال کئے جانے سے انکار کر دیں، لیکن جہاں تک اس امر کا تعلق ہے کہ ہماری کوئی ذاتی شخصیت شخصی قوت اور قومی وجود بھی ہو، سو وہ اس امر کو برداشت نہیں کرتی! ہمارے ملکوں میں جب اس کے ایجنٹ اور داعی یہ سنتے ہیں کہ یہاں عربوں کی مضبوط شخصیت قائم کرنے کے لئے اتحاد و اتفاق کی دعوت اور ایک الگ بلاک بن جانے کی کوشش ہو رہی ہے تو وہ ڈر جاتے ہیں، گویا کہ انہیں اژدہا ڈس گیا ہو! وہ ہماری صرف یہ حیثیت ہی برداشت کرتے ہیں کہ ہم ان کے ذلیل خیمہ بردار بن کر اشتراکیت کے گیت گاتے پھریں، اور جب جنگ شروع ہو جائے تو اپنی زمین میں انہیں ہر ممکن سہولت بہم پہنچائیں! یہ ایک ایسی وضع اور مقام ہے کہ ہمارا مفاد اس سے انکار کرتا ہے بلکہ صرف اس بات کا شعور کہ ہم انسان ہیں حیوان یا بے جان چیزیں نہیں ہیں اس سے ابا کرتا ہے۔

وہ محنت کش محروم جن کے خون سے گلے اور سینے کے ہار بنائے جاتے ہیں جن کا پسینہ مخمور اور لشنہ باز انسانوں کی خاطر جام میں ٹپکتا ہے، ان کی نگاہ میں آج اشتراکیت کی کچھ چمک دمک ہو سکتی ہے لیکن تمام بشریت کو اشتراکیت کے ایک قالب کی شکل میں بے جان نقلیں بنا ڈالنا جس سے کسی ایک انسانی فکر کو بھی باہر ہونے کی اجازت نہ ہو کوئی دل بھی لینن اور سٹالین کے خلاف نہ دھڑک سکے۔ اس چیز کا تصور ہی اتنا گھناؤنا اور خوفناک ہے کہ اس سے جسم کانپ اٹھتے ہیں اور ہر سلیم الطبع انسان کا احساس اس کے تحقق سے ڈر جاتا ہے!

سو جیسا کہ ہم نے اوپر کہا ہے! زندگی کا مزاج اس بات سے ابا کرتا ہے کہ ان دو مادی قوتوں میں سے کسی ایک کو کامل اور فیصلہ کن فتح حاصل ہو ان دونوں

Marfat.com

کے مزاج کے درمیان صرف مفاد اور مصالح کا اختلاف پایا جاتا ہے، شکست فتح ہی کے ہجوم سے اگتی ہے، جس طرح کہ فتح شکست کے ڈھیر سے پیدا ہوتی ہے، ہم آج دیکھ رہے ہیں کہ وہ اتحادی جنھوں نے جرمنی اور جاپان کو مغلوب کرنے کے لئے بے پناہ کوششیں صرف کی تھیں، آج اپندھن، کھنڈروں اور کٹے ہوئے اعضا پر جھک رہے ہیں، تاکہ ان میں سے اس سرکش جن کو باہر نکالیں، جسے انھوں نے کل مار گرایا تھا، آج وہ جدید جن کے خلاف اس سے مدد حاصل کرنا چاہتے ہیں، یہ بالکل وہی عمل ہے جو انھوں نے پہلی جنگ عظیم کے بعد کیا تھا، اگر کل کو یہ لوگ مشرقی بلاک پر "فتح" پالیں تو انھیں از سر نو جرمنی کا مقابلہ کرنا پڑے گا، اور اگر اس کشمکش میں اشتراکیت غالب آجائے تو خود اس کے اندر سے اس کا دشمن پیدا ہو جائے گا، یہ دشمن اس گھٹن اور تشدد کے اندر سے نکلے گا جس کو انسانیت طویل عرصہ تک برداشت نہیں کر سکتی، ہم دیکھتے ہیں کہ معرکہ سے پہلے ہی یوگوسلاویہ نے اٹھنا شروع کر دیا ہے، اور ان ہی اسباب کی بناء پر اشتراکی بلاک میں مزید اختلافات[1] پیدا ہوگا، اس کا باعث انسانیت کو ایک ہی قالب میں ڈھال دینے کے باعث پیدا ہونے والا جمود اور ٹھہراؤ ہوگا جب انسانیت پر ایک ہی فکر کا تسلط ہوگا، اور اشتراکیت کے مرحلے کے بعد وہ فکر کوئی اور ترقی کرنے کی اجازت دینے سے انکار کر دے گا، کیوں کہ مارکسی خواب کے اختتام کے بعد اشتراکیت کے سامنے اور کوئی مطمح نظر ہی نہیں، تو یہ صورت حال ایک ایسی لعنت ہے جس میں انسانیت کا مبتلا ہونا اس بات کی علامت ہوگا کہ اسے ایک بہت بڑے تنور میں پھینک دیا گیا ہے۔

یہ سمجھنا صرف سادگی پر مبنی ہے کہ ہم ان دو عظیم بلاکوں کے تصادم اور ان کی آخری فیصلہ کن جنگ کے نتیجے میں عالمی امن کا ثمرہ حاصل کر سکیں گے، گذشتہ دو عالمگیر جنگوں کے متعلق بھی دنیا کے پاکباز اور نیکوکار انسانوں کا یہی خیال تھا، کہ ان کے بعد امن کا میٹھا پھل انہیں پکا پکایا مل جائے گا، لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ کے درخت

---

[1] آج چین کی عظیم طاقت اور روس سے اس کے واضح اختلافات سب کے سامنے ہیں! (مترجم)

نے صرف کڑوے پھل پیش کئے جنہیں یہ نیک طبع بزرگ لوگ ایک ایک گھونٹ کرکے نگل رہے ہیں، میٹھے پھل سب سرکش طاغی سامراجیوں کے ہی حصے میں آئے چاہے وہ مشرقی ہوں یا مغربی۔

راہِ نجات

بدنصیب انسانیت کے لئے نجات کی راہ یہ نہیں ہے کہ اس بلاک میں شامل ہو جائے یا اس میں، تاکہ ان میں سے ایک دوسرے کو صفحہ ہستی سے مٹا دے اور ساری دنیا اس کی خاطر خالی ہو جائے، وہ اکیلا اس پر مسندِ اقتدار جمالے، اور جس طرح چاہے حکومت کرے۔

اگر تیسری جنگ ہوئی تو اصل معرکہ کا میدانِ جنگ دونوں بلاکوں کی سرزمین سے باہر ہوگا، یہ جنگ ترکی، ایران، شام، مصر، شمالی افریقہ، پاکستان اور افغانستان میں لڑی جائے گی عبادان اور ظہران کے پٹرول کے ایرانی وعربی چشمے اس کا میدان ہوں گے، وہ ہمارے وسائل کو تباہ کرے گی، ہماری زندگی کو برباد کریگی۔ اور ہماری سرزمین کو برباد اور تباہ حال کھنڈروں میں تبدیل کرے گی۔ چاہے یہ بلاک فتح پائے یا وہ، بہرحال معرکہ سے ہم ٹکڑے ٹکڑے اور راکھ بن کر نکلیں گے۔ اس طرح نہیں جس طرح کہ پچھلی جنگ میں یورپ نکلا تھا، بلکہ اس طرح جس طرح کہ اس سے پہلے کوئی قوم کسی جنگ سے نہیں نکلی، جب ہیروشیما ایک چھوٹے سے ایٹم بم کی وجہ سے ضرب المثل بن کر رہ گیا ہے، تو ہم ایٹم بموں کے تجربوں کے لئے چھوٹے چھوٹے چوہے بن جائیں گے ہم پر ہائیڈروجن بم، موت کی حملہ آور گیس اور موت کی بے ہوش کن شعاعیں، تباہ کن جراثیمی جنگ اور ہر وہ ہتھیار آزمایا جائے گا، جو مغربی مجرم ضمیر کی دنیا میں کافر ذہن سے برآمد ہوا ہے۔

مغربی بلاک کے داعی ہم سے کہتے ہیں کہ اگر ہم سرمایہ دار بلاک سے منسلک ہو جائیں جسے وہ جمہوری بلاک کے نام سے پکارتے ہیں، تو وہ ہمارے تمام مسائل حل کر دینے کی مہربانی کریں گے جو سامراج کے ساتھ وابستہ ہیں۔ گویا کہ ہم متواتر دو مرتبہ اس بلاک کے

Marfat.com

سانحہ نہیں ہوئے، اور گویا کہ ہم اس سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسے گئے۔ میں اس عجیب و غریب مشکوک مؤقف کا سبب جانتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ مقامی سرمایہ داری، اور مغربی سامراج کے درمیان ایک فطری سا مادّی معاہدہ موجود ہے، غلام بنانے والوں اور سامراجیوں کا یہ ایک مشترکہ مفاد ہے، یہاں کے سرکش اور سامراجی اس طغیان و استحصال سے ذرا بھی پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں جس پر وہ مسلسل ڈٹے رہے ہیں۔ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ سامراج ہی ان کا مادّی سہارا ہے۔ ان کا خالق اور پرورش کنندہ وہی ہے اور اس نے انہیں اقتدار اور سرمایہ بخش رکھا ہے۔ اس سامراج نے ان غداروں کو جزادی تھی جبکہ انہوں نے عرابی کے لشکر کو دھوکا دیا، اور مصر میں سامراجی حملہ آور فوج کی مدد کی تھی اس نے انہیں زمینیں اور مال و دولت عطا کئے تھے، حتیٰ کہ آج[1] وہ شریف گھرانوں کے افراد کے نام سے پکارے جاتے، اور باعزت خاندانوں کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔ سامراج ہر جگہ یہی کچھ کرتا ہے۔ اس کی حالیہ قریب ترین مثال "غدار الجلاوی" کی مثال مراکش میں ہے، یہ شخص اس بات پر بھی نہیں شرماتا کہ مراکش میں مسلم باشندوں پر فرانسیسی حملے میں اس کا بیٹا بھی قتل ہوا تھا۔

عوام اگر اس جدید جنگ کا ایندھن بن جائیں تو اربابِ اقتدار کا کیا نقصان ہے! جنگوں میں ان کی جائیدادیں کئی گنا بڑھ جاتی ہیں، ان کے ذمیوں اور کمپنیوں پر سے قرضوں کے بوجھ اتر جاتے ہیں۔ اگر انہوں نے جوئے میں اپنا نقصان کر رکھا ہو، یا بدکاری اور آوارہ گردی میں مال و دولت کو گنوا رکھا ہو تو جنگ میں یہ نقصان پورے ہو جاتے ہیں۔

جنگ کے زمانے میں انہیں ہنگامی احکام کے اختیارات بھی مل جاتے ہیں جن کے سائے میں وہ اپنی شخصیتوں کو بدنامیوں اور رسوائیوں سے محفوظ کر کے مطمئن ہو جاتے ہیں۔ انہیں زبانوں پر مہریں لگا دینے، قلم توڑ دینے اور ان

---

[1] یہ سطور معزول بادشاہ (شاہ فاروق) کے زمانے میں لکھی گئی تھیں، ہم نے انہیں صرف ایک تاریخی یادگار کے طور پر اس ایڈیشن میں باقی رہنے دیا ہے۔

Marfat.com

آزادی پسند انسانوں کی پکڑ دھکڑ کا موقع مل جاتا ہے، جو عوام میں اپنے حقوق کی خاطر بیداری کی روح پھونکتے ہیں۔ یہ لوگ اپنی ارواح کے لحاظ سے بھی جنگ کی تباہیوں سے محفوظ رہتے ہیں، جیسے کہ ان کے مال اور جائدادیں بھی محفوظ ہوتی ہیں۔ پس مشرقی ممالک میں خونی ٹیکس کی ادائیگی صرف مفلس و نادار لوگ ہی کرتے ہیں، ہم نے فلسطین کے معرکوں میں خود دیکھا ہے کہ وہ فوجی افسر جو "بڑے لوگوں" کی اولاد ہوتے تھے، وہ کس طرح میدانِ جنگ میں لڑائی کی تکالیف سے بچے رہتے تھے، پھر کس طرح انہیں بہادری کے تمغے عطا ہوتے تھے، حالانکہ وہ قاہرہ کے شراب خانوں، بدکاری کے اڈوں اور ناچ گھروں میں غرق ہوتے تھے۔

پس اربابِ اقتدار اگر اپنے ممالک کو سرمایہ داری کے چھکڑے سے باندھ دیں، جو ان کی فطری حلیف بھی ہے! تو ان کا اس میں کیا نقصان ہے؟ درانحالیکہ وہ ہر قسم کے نقصان سے بھی محفوظ ہوتے ہیں، اور مغربی سرمایہ داری جس کے ہاتھ میں ان اربابِ اقتدار کی باگ ڈور ہے، جو اپنے حقیقی آقایانِ ولی نعمت کو اور اصلی حمایتیوں کو خوب پہچانتے ہیں، اگر عوام کی آزادی کی چیخوں کو حقیر سمجھتی ہے تو وہ حق بجانب ہے۔

دوسری طرف اشتراکیت کے داعی ہمیں روٹی اور امن سے نوازنے کا وعدہ کرتے ہیں بشرطیکہ ہم اشتراکیت کی صفوں میں شامل ہو جائیں "تاکہ وہ فتح یاب ہو جائے۔

اس میں شک نہیں کہ ہمیں روٹی اور امن کی حقیقی ضرورت ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی ہمیں قوت اور عزت واحترام بھی درکار ہے۔ اشتراکیت ہمارا کوئی الگ ذاتی وجود ماننے سے انکار کرتی ہے۔ وہ ہمیں انسانوں کی مانند سر اٹھانے کی اجازت نہیں دیتی اس نے اپنے اولین لے پالک بچے یوگوسلاویہ کی صورت میں ہمارے سامنے جو مثال پیش کی ہے، وہی کافی ہے۔ جب بھی اس ملک نے اپنے ذاتی وجود کو منوانے کا ارادہ ظاہر کیا اس پر جو گزری وہ عبرتناک ہے۔

اشتراکیت عیسائی مادہ پرست یورپ میں اجتماعی مادی عدل و انصاف کو قائم کرنے کا واحد راستہ ہو سکتی ہے، لیکن ہمارے ممالک میں وہ واحد راستہ نہیں کیونکہ ہم عدل اجتماعی

Marfat.com

کو زیادہ جامع اور اشتراکیت کی نسبت زیادہ کامل طور پر قائم کرنے کے وسائل رکھتے ہیں۔
یہ وسائل ہمارے شخصی وجود کی نفی نہیں کرتے اور عزت و احترام کی ہماری فطری خواہش کو
نہیں دباتے، ہمارے نزدیک روٹی کپڑے سے یہ چیزیں عزیز تر اور اولیٰ تر ہیں۔

نجات کا راستہ فقط یہ ہے کہ آنے والے معرکہ میں ایک تیسرا بلاک وجود میں آئے
جو دونوں موجودہ بلاکوں سے صاف طور پر کہہ دے کہ نہیں! ہم ہرگز تمہیں اجازت نہیں
دیں گے کہ تم ہمارے جسم کے ٹکڑوں اور زندگی کے سازوسامان پر جنگ مسلط کردو، ہم
ہرگز اپنے وسائل کو تمہاری خواہشات کا غلام نہ بننے دیں گے، ہم ہرگز اپنے اجسام کو تمہاری
بارودی سرنگوں کے علاقوں کی صفائی میں استعمال نہ ہونے دیں گے، اور بکریوں اور بھیڑ
کے بچوں کی مانند اپنی گردنیں تمہارے سپرد ہرگز نہیں کریں گے۔

صرف یہی وہ چیز ہے جو بخار زدہ دماغوں میں کچھ سکون واپس دلا سکتی ہے اور
جنون کے مارے ہوئے قدموں میں کچھ توازن پیدا کر سکتی ہے، پھر مغربی اور مشرقی بلاک محسوس
کریں گے کہ اس وسیع وعریض اہم اور ضخیم حصۂ کائنات میں بھی انسان بستے ہیں، جنہیں
کچھ اہمیت حاصل ہے، وہ صرف مہمل مادی وجود، ڈھور ڈنگر اور خدمت گار نہیں!

جن لوگوں کی ارواح میں دونوں بلاکوں کا پراپیگنڈہ رچا ہوا ہے وہ کہا کرتے
ہیں کہ یہ ایک امر محال ہے، ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ ہمارے پاس وہ قوت نہیں کہ جس
کے بل پر دونوں بلاکوں کے درمیان ایک دیوار کی مانند کھڑے ہو جائیں، اس طرف
یا اُس طرف کے قدم ہمیں روند ڈالیں گے۔ یہ مناسب نہیں کہ ہم علیحدگی کا اعلان کریں
ایک نہ ایک بلاک کے ساتھ وابستگی ناگزیر ہے!

مجھے معلوم ہے کہ پراپیگنڈہ ارواح واذہان پر کس طرح قابو پا لیتا ہے، لیکن میں
یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ لوگ اس ذلیل حد تک اپنے آپ کو کس طرح حقیر بنا دیتے
ہیں، اور وہ اس بات پر کیوں کر شرمندہ نہیں ہوتے کہ اپنے ارادے سے غلام اور
بے جان اشیاء بن جائیں۔

کوئی فوج بھی کسی دشمن سرزمین میں لڑائی لڑنے کے قابل نہیں ہو سکتی۔ اس

Marfat.com

سرزمین کے رہنے والے اس پر مصائب و آلام کے پہاڑ توڑ سکتے ہیں، اس کے ذخیروں اور راشن کو تلف کر سکتے ہیں، اس کے ذرائع آمد و رفت اور مواصلات کو کاٹ سکتے ہیں اس کے خلاف دشمن کے لئے جاسوسی کر سکتے ہیں، اسے راحت و سکون سے محروم کر سکتے ہیں، چاہے وہ فوج ان سے صلح صفائی رکھے، اور انہیں اپنے کاروبار کے لئے کھلا چھوڑ دے یا ان پر حملہ آور ہو مگر اس آخری صورت میں بیرونی دشمن کے علاوہ اسے اندرونی لغاوت اور شورشتر کا بھی سامنا کرنا پڑے گا۔

جرمنی کی کامیاب فوجیں دو مرتبہ اندرونی بغاوتوں اور شورشتر کے باعث میدان جنگ میں شکست کھانے سے پہلے ہی ہزیمت کا سامنا کر چکی ہیں۔ قدیم زمانے کی جنگ ہو یا جدید دور کی، کوئی فوج بھی مقامی باشندوں کی دشمنی کا سامنا نہیں کر سکتی، بیجز اور بے بہرہ لوگوں کے سوا مقامی دشمنی سے کوئی بھی غافل و مامون نہیں رہ سکتا۔

یہ کروڑوں کی تعداد میں عوام جن کے ملک کے جنگی اہمیت کے مقامات کسی بھی عالمی جنگ میں فیصلہ کن حیثیت رکھتے ہیں، جن کے مادی وسائل فتح و شکست میں فیصلہ کن ہیں، یہ عوام جب کچھ کرنے پر آ جائیں تو انہیں کوئی روک نہیں سکتا، نہ وہ عاجز ہو سکتے ہیں، اس بات کے علاوہ اس سلسلے میں جو کچھ بھی کہا جائے گا وہ بکواس ہوگا۔

کلمۂ اسلام

جو کچھ اوپر بیان ہوا، واقعات کی زبان یہی کہتی ہے، اوضاع و اطوار اور اشیاء پر عملی نگاہ ڈالیں تو یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اس مؤقف میں اوضاع و اشیاء کی واقعاتی تعبیر میں اسلام کیا کہتا ہے۔

(۱) اسلام زندگی کے بارے میں اپنے کلی اصولوں کی بناء پر اور امن و سلام کے بارے میں اپنی عام فکر کی بناء پر ان جنگوں پر لعنت بھیجتا ہے، جن میں انسانیت آج کل مصروف ہوتی ہے۔ وہ ان اسباب کو بھی ملعون ٹھہراتا ہے، جو ان جنگوں کو وجود میں لاتے ہیں، وہ ان جنگوں کے داعیوں اور ان میں کودنے والوں پر بھی لعنت

Marfat.com

کرتا ہے، یہ ایسی جنگیں ہیں جن کے مقاصد ملعون ہیں، واقعات ملعون ہیں، اور نتائج بھی ملعون ہیں، کیوں کہ یہ تمام لڑائیاں زمین میں کلمۃ اللہ کے خلاف، اور ان بلند اصولوں کے خلاف، جن کا وہ علمبردار ہے، اعلانِ جنگ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام ہم پر ان زمینی طاغوتوں کے ساتھ منسلک ہونے کو حرام قرار دیتا ہے۔ وہ گناہ اور تعدی کے ساتھ تعاون کرنے سے ہمیں روکتا ہے، قرآن مجید کہتا ہے۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ الطَّاغُوْتِ ط (النساء: ۷۶)

"جو ایماندار ہیں، وہ تو اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہیں، اور جو کافر ہیں وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں"۔

اور اس بات میں کوئی شک و شبہہ نہیں کہ آج کی جنگ کے اسباب و مقاصد کا کلمۃ اللہ سے دور کا بھی تعلق نہیں اور وہ کسی حال میں بھی فی سبیل اللہ نہیں۔

(۲) اسلام ہم پر یہ بات حرام ٹھہراتا ہے کہ ہم مسلمانوں کو اذیت پہنچانے والوں انہیں جلاوطن کرنے والوں اور ان کے اخراج پر دوسروں کی مدد کرنے والوں کی طرف مدد اور تعاون کا ہاتھ بڑھائیں،

اِنَّمَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ قَاتَلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَاَخْرَجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ وَظٰھَرُوْا عَلٰٓی اِخْرَاجِکُمْ اَنْ تَوَلَّوْھُمْ ط (الممتحنہ: ۹)

"اللہ تمہیں ان لوگوں کی دوستی سے منع کرتا ہے، جنہوں نے دین کے بارے میں تم سے قتال کیا، تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا، اور تمہارے اخراج پر دوسروں کی مدد کی"

اور انگریز، امریکہ اور ان کے ساتھ روس بھی ہمیں فلسطین سے ہمارے گھروں سے نکالنے میں شریک تھے۔ زمین میں مسلمانوں کا ہر ملک ہمارا ملک ہے، فرانس شمالی افریقہ میں ہمیں اذیت دینے اور ہم سے لڑنے میں شریک تھا اور اب تک شریک چلا آرہا ہے

Marfat.com

ان سب طاقتوں نے دین کی وجہ سے ہمارے ساتھ قتال کیا ہے اور برابر کئے جا رہی ہیں یہی سبب ہے کہ ان چاروں سلطنتوں میں سے ایک یا ایک سے زیادہ کے ساتھ ہر قسم کا معاہدہ اور ہر قسم کا تعاون از روئے اسلام سخت حرام ہے، جو حکومت ایسا معاہدہ کرے گی وہ صریح اسلامی حکم کے خلاف بغاوت کرے گی، ایسی سلطنت کی رعایا کے ذمہ اس فعل حرام میں اپنی حکومت کی اطاعت واجب نہیں، بلکہ ساری امت پر واجب ہے کہ ہر طریقے اور ہر وسیلے کے ساتھ اس سلطنت کو اس فعل حرام سے روکے۔

(۳) اسلام ہمیں یہ حتمی حکم دیتا ہے کہ انسانیت سے ظلم کو دُور کریں، اور اس کی ابتدا اپنے آپ سے ظلم کو روکنے کے ساتھ کریں۔ روئے زمین پر سامراج سے شنیع تر کوئی اور ظلم نہیں ہے۔ یہ سامراج آجکل وطنِ اسلامی کے نقطۂ نگاہ سے تین ظالم سلطنتوں کے رُوپ میں جلوہ گر ہے: انگریز، فرانس اور اسرائیل۔

اسی باعث اسلام ہمیں دعوت دیتا ہے کہ ہم ہر میدان میں ان تینوں ظالم سلطنتوں کے ساتھ جہاد کریں، اور جب پہلی فرصت پائیں تو ان کے سامنے تلوار کھینچ لیں، جب تک یہ سلطنتیں اسلام پر ظلم و عدوان سے باز نہ آجائیں ہم اپنے آپ کو ان کے ساتھ بر سرِ جنگ سمجھیں

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ (البقرہ : ۱۹۰)

"اور اللہ کی راہ میں ان سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں"

(۴) اس ضمن میں جو کچھ سلطنتوں اور حکومتوں پر منطبق ہوتا ہے، وہ جماعتوں اور افراد پر بھی منطبق ہوتا ہے۔ پس ہر کمپنی، ہر مالی یا تجارتی ادارہ اور ہر فرد جو ان سلطنتوں کے ساتھ کسی نوع کا تعاون کرے وہ اسلام کے خلاف میدان میں نکلنے والا ہے، اللہ کے حکم کا مخالف ہے، امتِ مسلمہ کا باغی ہے اور دنیا بھر میں ہر جگہ مسلمانوں کو ایذا دینے والا ہے اور یہ ٹھیکیدار جو دنیا میں کسی جگہ ان سلطنتوں کی فوجوں کو سامانِ خوراک یا دیگر ضروری اشیاء سپلائی کرتے ہیں، یہ مزدور جو ان کے لئے چھاؤنیوں میں کام کرتے ہیں یا ان کی بندرگاہوں وغیرہ میں سامان لادتے اتارتے ہیں، اور یہ پیشہ ور مشائخ جنہیں سامراجی کمپنیاں مشکلات کے بھنور سے نکلنے کی خاطر استعمال کرتی ہیں، یہ سب لوگ یقیناً اللہ اور

Marfat.com

اس کے رسول سے خیانت کا ارتکاب کر رہے ہیں، مسلمانوں سے غداری اور خود اپنے آپ سے خیانت کر رہے ہیں اور جب بھی ان کے ہاتھ کسی فقنے کی طرف کسی خدمت یا مدد کے لئے یا کسی فتوے کے لئے اٹھتے ہیں تو اس وقت یہ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کر رہے ہوتے ہیں۔

اسلام ہر مسلم فرد، ہر مسلم ادارے، ہر حکومت اور دنیا کے ہر گوشہ میں ہر مسلم سلطنت پر یہ حتمی فریضہ قرار دیتا ہے، کہ وہ ان باغی قوتوں سے جہاد کریں، ان کا مقابلہ کریں اور انہیں ہر ممکن طریقہ سے ہر ممکن ضرب لگائیں، جب تک یہ قوتیں ہم پر ظلم وستم کرنے سے باز نہیں آجاتیں، ہم اس وقت تک ان سے حالت جنگ میں ہیں، نیز جب تک وہ ساری زمین میں بغاوت وفساد سے باز نہیں آتیں ہماری جنگ جاری رہے گی،

یہی اسلام کا کلمہ ہے، جو صریح واضح، بلند اور علانیہ ہے یہ ہمارے لئے نجات کی راہ کھولتا ہے، اور ساری انسانیت کے لئے جامع، کامل اور ہر بغاوت وفساد اور تعدی سے پاک امن وسلامتی کی راہ کھولتا ہے، اب رہا یہ سوال

• اب رہا یہ سوال کہ اسلام کا یہ کلمہ عملی زندگی میں کیوں کر قائم ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ موجودہ عالمی حالات میں یہ اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتا جب تک امت اسلامیہ دو لازم ملزوم قدم نہ اٹھائے۔

(۱) پہلا قدم یہ ہے کہ مسلمانوں کی ہر چھوٹی بڑی سلطنت میں اسلامی حکومت کی طرف رجوع کیا جائے، قوانین وتشریحات شریعت اسلامیہ سے حاصل کی جائیں، اس شریعت سے حاصل کردہ اخلاقی، اقتصادی اور اجتماعی اصولوں کو نافذ کیا جائے، اور ان کے تعلیم وتربیت کے طریقے اور تعلیمی نصاب زندگی کے متعلق اسلامی فکر کے سانچے میں ڈھالے جائیں،

(۲) دوسرا قدم یہ ہے کہ یہ تمام چھوٹی بڑی سلطنتیں اسلامی علم کے نیچے ایک بلاک بن جائیں، اسی طرح بین الاقوامی سیاست کے میدان میں بھی سب ایک بلاک کے طور پر متحد ہو جائیں، علیٰ ہٰذا القیاس اقتصادی اور حرب وضرب کے میدان میں بھی!

Marfat.com

ان کا اتحاد و اتفاق اس بنیاد پر ہو کہ (الف) وہ اپنے لئے اور اپنے عوام کے لئے ہر قسم کی آزادی چاہتی ہیں۔ جو کوئی بھی اس آزادی پر تعدّی کریگا، یہ سب مل کر اس کے خلاف جنگ کریں گی۔

(ب) دنیا بھر میں کسی قسم کا ظلم و ستم اور کسی نوع کا سامراج بھی ہو، یہ سب مل کر اس کے خلاف اٹھ کھڑی ہوں گی۔

یہ ہم جنس بلاک ہی وہ جدید علَم اٹھا سکتا ہے جس میں ایک جدید انسانیت کی فکر کا پرتو نظر آئے گا، اور اس جھنڈے کو لے کر وہ گمراہ، معذب، شقی اور بدبخت انسانیت کے لئے راستہ واضح کر سکے گا۔

اس بلاک کی سرحدیں بحر اٹلانٹک کے کناروں سے لے کر بحر الکاہل کے ساحلوں تک باہم ملی ہوئی ہیں۔ اس بلاک میں یہ مسلم ممالک شامل ہیں: مراکش، تیونس، الجزائر، لیبیا، وادیٔ نیل، شام، لبنان، عراق، اردن، جزیرۂ عربیہ، یمن، ترکی، یمن، ایران، افغانستان، پاکستان، انڈونیشیا۔

اس بلاک کے باشندوں کی تعداد بیس کروڑ سے زائد ہے، اور یہ پٹرول اور خام مواد کے زرخیز ترین چشموں کا مالک ہے، اپنے محل وقوع، جغرافیائی اور فوجی اہمیت کے ٹھکانوں اور ساری دنیا کے مواصلات کے باعث بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے،

یہ بلاک اپنی اہمیت اور وزن کا مالک ہو سکتا ہے۔ حتیٰ کہ گو یہ اسلحہ سے محروم ہو تب بھی اس کی بڑی اہمیت ہے۔ اس میں اتنی صلاحیت موجود ہے کہ دونوں متحارب بلاکوں میں سے ہر ایک کو جنگ کی طرف اقدام کرنے سے پہلے دو مرتبہ سوچنے پر مجبور کر سکے، کیوں کہ اس جنگ میں یہ وسیع و عریض علاقے برباد ہو جائیں گے جو ان دونوں بلاکوں کے درمیان حائل ہیں۔ جب تک وہ اس علاقہ کو برباد نہ کر لیں، میدانِ جنگ میں ان کی مڈبھیڑ نہیں ہو سکتی، یہ بلاک ان دونوں کو استعمار کی لعنت کے باعث فلاکت زدہ اس سرزمین میں اپنی باغیانہ سرکشی اور استعماری

Marfat.com

سیاست جاری رکھنے پر اصرار کرنے سے قبل کئی مرتبہ سوچنے پر مجبور کر سکتا ہے ،

یہ بلاک اس مقام اور اہمیت کا مالک اس وقت ہو سکتا ہے جب کہ اس کی بیداری اس حد تک پہنچ جائے کہ وہ اس فریبی اور جھوٹے پراپیگنڈے کے سامنے کھڑا ہو سکے جس پر اس سرزمین میں دونوں بلاکوں کے داعی عمل پیرا ہیں جب یہ بلاک جان لے گا کہ اپنے حکام کو اور دونوں ہاتھوں سے دولت سمیٹنے والوں کو ایک خالص اسلامی سیاست اختیار کرنے پر کس طرح مجبور کر سکتا ہے ، جب وہ اپنی اقتصادیات اور امکانی وسائل کو منظم کرے گا ، اور انہیں اقتصادی سامراج سے نجات دلادیگا جس میں اس کے حکام ، سرمایہ دار اور سامراجی اسے پھنسائے ہوئے ہیں ، جن کے پیش نظر نہ وطن ہے نہ قومیت اور نہ دین اور مذہب !

میں جو کچھ لکھ رہا ہوں ، قوم کے لئے ہے ، حکومتوں کے لئے نہیں ، عوام کے لئے ہے سرمایہ پرست سامراجیوں کے لئے نہیں ، مجھے اس وسیع و عریض سرزمین کی اقوام اور عوام پر پورا بھروسہ ہے ۔ کمزوری اور افتراق کے اسباب کچھ بھی ہوں ظلم و جبر اور تشدد کے عوامل کچھ بھی اور کتنے بھی کیوں نہ ہوں ، داعیوں کا فرض یہ ہے کہ قوموں پر اپنے بھروسے اور اعتماد کو زائل نہ ہونے دیں ، کیوں کہ عوام جب چاہیں طاقت ور لوگوں کے لئے اور ان کے حلیفوں کے لئے مشکلات پیدا کر سکتے ہیں ۔ وہ ان کو ایک دائمی دشواری میں مبتلا کر سکتے ہیں ، جس کی موجودگی میں وہ اپنے آپ کو تنزل سے محفوظ نہ پائیں ، اور نہ ہی قلق و اضطراب سے بچ سکیں ۔

اب عوام کے لئے وقت آچکا ہے کہ وہ اس مجرمانہ مذاق کے لئے ایک حد مقرر کر دیں ، جو اس بلاک میں ان کے حاکم اور سرمایہ دار ان کے ساتھ کرتے رہیں ہیں ، اور اپنی قسمت کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لیں ، اور پھر اس ہاتھ کو قطع کر دیں جو ان کی مرضی کے خلاف کسی خاص مقصد کے لئے ان کی قسمت سے کھیلے ۔

فلسطین کئی صاحب اقتدار و حکومت گھرانوں کی باہمی کش مکش کی قربان گاہ پر ان کی نذر ہو چکا ہے ۔ یہ اس لئے نہیں ہوا کہ عرب قوم کی قوتیں ۔۔ چاہے وہ کتنی ضعیف

Marfat.com

ہوں! مٹھی بھر یہودیوں کے سامنے کھڑا ہونے سے عاجز آگئی تھیں، ان یہود کی پشت پر گو اشتراکی اور سرمایہ دار دونوں بلاکوں کی مدد موجود تھی، پھر بھی وہ عربوں کو زیر نہ کر سکتے تھے، اگر عرب قوم کے مجموعے میں اس وقت اتنا احساس اور بیداری ہوتی جس سے وہ خود غرض انسانوں کی خود غرضی کو ختم کر سکتے اور ان کے زیاں کار ہاتھوں کو پکڑ لیتے تو یہ تباہ کن حادثہ پیش نہ آتا،

اس حادثے کے وقوع کو روکا جا سکتا تھا، مگر منفرق جھنڈوں نے۔یعنی مختلف کمزور قومیتوں کے جھنڈے! چھوٹی چھوٹی سلطنتوں اور ان کے حاکم گھرانوں کی خود غرضیوں کو اولین درجہ اور غالب مقام دیدیا۔

اسلام کے واحد علم کی طرف واپسی ہی واحد راستہ ہے جو باقی ہے، آج یہی علم نجات کی علامت ہے، حقیقت یہی ہے کہ اسلام کا کلمہ ہی وہ آخری کلمہ ہے جسے مسلمان نجات کے لئے باواز بلند پکار سکتے ہیں، بلکہ امن اور زندگی کے لئے انسانیت بھی اسی کلمہ کو پکارے گی۔

Marfat.com